پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
اور
رزق حلال

حکیم محمود احمد ظفر

Marfat.com

طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ (الحدیث)

DATA ENTERED

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

اور

رزقِ حلال

حکیم محمود احمد ظفر

تخلیقات

تخلیقات: علی پلازہ، **3**- مزنگ روڈ، لاہور فون **042-7238014**
Email: takhleeqat@yahoo.com www.takhleeqatbooks.com
رابطہ: ویئرہاؤس **042-7238014** شوروم: **042-7124933**

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

◉ کتاب: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور رزقِ حلال

◉ مصنف: حکیم محمود احمد ظفر

◉ زیرِ نگرانی: لیاقت علی

◉ ناشر: ''تخلیقات'' علی پلازہ، 3 مزنگ روڈ لاہور۔

◉ تاریخِ اشاعت: 2009ء

◉ کمپوزر: محمود فرید 0321-7995084

◉ پرنٹر: ''اکرم پریس'' لاہور۔

◉ ضخامت: 288 صفحات۔

◉ قیمت: -/260 روپے۔

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

- پیش گفتار ______ 9
- قبل از بعثت ______ 23
  - عربوں کی زندگی کا تاریک پہلو 34
  - جاہلیت ہے کیا؟ 38
  - ایرانی سلطنت کا بگاڑ 42
  - رومی سلطنت کی کیفیت 54
  - ایرانی امراء کا تعیش 58
- دنیا کا عمومی جائزہ ______ 64
- ولادت باسعادت ______ 70
  - رسول اللہ ﷺ کا افضل الانبیاء ہونا 71
  - نفاق __ ایک بدترین روگ 99
  - اسلام اور معاشیات 104
- جدید نظام سرمایہ داری ______ 112
- رزق حلال کمانے کی ترغیب ______ 116
  - دنیا کی بے ثباتی اور بے مائیگی 133
  - موجودہ نظام معیشت 146

Marfat.com

◆ اسلام میں مال کی اہمیت ________ 152
◆ 1__ مال کو ضائع کرنے کی ممانعت 159
◆ 2__ غیر شرعی مصارف میں صرف کرنے کی ممانعت 160
◆ 3__ اسراف کی ممانعت 160
◆ 4__ عیش کوشی کی ممانعت 163
◆ 5__ ملکیت کے نقصان دہ استعمال کی ممانعت.... 164
◆ رزق حلال کی اہمیت ________ 167
◆ رشوت ________ 187
◆ رشوت کی تعریف 187
◆ رشوت کے اصطلاحی معنی 189
◆ رشوت کی مختلف صورتیں 191
◆ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے رشوت دینا 191
◆ کسی حق کو حاصل کرنے اور ظلم و ضرر کے دفعیہ کے لیے رشوت دینا 192
◆ ملازمت کے حصول کے لیے رشوت دینا 193
◆ رشوت اور ہدیہ 197
◆ رشوت اور یہود 200
◆ رشوت کی حُرمت قرآن سے 200
◆ رشوت کی اقسام 207
◆ شراب نوشی ________ 209

Marfat.com

- شراب کا نظام ہضم پر اثر 211
- شراب کا جگر پر اثر 213
- شراب کے دورانِ خون پر اثرات 214
- شراب کا اعصابی نظام پر اثر 216
- شراب کے معاشرے پر اثرات 216
- اسلام میں شراب نوشی کی حرمت 218
- شراب کی تعریف 219
- تحریم شراب کے بارے میں قرآنی نصوص 219
- شرابی پر لعنت 227
- شراب سے علاج کرنا بھی جائز نہیں 229
- شراب کے بارے میں متفرق احادیث 229
- بھنگ اور حشیش وغیرہ کا شرعی حکم 230

◆ سود خوری ________ 233
- سود اور نفع میں فرق 236

◆ تجارتی بدعنوانیاں ________ 250
- احتکار و اکتناز 250

◆ قمار یا سٹہ ________ 260
- ہر قمار والا کھیل حرام ہے 271

◆ تجارت ________ 274
- بیع کی تعریف 276
- اسلام میں چند ناجائز بیع 277

Marfat.com

- بیع ملامسہ اور منابذہ 278
- کنکری پھینکنے والی اور دھوکہ کی بیع 278
- بیع پر بیع کرنا 279
- بیع بخش کی ممانعت 280
- تلقی جلب کی ممانعت 281
- شہری کو دیہاتی کا مال فروخت کرنا 282
- قبضہ سے قبل کسی شے کا فروخت کرنا 282
- مجہول ڈھیر کی بیع 284
- ظہور صلاحیت سے قبل درختوں پر پھلوں کی بیع 284
- ہنڈی کی بیع 286

پیش گفتار

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے ماننے والوں کو ان کی معاشرتی زندگی میں مختلف تعلیمات سے بہرہ ور کیا وہاں ان کو اکل حلال اور رزق حلال حاصل کرنے کی بھی ہدایات دیں۔ قرآن حکیم نے بھی تمام انسانوں کو حلال اور طیب رزق کھانے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا﴾ (بقرہ:۱۶۸)

”اے لوگو! زمین کی ان چیزوں میں سے کھاؤ جو حلال اور طیب ہیں۔“

اس آیت میں نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ تمام نوع انسانی کو حلال اور طیب رزق کھانے کی تلقین فرمائی اور کھانے پینے کی تمام چیزوں میں دو شرطیں ضروری قرار دیں۔ ایک حلال اور دوسری طیب۔ جس چیز سے حرمت کی گرہ کھل گئی وہ حلال ہے اور طیب وہ چیز ہے جو حلال اور جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو۔

اسلام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایمان اور عمل صالح، لیکن رزق حلال کو عمل صالح پر فضیلت دی ہے اس لیے اس کا ذکر عمل صالح سے مقدم فرمایا۔ اسی وجہ سے سہل بن عبداللہ نے کہا کہ نجات تین چیزوں میں ہے۔ حلال کھانا، فرائض کو ادا کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی اقتداء اور تابعداری کرنا۔ اس وجہ سے قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر تمام رسولوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

﴿يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ (المومنون:۵۱)

''اے پیغمبرو! عمدہ چیزیں کھاؤ اور عمل صالح کرو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو میں اس کو خوب جانتا ہوں۔''

''طیبات'' کے لغوی معنی پاکیزہ اور نفیس چیز کے ہیں اور شریعت میں جو چیزیں جائز کی گئی ہیں وہ سب عقلاً مرغوب ہیں، اس آیت میں ''طیبات'' بمعنی حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ اور نفیس ہیں۔

آیت میں خطاب تمام پیغمبروں کو ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام انبیاء یک جا تھے اور ان کو ایک ساتھ خطاب کیا گیا بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اپنے اپنے زمانہ میں اور اپنی اپنی جگہ ہر پیغمبر اور رسول کو یہ ہدایت دی گئی کہ حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل صالح کرو۔

انبیاء علیہم السلام معصوم ہونے کے باوجود جب ان احکام کے مکلّف ہیں تو ان کی امتیں بدرجہ اولیٰ مکلّف ہیں۔ نیز علماء نے لکھا ہے کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ میں حلال غذا سے اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے اور حرام غذا سے یہ توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ غذائے صالحہ سے صالح خون پیدا ہوگا جو جزو بدن ہوگا، صالح خیالات پیدا ہوں گے اور صالح اعمال میسر آئیں گے، اور حرام غذا سے فاسد مواد پیدا ہوگا، خیالات واعمال سب فاسد ہوں گے۔

پاک چیزوں سے مراد ایسی چیزیں ہیں جو بجائے خود بھی پاکیزہ ہوں اور پھر حلال اور جائز طریقہ سے حاصل بھی ہوں۔ اس سے رہبانیت اور دنیا پرستی کے درمیان راہِ اعتدال کی طرف اشارہ ہو رہا ہے یعنی مسلمان نہ تو راہبوں کی طرح اپنے آپ کو پاکیزہ رزق سے محروم کرتا ہے اور نہ دنیا پرستوں کی طرح حرام حلال کی تمیز کیے بغیر ہر چیز پر منہ مارتا ہے۔ اور عمل صالح سے قبل حلال وطیب غذا کی ہدایت سے صاف اشارہ اسی

طرف ہے کہ حرام خوری کے ساتھ عمل صالح کے کوئی معنی نہیں۔ حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کر کے ارشاد فرمایا:

''ایک شخص طویل سفر کر کے غبار آلود اور پراگندہ حال آتا ہے، اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر ''یارب، یارب'' کہہ کر دعائیں مانگتا ہے مگر اس کی روٹی حرام، اس کا لباس حرام اور غذا حرام، پھر اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟'' (مسلم، رقم:۲۳۴۲، ترمذی:۲۹۸۹)

یہی وجہ تھی کہ ہر نبی نے اور ہر نبی کے صحیح جانشینوں نے اپنے ماننے والوں کو رزق حلال، صدق مقال اور حسن اعمال کی تاکید فرمائی۔ بلکہ سرکار دو عالم ﷺ نے تو کسب حلال کو فرض قرار دیا۔ چنانچہ فرمان نبوت ہے:

((طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة)) (مشکوٰۃ:ص۲۴۲)

''یعنی فریضہ خداوندی کی ادائیگی کے بعد حلال روزی کی تلاش و جستجو فرض ہے۔''

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

''جو شخص پاکیزہ مال سے صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال کے سوا اور کوئی مال قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے خواہ وہ ایک کھجور ہو، پھر وہ صدقہ رحمان کے ہاتھ میں بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ پہاڑ سے زیادہ ہو جاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص گھوڑے یا اونٹ کے بچے کو پالتا ہے۔'' (مسلم، رقم:۲۲۳۹، بخاری، رقم:۱۴۱۰)

اس احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف اور صرف پاک چیزوں کو قبول کرتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام کمائی سے صدقہ کرنا ناجائز ہے اور جس مال حرام کی حرمت قطعی ہو جیسے سود یا غیر کے لوٹے ہوئے مال سے صدقہ کرنا اور پھر اس پر ثواب کی امید رکھنا کفر ہے۔ اور ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر فقیر کو معلوم ہو جائے کہ یہ مال حرام ہے، اس کے باوجود فقیر اس مال کو لے کر دینے والے کے حق میں دعا کرے تو

Marfat.com

وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ (شامی ومرقات) اگر کسی شخص نے کسی سے ناجائز مال لے لیا ہے اور وہ اب اس مال سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اس مال کے مالک یا اس کے ورثاء کو تلاش کر کے وہ مال انہیں پہنچا دے۔ اور اگر مال یا اس کے ورثاء نہ ملیں تو مالک کی طرف سے اس مال کو فقراء پر صدقہ کر دے اور اپنے ذمہ سے برأت کی نیت کرے۔ اس نیت کا ثواب ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام مال کھانا دعا کے قبول نہ ہونے کا ایک سبب ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے مستجاب الدعوات فرما دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے انس!

((اطب کسبک، تجب دعوتک، فان الرجل لیرفع اللقمة من الحرام الیٰ فیه فلا یستجاب دعوة اربعین یوماً))

"اپنی کمائی پاک رکھو، تمہاری دعائیں قبول ہوں گی۔ جب کوئی شخص حرام کا لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈالتا ہے تو اس کی چالیس روز کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔"

اسلام ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اس کو ماننے والا کوئی شخص لقمہ حرام منہ میں نہ ڈالے۔ اس وجہ سے اسلام نے مال کے کمانے اور اس کے خرچ کرنے دونوں پر پابندی عائد کر دی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز کسی شخص کے دونوں پاؤں اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو پانچ سوالوں کا جواب نہ دے لے۔ ان پانچ میں سے دو سوال مال کے بارے میں ہیں۔

(1) اپنے مال کے بارے میں کہ اس نے کہاں سے کمایا ___ اور

(2) پھر اسے کہاں کہاں خرچ کیا۔

یعنی اسلامی معاشیات میں مال کے کمانے اور پھر اس کے خرچ کرنے دونوں پر پابندی عائد کی گئی ہے، اور جو شخص پھر بھی حرام کھاتا ہے اس کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''وہ گوشت اور خون دونوں جنت میں نہیں جائیں گے جو حرام مال سے پیدا ہوئے، ان کا قرار واقعی ٹھکانہ جہنم ہے۔'' (ایک روایت میں صرف گوشت کا ذکر ہے)

اس سلسلہ میں مختلف بزرگوں کے بے شمار واقعات تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں جن میں مذکور ہے کہ حرام خورد ونوش سے بچنے کے لیے انہوں نے کیا کیا طریقے اختیار کیے۔ چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان کی خدمت میں دودھ پیش کیا۔ آپ نے اس کو قبول فرمالیا اور پی لیا۔ بعد میں آپ نے اس شخص سے پوچھا کہ تم یہ دودھ کہاں سے لائے۔ اس نے بتایا کہ فلاں گھاٹ کے پاس سے گزر رہا تھا وہاں زکوٰۃ کے جانور اونٹنیاں، بکریاں وغیرہ تھیں۔ لوگ ان کا دودھ دھو رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی دیا۔ میں نے لے لیا اور یہ وہی دودھ تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ پتہ چلا تو انہوں نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی اور اس دودھ کو اس طرح نکال دیا۔ (مشکوٰۃ)

اسی طرح کا ایک واقعہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی کئی واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ انہوں نے کبھی بھی شام کے میوے نہیں کھائے کیونکہ اس خطے کی بکثرت زمینیں اور املاک اوقاف میں گڈ مڈ ہو کر رہ گئی تھیں اور ان کے مالک یا منتظمین نے ان کی بابت کوئی وضاحت نہیں کی تھی۔ تقویٰ اور پرہیزگاری اسی کا نام ہے کہ آدمی مشتبہات سے بھی پرہیز کرے۔ اور یہی وجہ تھی کہ یہ اسلاف صالحین سرآمد روزگار ہوئے۔ اب حلال وحرام کی تمیز اٹھ چکی ہے اور عام ذہنیت یہ بن چکی ہے کہ کسی طرح مال ان کی مٹھی میں آ جائے خواہ حلال طریقے سے آئے یا حرام طریقے سے۔ بعض لوگوں نے تو اب دولت کی حرص و آز اور مال جمع کرنے کی خاطر ''اس بازار'' کا رخ بھی کر لیا ہے۔ وہ گانے بجانے اور ناچنے

Marfat.com

والیوں اور بازاری عورتوں کو بلا کر شہر شہر اسٹیج سجاتے ہیں اور اس طرح دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے کی ناپاک اور شرمناک حرکت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سودی لین دین اور زکوٰۃ چوری ان کے یہاں عام ہے۔ اس کے علاوہ یتیم بچوں کا مال کھانے سے بھی گریز نہیں کرتے حالانکہ ارشاد خداوندی ہے کہ

"جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔" (النساء: ۱۰)

اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اچانک میرے سامنے کچھ ایسے آدمی لائے گئے جن کے اوپر کچھ لوگ مسلط تھے۔ وہ ان لوگوں کے جبڑے پکڑ کر چیرتے تھے اور دوسرے آگ کی چٹانیں ان کے جبڑوں میں ٹھونسی جاتی تھیں۔ پھر کی یہ چٹانیں ان کے پاخانے کے مقام سے باہر نکل جاتی تھیں۔ میں نے پوچھا: "جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے جواب دیا:

الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً، انما یاکلون فی بطونھم ناراً ......الخ

یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے تھے، اب یہ اپنے پیٹوں میں آگ کھائیں گے۔"

یہ درست ہے کہ مال کو مال اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ انسان کی طبیعت کو اپنی طرف مائل کرتا ہے لیکن اسلام نے کسب مال کی اجازت دی ہے حب مال کی اجازت نہیں دی۔ اسی حب مال کا جذبہ ہے کہ بعض آدمی مزدور کو اس کی مزدوری بھی نہیں دیتے۔ دنیا میں مختلف کاموں کا اجرت پر کرانے کا دستور اور رواج ہے جیسے کوئی عمارت تعمیر کرانا، کپڑے سلوانا، کارخانوں اور فیکٹریوں میں مختلف کام کروانا وغیرہ، لیکن کام ہونے کے بعد جب ورکر کو مزدوری دینے کا وقت آتا ہے اور مزدور مالک سے اپنے کام

Marfat.com

کی مزدوری طلب کرتا ہے تو بعض مالک ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں، اور آج نہیں کل، یا اس ماہ نہیں اگلے ماہ کے وعدوں پر مزدوروں کو ٹرخاتے رہتے ہیں حالانکہ اگر وہ چاہیں تو وقت پر مزدوری دے سکتے ہیں لیکن وہ مال کو ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہتے یا ان کی طبیعت مال چھوڑنے کی طرف راغب اور مائل نہیں ہوتی۔ بعض مالکان ایسے ہتھکنڈے اختیار کرتے ہیں کہ مزدوری سرے سے دینی ہی نہ پڑے، یا اس کی مزدوری کا کچھ حصہ ہڑپ کرلیا جائے۔ ایسے موقع پر طرح طرح کے بہانے کیے جاتے ہیں جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ مزدور نے کام پورا نہیں کیا یا ٹھیک طرح سے کام نہیں کیا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ مزدور کا حق اور اس کی مزدوری ماری جائے۔ یہ بھی رزق حرام ہے۔ اس بارے میں سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتا ہے کہ

''قیامت کے روز میں تین آدمیوں کا دشمن ہوں گے اور جس کا میں دشمن ہوں گا میں اس پر غالب آؤں گا۔ اور ان تین میں سے ایک وہ شخص ہے کہ جو کسی مزدور کو اجرت پر لگائے، پھر اس سے پورا کام لے کر اس کی مزدوری نہ دے۔'' (بخاری، رقم: ۲۲۷۰، ۲۲۲۷)

اور جس طرح مزدور کی مزدوری نہ دینا گناہ کبیرہ اور رزق حرام ہے، اسی طرح مال دار کا حق کی ادائیگی میں دیر کرنا بھی ظلم ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بخاری اور مسلم اور دیگر صحاح کی کتابوں میں روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

((مطل الغنی ظلم، و اذا اتبع احدکم علیٰ ملئی فلیتبع))

(رواہ احمد: ۲/۲۷۹، بخاری: ۲۲۸۷)

''دولت مند کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اگر تم میں سے کسی کا قرض کسی مال دار شخص پر منتقل کیا جائے تو قرض خواہ پر لازم ہے کہ اس کی (تحویل قرض) کو مان لے۔''

Marfat.com

"مطل الغنی ظلم" میں فعل کی نسبت فاعل کی طرف کی گئی ہے یعنی قرض خواہ کی طلب پر مال دار کا حق کی ادائیگی میں دیر کرنا ظلم ہے۔ بعض حضرات کا یہ کہنا کہ اس میں فعل کی نسبت مفعول کی طرف ہے یعنی مال دار قرض خواہ کی طلب پر قرض دار کا ادائے حق میں دیر کرنا ظلم ہے۔ لہٰذا غریب قرض خواہ کی طلب پر تاخیر کرنا بدرجۂ اولیٰ ظلم ہوگا۔ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ مال دار کا مزدوری ادا کرنے میں دیر کرنا حرام اور ظلم ہے۔ اور اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی جائے۔ اور جب مال دار قرض خواہ کے بارے میں یہ حکم ہے تو تنگ دست قرض خواہ کا یہ حق بدرجہ اولیٰ جلد ادا کرنا ہوگا۔

ظلم کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی اپنی بیوی کا مہر، نفقہ اور لباس وغیرہ کے سلسلہ میں اس پر ظلم کرے یعنی بیوی کا حق مہر نہ دیا، یا اس کے نان ونفقہ کے بارے میں زیادتی کرے حالانکہ وہ مہر کی ادائیگی بھی کر سکتا ہے اور نان ونفقہ بھی دے سکتا ہے۔ مال دار اور صاحب جائداد ہے لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود نہیں دیتا۔ وہ بھی "مطل الغنی ظلم" کے زمرہ میں آتا ہے۔

ایسا بارہا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے قرض لیتا ہے یا کچھ رقم ادھار لیتا ہے اور جب ادائیگی کا وقت آتا ہے تو ٹال مٹول کرتا ہے، یا مکر جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ قرض خواہ اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہے یا کچھ حصہ اسے چھوڑنا پڑتا ہے۔ اس قسم کی ٹال مٹول اور تاخیر قرض خواہ کو اذیت پہنچانے کے لیے ہوتی ہے۔ ایسا کرنا ظلم اور حرام ہے۔ اسلام نے ایسے ٹال مٹول کرنے والے کے لیے فرمایا:

لی الواجد یحل عرضه وعقوبته. (صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم)

"قدرت والے کی ٹال مٹول سے اس کی آبرو حلال ہو جاتی ہے اور اس کی سزا جائز ہو جاتی ہے۔" (رواہ احمد: ۶/۵۱، ابن ماجہ: ۲۴۲۷، ابوداؤد، رقم: ۳۶۲۸)

یہ بھی حرص و آز ہی کی وجہ سے ہے کہ آدمی سودا سلف میں دھوکہ دہی سے کام

Marfat.com

لیتا ہے حالانکہ مسلمان کو دھوکہ دینا اور ناحق مال کھانا حرام ہے۔اور غیروں کا مال کسی شرعی جواز کے بغیر ہتھیا لینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔حدیث میں ہے:

((من غشنا فليس منّا))

(مسند احمد: ۲/۲۴۲، مسلم، رقم: ۱۰۱، ابوداؤد، رقم: ۳۴۵۵، سنن ترمذی: ۱۳۱۵، ابن ماجہ: ۲۲۲۴، ابن حبان: ۱۱/۲۷۰)

''جو ہم سے دھوکہ کرے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''

چنانچہ اسی سلسلہ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اناج کے ایک ڈھیر پر ہوا۔ جب آپ نے اس ڈھیر کے اندر اپنا دست مبارک ڈالا تو آپ کی انگلیاں گیلی ہو گئیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اناج والے سے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''یارسول اللہ! رات بارش ہوئی جس سے یہ اناج گیلا ہو گیا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے اندر کے اناج کو اوپر کیوں نہ کر دیا تاکہ لوگ دیکھ لیتے۔'' پھر فرمایا: ''جس نے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ)

ناپ تول میں کمی کرنا یہ بھی رزق حرام ہے۔موجودہ زمانے میں اکثر و بیشتر دکاندار ناپ تول میں کمی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں حالانکہ قرآن حکیم کا تاکیدی حکم ہے:

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلاً﴾ (الاسراء: ۳۵)

''اور جب تم ناپ تول کرو تو پورا دیا کرو (اور جب وزن کر کے دینے لگو تو) سیدھے ترازو سے وزن کرو۔ یہ سب سے اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے۔''

اسی طرح سورۃ الرحمٰن میں فرمایا کہ

''انصاف کرنے میں بے اعتدالی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن اور ناپ پورا کیا کرو، اور (ناپ) تول کم نہ کیا کرو۔'' (الرحمٰن: ۹)

Marfat.com

وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک مسلمان نہ صرف اپنے قول وفعل میں سچا ہوتا ہے بلکہ اپنے معاملات میں بھی وہ تمام لوگوں سے سچائی کا معاملہ کرتا ہے کیونکہ یہ تمام فضائل کی اصل اور مکارم اخلاق کی بنیاد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکارم اخلاق کے اتمام کے لیے ہی اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے تھے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''سچائی نیکی کی طرف راہ نمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی سچ بولتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں سچے لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے، اور جھوٹ گناہ ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹے لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔''

(مسلم، رقم: ۲۶۰۷، بخاری، رقم: ۶۰۹۴)

ناپ تول میں کمی کرنا بھی ایک عملی جھوٹ ہے جس کی شریعت میں ممانعت ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ﴾ (ہود: ۸۴)

''یعنی ناپ تول میں کمی نہ کرو۔''

اسی وجہ سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہوگی اس کے دلوں میں رعب میں ڈال دیا جائے گا، اور جس قوم میں بکثرت زنا ہوگا اس میں بکثرت موت ہوگی، اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی اللہ تعالیٰ اس پر دشمن کو مسلط کر دے گا۔ (مؤطا امام مالک، رقم: ۹۹۸)

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ﴾ (مطففین: ۱-۳)

''یعنی تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں یا جب ان کو ناپ

کریا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھاٹا دیتے ہیں (یعنی کم دیتے ہیں)"

تطفیف چوری چھپے کمی کرنے کو کہتے ہیں۔ ناپ تول مین کمی کرنے والا مال کی کوئی بڑی مقدار اور تعداد میں نہیں اڑاتا۔ آپ ایک روپے کا سودا لیں تو وہ زیادہ سے زیادہ دس بیس پیسے کا سودا کم دے گا۔ گویا ہاتھ کی صفائی دکھا کر خریدار کے حصہ سے تھوڑا تھوڑا اڑاتا رہتا ہے۔ اور خریدار بیچارے کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ دکاندار اور تاجر اسے کیا اور کتنا گھاٹا دے گیا ہے۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ ناپ تول میں کمی کرنے کی سخت مذمت اور پورا ناپنے اور تولنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو الانعام:۱۵۱)

سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم پر جس جرم اور گناہ کی وجہ سے عذاب نازل ہوا وہ یہی تھا کہ ناپ تول میں کمی کرنے کا مرض ان میں عام پھیلا ہوا تھا اور سیدنا شعیب علیہ السلام کی پے در پے نصیحتوں کے باوجود وہ قوم اس جرم سے باز نہ آتی تھی جس کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے۔

ناپ تول میں ڈنڈی مارنے والا کساد بازاری اور اقتصادی بربادی کا مرتکب ہوتا ہے۔ معیشت کا ڈھانچہ اس سے تباہ و برباد ہو جاتا ہے، لوگوں کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ عرب میں عام طور پر اور مدینہ طیبہ میں خاص طور پر زیادہ تر ناپ کا رواج تھا تول کا رواج نہیں تھا۔ لفظ "اکْتَالُوْا" پر اکتفا کرنے کی اور بھی وجوہ ہو سکتی ہیں، البتہ کم دینا چونکہ ممنوع ہے، اس لیے "وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ" فرما کر آیت میں دونوں شقوں کو صراحتاً الگ الگ ذکر فرما دیا تاکہ دونوں کی مستقلاً برائی معلوم ہو جائے۔

قرآن و حدیث میں ناپ تول کی کمی کو حرام اور گناہ کبیرہ قرار دیا گیا اور ایسا کرنے والے کو مطفف کہا جاتا ہے۔ عام طور پر کاروبار اور لین دین انہی دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ انہی کے ذریعے کہا جا سکتا ہے کہ حق دار کا حق ادا ہو گیا یا نہیں۔ بہرحال مقصود اس سے یہ ہے کہ ہر حق دار کو حق پورا پورا دیا جائے۔ اس میں کمی کرنا حرام ہے، لہٰذا حق کی مکمل ادائیگی محض ناپ تول کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس سے کسی کا حق

Marfat.com

پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے، اس کا حکم بھی یہی ہے، خواہ وہ ناپ تول سے ہو یا گنتی سے یا کسی اور طریقہ سے۔ ہر ایک میں حق دار کے حق سے کم دینا **تطفیف اور حرام ہے۔**

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''پانچ کام پانچ کاموں کا بدلہ ہیں'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! وہ پانچ کام کیا ہیں جو پانچ کے بدلہ میں ہیں؟'' فرمایا:

''جو قوم عہد توڑتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن کو مسلط فرما دیتا ہے۔ جو قوم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے بغیر فیصلہ کرتی ہے اس میں غربت اور محتاجی پھیل جاتی ہے۔ جس قوم میں بے حیائی ظاہر ہوتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ طاعون نازل فرماتا ہے (یعنی موت کی کثرت ہو جاتی ہے یا پھر ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جن کا علاج ہی نہیں ہوتا جیسے ایڈز وغیرہ) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں تو وہ سبزیوں سے محروم ہو کر قحط سالی کا شکار ہو جاتے ہیں، اور جو لوگ زکوٰۃ روکتے ہیں تو ان سے بارش روک دی جاتی ہے۔''

(مجمع الزوائد: ۳/۱۵۳، معجم کبیر طبرانی، رقم: ۱۰۹۹۲)

سیدنا نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کسی بیچنے والے کے پاس سے گزرے تو اس سے فرمایا: ''ناپ تول پورا پورا رکھو کیونکہ تمام تولنے والوں کو کھڑا کیا جائے گا حتیٰ کہ پسینہ ان کو ان کے کانوں کے نصف تک لگام ڈال دے گا۔ اسی طرح سب تاجر بیچتے وقت اپنے ہاتھ کو گز کے ساتھ سخت کر دے اور خریدتے وقت ڈھیلا چھوڑے تو وہ بھی سزا کا مستحق ہے۔ **فنسئل الله العفو والعافية من كل بلاء ومحنة انه جواد كريم.** (کتاب الکبائر ذہبی: ص ۳۶۸)

سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنے کی ایک وجہ ان کے ناپ تول کی کمی تھی جیسا کہ سورہ ہود کی آیت نمبر 84 میں انہوں نے سب سے پہلے قوم کو توحید خداوندی کی دعوت دی۔ توحید کی دعوت کے بعد کفر کے علاوہ ان کو ناپ تول کی کمی سے روکا۔ ان

Marfat.com

کی بری عادت یہ تھی کہ جب کوئی شخص ان کے پاس کچھ فروخت کرنے کے لیے آتا تو وہ تول میں اس سے اس چیز کو جتنا زیادہ لے سکتے اتنا لے لیتے، اور جب وہ خود کوئی چیز فروخت کرتے تو ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ اس طرح وہ خرید و فروخت دونوں میں دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچاتے تھے۔ پھر سیدنا شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم کو خوش حال دیکھتا ہوں یعنی تمہارے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے، پھر تم کو ان ناجائز طریقوں سے مال و دولت جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ توحید کی دعوت حقوق اللہ کی دعوت تھی جب کہ ناپ تول میں کمی سے روکنا حقوق العباد کی عبادت تھی، اور انہی دونوں دعوتوں کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فروخت کرنے والے کو یہ حکم دیا کہ جب وہ کوئی چیز تول کر فروخت کرے تو سودے کا پلڑا جھکا ہوا رکھے۔ سیدنا سوید بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اور مخرمہ رضی اللہ عنہ ہجر سے ایک بزاز کے پاس آئے۔ ہم نے ایک شلوار کی قیمت لگائی۔ اور میرے پاس ایک شخص تھا جو اجرت پر وزن کرتا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''وزن کرو اور جھکتا ہوا دو۔''

(ابوداود، رقم: ۳۳۳۶، ترمذی، رقم: ۱۳۰۵، سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۲۲۰، نسائی، رقم: ۴۶۰۶، مسند احمد: ۴/۳۵۲، سنن دارمی، رقم: ۲۵۸۸، ابن حبان، رقم: ۵۱۴۷، معجم کبیر طبرانی، رقم: ۶۴۶۶، مستدرک حاکم: ۱/۳۰)

ناپ تول میں کمی کر کے روپیہ حاصل کرنا یہ بھی رزق حرام ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ

''تم انصاف کے ساتھ وزن اور ناپ پورا کیا کرو اور (ناپ) تول کم نہ کیا کرو۔'' (الرحمٰن: ۹)

قرب قیامت میں انسان میں ھمز اور لمز کا جذبہ پیدا ہو جائے گا اور انسان مال کے حصول کے لیے دن رات ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دولت اکٹھی کرے گا اور حلال و

حرام کی تمیز اس کے ذہن وقلب کے کونوں کھدروں سے نکل جائے گی۔

رزق حلال جس قدر ضروری تھا اتنا ہی موجودہ زمانہ میں ناممکن تو نہیں البتہ مشکل ضرور ہو گیا ہے۔ موجودہ زمانہ کے سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں سود، جوا، احتکار، ذخیرہ اندوزی کو ہر شخص ضروری سمجھنے لگا ہے۔ دولت کی اس ہوس نے لوگوں کو رشوت خور بنا دیا ہے اور ہر دفتر میں کوئی فائل رشوت کے بغیر آگے نہیں چلتی بلکہ اب تو خود ٹیبل پر منہ سے مانگ کر رشوت لی جاتی ہے۔

اس کتاب میں نہ صرف رزق حلال کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے بلکہ ان ذرائع کی نشان دہی کی گئی ہے جو رزق حلال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان حرام ذرائع رزق کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا تعلیمات ہیں، ان پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اس کو پسند فرمائیں گے اور ان حرام ذرائع آمدنی اور رزق سے پورا پورا اجتناب کرنے کی کوشش کریں گے۔

محتاج دعا:
(حکیم) محمود احمد ظفر (سیالکوٹ)
فون نمبر: 0300-6106968

۸۳۶۹۶ ے

Marfat.com

قبل از بعثت

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا کی ایک عجیب حالت تھی۔ موجودہ دور کی طرح ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا رہی تھیں۔ ہر ملک میں سرمایہ دارانہ نظام رائج تھا۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو رہا تھا۔ غریب امیروں کو عیش و عشرت کے سامان مہیا کرنے کے لیے ڈھور ڈنگروں کی طرح کام کرتے تھے۔ امراء نے غرباء کی زندگی کو اجیرن بنا رکھا تھا۔ قرآن حکیم نے اس دور کو جاہلیت کا دور کہا ہے لیکن اس سے مراد وحشت اور حیوانیت کا دور نہیں اور نہ ہی اس سے مراد یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ سے قبل عرب قوم وحشی اور جاہل تھی جو تہذیب و تمدن سے ناآشنا اور علم و ہنر سے بے بہرہ تھی، نہ ان میں کوئی شرافت تھی اور نہ نجابت، نہ سنجیدگی تھی اور نہ متانت، نہ ان کا کوئی ادب تھا اور نہ سلیقہ۔ یہ بات ممکن ہے کہ بدوی قبائل کے بارے میں درست ہو اور ایسے پس ماندہ قبائل کسی ملک وقوم کی تہذیب کا معیار نہیں مانے جاتے، لیکن عرب کے بڑے بڑے شہروں کے بارے میں یہ تصور اور یہ خیال سراسر زیادتی ہے۔

اس زمانہ میں دو سپر پاورز (Super Powers) تھیں۔ ایک ایرانی سلطنت اور دوسری بازنطینی حکومت جو اپنے مضبوط قلعوں اور اپنی تہذیب کی وجہ سے اس وقت کی دنیا میں ایک خاص مقام رکھتی تھیں۔ عربوں کے پاس اگرچہ ان جیسے مضبوط قلعے اور سونے چاندی کے انبار نہ تھے، لیکن صبر و استقلال، پامردی و استقامت، جفاکشی اور سخت کوشی اور سب سے بڑھ کر گھوڑوں کی پیٹھ اور تلوار ان کا بہترین سرمایہ تھا۔ ان کی ایک اپنی

Marfat.com

تہذیب تھی، ایک تمدن تھا، ایک ادب تھا اور ثقافت تھی جن کی وجہ سے تمام دنیا مین وہ ایک امتیازی مقام رکھتے تھے۔ پوری دنیا میں وہ واحد قوم تھی جو اپنے خالص النسل اور محفوظ النسب ہونے کا دعویٰ کر سکتی تھی۔ اپنے نسب تو کیا ان کو تو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب بھی از بر تھے۔ ان کے اونٹ ان کے صحرا کے جہاز تھے اور ریت کے سمندر کے سینہ پر ان کے وہ جہاز رینگتے اور مشرق کی آخری سرحدوں تک ان کو پہنچاتے تھے۔ قول وعہد کی پابندی ان کی گھٹی میں تھی اور بعض دفعہ تو اپنے عہد کی پابندی کے لیے وہ اپنی تمام قوت اور اپنے تمام وسائل وقف کر دیتے بلکہ بعض دفعہ جان کی بازی بھی ہار دیتے۔

جود و سخا میں وہ مشہور زمانہ تھے۔ ایک معمولی عرب جس کا کل اثاثہ اور کل کائنات ایک اونٹنی ہوتی، وہ اپنے مہمان کی خاطر و مدارات کے لیے اس کو ذبح کرنے کے لیے خوشی اور مسرت محسوس کرتا تا کہ وہ دل کھول کر اپنے مہمان کی مہمان داری کر سکے۔ قبیلہ طے کا سردار حاتم جو دنیا میں اپنی سخاوت کی وجہ سے مشہور تھا، عرب ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ روایت میں ہے کہ ایک روز وہ بالکل تہی دست اور فاقہ مست تھا۔ رات ہوئی تو اس نے کسی طریقہ سے اپنے بچوں کو بھوکے پیٹ سلا دیا۔ جب بچے سو گئے تو حاتم کے خیمہ میں ایک عورت داخل ہوئی اور فریاد کی کہ وہ خود بھی بھوکی ہے اور اس کے بچے بھی بھوک سے نڈھال ہیں۔ رات کا چاند رینگ کر اپنی آدھی منزلیں طے کر چکا ہے، لیکن بھوک کی وجہ سے اس کی اور اس کے بچوں کی آنکھیں نیند سے نا آشنا ہیں۔ اس عورت کا یہ فقرہ سن کر حاتم اٹھا اور اپنے پسندیدہ اور محبوب گھوڑے کو ذبح کر ڈالا اور اس عورت کے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے گوشت کے پارچے جتنے وہ لے جا سکتی تھی، اس کو دیئے۔ پھر حاتم نے قرب و جوار کے لوگوں میں باقی ماندہ تمام گوشت تقسیم کر ڈالا لیکن حاتم اور اس کے بچے جیسے بھوکے تھے ویسے ہی بھوکے رہے اور ایک بوٹی بھی ان کے حصہ میں نہ آئی۔ سخاوت کا یہ جذبہ کہ خود اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر دوسروں کے بچوں کا پیٹ بھرنا صرف عربوں ہی کا حصہ تھا۔ (العقد الفرید: ۱/ ۱۰۸)

حاتم طائی پر ہی موقوف نہیں عرب میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو جود و سخا میں اپنی مثال آپ تھے بلکہ ہر عرب بخل کو ناپسند کرتا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن جدعان سیدنا ابوبکر

Marfat.com

صدیق رضی اللہ عنہ کا چچازاد بھائی تھا۔ اس نے کھانے کا ایک بہت بڑا برتن بنوایا تھا جو ہر وقت کھانے سے بھرا رہتا تھا۔ وہ برتن اتنا بڑا تھا کہ شتر سوار اپنے اونٹ پر بیٹھ کر اس میں سے کھانا کھا سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک بچہ اس میں گر پڑا اور ڈوب گیا۔ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے جفنہ اور کڑاہا کے سایہ میں دوپہر کے وقت بیٹھ جاتا تھا۔ جنگ بدر میں جب ابوجہل قتل ہوا تو جنگ کے اختتام پر آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ابوجہل کی لاش کو تلاش کرو اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان ہے کیونکہ میں اور وہ ابن جدعان کی ایک دعوت میں مزاحم ہوئے تھے۔ میں نے اسے دھکیلا تو وہ گھٹنے کے بل گرا اور اس کا گھٹنا زخمی ہو گیا۔ اس زخم کا داغ اس کے گھٹنے پر موجود ہے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن جدعان نے دو ہزار بار بردار بھیج کر شام سے گندم، شہد اور گھی منگوایا اور ہر رات کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اعلان کیا جاتا کہ عبداللہ بن جدعان کی دعوت میں چلے آؤ۔ چنانچہ امیہ بن ابی الصلت نے ایک مرتبہ اس کے بارے میں کہا تھا۔ ان شعروں کا ترجمہ یہ ہے:

> "اس کا ایک تیز اور تازہ دم اعلان کرنے والا مکہ میں ہے اور دوسرا کعبہ کی چھت پر آواز دیتا ہے اور بلاتا ہے حوض نما لبریز پیالہ کی طرف، جس میں گندم کا آٹا شہد میں مخلوط ہے۔"
>
> (السیرۃ النبویہ: ۱/۱۱۷)

عربوں کے ہاں یہ تصور مدتوں سے چلا آ رہا تھا کہ اگر زندہ اونٹ کا کوہان پہلے کاٹ لیا جائے تو یہ بہت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ چنانچہ جوں ہی ان کے ہاں کوئی مہمان آتا وہ فوری طور پر اپنے زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ کر مہمان کے لیے اس کے پارچے یا کباب بنا لیتے۔ بعد میں پھر اس اونٹ کو ذبح کر کے یا تو مہمان کو کھلا دیا جاتا یا پھر اس کا گوشت فقراء میں تقسیم کر دیا جاتا۔ مختصر یہ کہ کوہان کے یہ پارچے اور کباب عربوں کے ہاں بہت مشہور تھے۔ چنانچہ جنگ بدر میں قریش کے جو بڑے بڑے سردار مارے گئے اور بعد میں انہیں بدر کے کنویں میں پھینکا گیا۔ ایک شاعر نے ان کے مرثیہ میں ان کی اس مہمان

Marfat.com

داری کی بہت تعریف کی ہے کہ یہ لوگ دعوت کے موقع پر اپنے مہمان کو کوہان کے پارچے اور کباب آبنوس کی کشتیوں میں سجا کر پیش کرتے تھے۔ (بخاری:۱/ ۵۵۷)

چنانچہ ابوبکر بن شعوب نے اس بارے میں کہا ہے

وما ذا بالقليب قليب بدر
من الشيزى تتزين بالسنام
وما ذا بالقليب قليب بدر
من القينات والشرب اثكرام

''بدر کے اس کنویں میں وہ سردار پڑے ہوئے ہیں جن کے ہاں آبنوس کی کشتیاں نما طشت دعوت کے موقع پر مہمان کو پیش کی جاتی تھیں جو اونٹوں کے کوہانوں کے گوشت سے آراستہ ہوتی تھیں۔

اس بدر کے کنویں میں وہ سردار پڑے ہوئے ہیں جن کے ہاں معززین کے اجتماع میں گانے والیاں اپنے فن کا مظاہرہ کرتیں اور شراب کا دور چلتا تھا۔''

اس قسم کے سینکڑوں اشعار جاہلی شاعری میں موجود ہیں جن سے عربوں کے وصف ضیافت وسخاوت پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح کبشہ نامی ایک عورت اپنے خاوند کی تعریف میں کہتی ہے:

زوجی رفيع العماد، طويل النجاد، عظيم الرماد، قريب البيت من الناد. (بخاری:۲/ ۷۸۰)

''میرے شوہر کے محل کے ستون بہت بلند و بالا ہیں، وہ بہادر ہے، باوجاہت اور تلوار کا دھنی ہے۔ (مہمانوں کی کثرت کے باعث اس کے چولہوں کی) راکھ کے ڈھیر لگے رہتے ہیں اور قبیلہ کی پنچایت اس کے گھر کے قریب ہی ہے (تاکہ لوگ اس سے آسانی سے مل سکیں)''

دیوان حماسہ میں حجر بن خالد اپنی مہمان نوازی کی صورت بیان کرتے ہوئے یہ کہتا ہے۔

Marfat.com

''موسمِ سرما میں ہم اپنے مہمان کی خاطر و مدارات اس طرح کرتے ہیں کہ کوہان کے پارچے اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور جب وہ کھاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ڈاڑھیں دودھ دھو رہی ہیں اور اس بوٹی سے دودھ کی دھاریں پھوٹ رہی ہیں۔''

عربوں کے ہاں سب سے بڑی بیماری بخل تصور کی جاتی تھی۔ چنانچہ مقولہ ہے کہ

ای داء ادوء من البخل. (بخاری:۱/۴۴۲)

''بخل سے زیادہ خراب اور کوئی بیماری نہیں۔''

عربوں کے ہاں مہمانوں کی خدمت اور ان کی خاطر و مدارات کرنا ایک دستور تھا۔ چنانچہ وہ اس مقصد کے لیے رات کے وقت اونچے اونچے ٹیلوں پر آگ جلا دیا کرتے تھے تاکہ اگر رات کے وقت کسی مسافر کا وہاں سے گزر ہو تو وہ اس آگ کو دیکھ کر لوگوں کے خیموں تک پہنچ سکے، اور جب کوئی بھولا بھٹکا مسافر رات کے وقت ان کے ہاں پہنچ جاتا تو وہ اس کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتے۔ سید محمود البغدادی نے دو شعر اس سلسلہ میں نقل کیے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

''ایک آقا اپنے غلام سے کہتا ہے: ''اے واقد! اونچے ٹیلے پر آگ جلا کیوں کہ رات نہایت سرد ہے اور ہوائیں بھی ٹھنڈی چل رہی ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی بھٹکا ہوا مسافر تیری آگ کو دیکھ لے۔ اگر تیری اس جلائی ہوئی آگ نے کسی مہمان کو اپنی طرف کھینچ لیا تو تو آزاد ہوگا۔'' (بلوغ الارب:۱/۷۸)

کبھی کبھی یہ لوگ بجائے آگ جلانے کے عود اور دوسری خوشبو دار چیزیں جلاتے تاکہ وسیع و عریض صحرا میں ہوا کے جھونکے اس کو دور دور تک پھیلا دیں اور مسافر اس خوشبو کو سونگھ کر ان کے پاس پہنچ جائے اور وہ اس کی ضیافت کر کے لطف اندوز ہوں۔ بعض لوگوں نے اس مقصد کے لیے کتے پال رکھے تھے جو رات کے مسافروں کو ان کے خیموں تک پہنچا دیتے اور ان کی مہمانی کر کے اپنی روح کو سکون بخشتے۔ چنانچہ ایک شاعر اپنے بیٹے کو اپنے کتے کے بارے میں وصیت کرتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

Marfat.com

''اے میرے بیٹے! میں تجھے اپنے کتے کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ اس میں بعض خوبیاں ایسی ہیں جن کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ جب رات سیاہ چادر اوڑھ لیتی ہے تو یہ میرے مہمان کو اس وقت میرے پاس لے کر آتا ہے کیونکہ اس وقت آگ جلانے والے سو جایا کرتے ہیں۔''

عرب میں کوئی حکومت نہ تھی، نہ کوئی فوج تھی اور نہ پولیس۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک آزاد مملکت کی حیثیت رکھتا تھا اور وہ اپنی آزادی کا خود محافظ تھا۔ ان کا ہر فرد خود اعتمادی کا پیکر تھا۔ نہ صرف عورتوں میں بلکہ مردوں میں بھی پوری پوری خود اعتمادی تھی۔ ازدواجی تعلقات میں بھی خود اعتمادی پوری جھلک ہوتی تھی۔

عرب کے لوگ اتنے سخی اور بخل سے اتنے دور ہونے کے باوجود بہت عمدہ مکانوں اور محلات میں رہتے تھے۔ ان کی زندگی نہایت متمدنانہ تھی۔ جھونپڑیوں میں تو صرف دیہات کے لوگ رہتے تھے جیسے ہمارے ہاں بھی لوگ دیہاتوں میں کچے مکانوں میں رہتے ہیں۔ لیکن شہروں کے لوگ نہایت عمدہ مکانوں میں اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔ چنانچہ نعمان بن امراء القیس کا بنوایا ہوا محل خورنق اور سدیر اس زمانہ میں ضرب المثل تھے۔ (معجم البلدان: ۵/۴۸۴، طبری: ۲/۷۲)

خورنق محل کی تعمیر کے بارے میں طبری نے لکھا ہے کہ اس محل کی تعمیر کی یہ وجہ ہوئی کہ یزدجرد کسریٰ کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا۔ اس نے حکماء سے پوچھا کہ مجھ کو ایسی جگہ بتاؤ جو ہر قسم کی بیماریوں سے پاک و صاف ہو۔ انہوں نے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اب حیرہ آباد ہے۔ اس نے اپنے بیٹے بہرام گور کو نعمان بن امراؤالقیس کے پاس بھیجا کہ میری رہائش کے لیے اس جگہ ایک محل تعمیر کراؤ۔ اس نے ایک مشہور معمار اور آرکیٹیکٹ (Architect) ''سنمار'' تو تلاش کیا اور اس کو اس محل کی تعمیر کا کام سپرد کیا۔ جب محل تیار ہو گیا تو نعمان اس کے معائینہ کے لیے آیا۔ محل کی مضبوطی، دل کشی اور خوبصورتی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

سنمار اپنے کام کی تحسین و آفرین کو سن کر کہنے لگا کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم لوگ

Marfat.com

مجھے پورا اجر اور معاوضہ دو گے اور میرے کام کی اس قدر تحسین کرو گے تو میں تمہارے لیے ایک ایسا محل تعمیر کرتا جو سورج کے ساتھ گردش کرتا رہتا۔ نعمان نے تعجب سے پوچھا: ''کیا تم اس سے بھی خوبصورت محل بنا سکتے ہو؟'' تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ سمنار کو محل کے اوپر سے گرا کر مار دیا جائے۔

معمار سمنار تو مر گیا اور نعمان اس محل میں اپنی زندگی کے دن بسر کرنے لگا۔ نعمان جب تیس سال حکومت کر چکا تو ایک روز وہ خورنق محل کی چھت پر بیٹھا دادِ عیش دے رہا تھا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ اسے پھلوں سے لدے پھندے باغات، لہلہاتے کھیت، کھجوروں کے اونچے اونچے درخت جھومتے نظر آئے۔ وہ دل کش اور روح پرور نظارہ سے بڑا خوش ہوا کیونکہ محل کے اردگرد کا منظر بہت روح پرور اور روح افزا تھا۔ پھر اسے ایک دم خیال آیا کہ کل جب میں نہیں ہوں گا تو ان سب چیزوں کا مالک کوئی اور ہو گا۔ اس خیال نے اسے دنیا کی بے ثباتی کا پتہ دیا اور وہ سر سے پاؤں تک ہل گیا۔ اس کے قلب و ذہن کے بند دریچے کھل گئے۔ اس نے محل کے پہرہ داروں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ جب تمام محافظ اور پہرے دار چلے گئے تو وہ رات کی تاریکی میں ایک کمبل اوڑھ کر ایسا غائب ہوا کہ پھر وہ کسی کو نظر نہ آیا۔ اس طریقہ سے اس نے محل کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام حسن ابراہیم: ۱/ ۳۵۔۳۷)

مکہ کی عورتیں اس بات کی دعوے دار تھیں کہ وہ ننگی زمین پر نہیں چلتی تھیں بلکہ قالینوں پر چلتی تھیں جیسا کہ اس ترانہ میں ہے جو رؤسائے مکہ کی بیگمات نے میدان احد میں گایا تھا۔

نحن بنات طارق   نمشی علی النمارق

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں   ہم قالینوں پر چلا کرتی ہیں

جو عورتیں فرش زمین پر نہیں چلتیں بلکہ قالینوں پر چلتی ہیں، ان کے گھر بھی نہایت عمدہ ہوں گے اور یقینی بات ہے کہ ان کے گھروں کی آرائش بھی نہایت اچھی ہو گی۔ سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کے والد اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے سسر عتبہ بن ربیعہ نے جو جنگ بدر میں سب سے پہلے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے تھے، وہ مکہ کے بڑے رؤساء

Marfat.com

میں شمار ہوتے تھے، انہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک شیش محل بنوایا ہوا تھا جس کو ''دارالقواریر'' کہتے تھے۔ (فتوح البلدان: ص ٦٣)

غرض کہ اس زمانے کی تہذیب میں فرش پر قالین، مخملی گدے، بیٹھنے کے لیے غالیچے، کمر لگانے کے لیے تکیے، آرام کرنے کے لیے مسہریاں، دروازوں پر کمروں کے طاقوں پر پھول دار اور باتصویر پردے اور موتیوں کی لڑیاں (حبائل) موجود تھیں جو آج بھی تہذیب و تمدن کا ایک حصہ شمار ہوتی ہیں۔

مکہ کے لوگوں کا معیار زندگی مدینہ کے لوگوں سے زیادہ اونچا تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ مکہ کے لوگ تاجر پیشہ تھے جب کہ مدینہ منورہ کے لوگ کاشت کار اور زمیندار تھے۔ بعض لوگ ''دور جاہلیت'' سے یہ سمجھتے ہیں کہ شاید عرب کے باشندے افریقہ کے حبشیوں کی طرح لباس و پوشاک سے عاری تھے۔ اور جو لوگ لباس پہنتے تھے وہ نہایت مختصر ہوگا۔ لیکن اس خیال میں سچائی کی کوئی رمق نہیں ہے۔ کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے عرب لباس و پوشاک میں آرائش کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اور دوسرے ملکوں کی طرح یہاں کے رؤساء بھی نہایت قیمتی لباس زیب تن کرتے تھے۔ چنانچہ عاص بن وائل سہمی جس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد انہیں پناہ دی تھی، نہایت قیمتی لباس پہنتے تھے۔ قمیص کی آستینوں میں ریشم کی کفیں ہوتیں، قبا ریشمی ہوتی۔ یمن کے دھاری دار خاص کپڑے کی چادر اور تہبند ہوتا تھا۔ بعض لوگ ہاتھوں میں دستانے (قفازین) اور پاؤں میں موزے (خفین) اور جرابیں (جوربین) بھی پہنتے تھے۔ عورتوں کے لباس میں بھی نہایت زیبائش اور آرائش کا خیال رکھا جاتا تھا۔

عربوں میں غیرت و حمیت کا جذبہ بھی نہایت اچھے طریقے سے موجود تھا۔ عرب کے یہ بادیہ نشین اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کے لیے خون کا نہ صرف آخری قطرہ بہا دیتے تھے بلکہ خون کے دریا بہانے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے اور جب کبھی ان کی عفت و عصمت پر حرف آتا تو کشتوں کے پشتے لگا دیتے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان کی ناموس کی طرف بری نگاہ سے دیکھ سکے۔ اسی طریقہ سے انہوں نے اپنے حسب ونسب کی حفاظت کی ہوئی تھی۔ ان کی بڑی بڑی جنگوں میں اکثر و بیشتر اسی قسم کے واقعات ہوا

Marfat.com

کرتے تھے۔ کسی بڑے سے بڑے سردار نے اگر کسی شخص کی ماں کو کوئی ایسی خدمت بجا لانے کا حکم دیا جو اس کے مرتبہ سے فرو ہوتی تو وہ خاتون اس تذلیل پر آتش زیر پا ہو جاتی اور اپنے خاوند، بھائیوں اور بیٹوں کو پکارتی۔ صرف ایک عورت کی للکار اور پکار پر سینکڑوں تلواریں بے نیام ہو جاتیں اور آن واحد میں خون ریزی کا ایک ایسا سلسلہ جاری ہو جاتا جو کئی کئی سالوں تک قائم رہتا۔ ان کا یہ جذبۂ غیرت و حمیت بھی ان کی شجاعت و بہادری اور مروت و مردانگی کا ایک مظہر تھا۔ جس قوم میں مروت کا جذبہ موت کی نیند سو جایا کرتا ہے وہ بزدل ہو جاتی ہے۔ وہاں غیرت بھی دم توڑ دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو چاہے ان کی عصمتوں کے ساتھ کھیلا کرے اور جو چاہے ان کی بچیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنائے۔ غیرت کی بجھی ہوئی اس راکھ میں کوئی چنگاری ایسی نہیں ہوتی جو رسوائی پر شعلۂ جوالہ بن کر ٹوٹے اور قوم کے گوہر عصمت کو لوٹنے والوں کو جلا کر راکھ کر دے۔ آج یورپ اور امریکہ میں اسی غیرت و حمیت کا فقدان ہے جس کے باعث وہاں اس قسم کا جنسی طوفان آیا ہوا ہے کہ کوئی شخص یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کا باپ فلاں ہے، کیونکہ غیرت و حمیت نہ ہونے کے باعث ان کی عفت و عصمت کو سر بازار نیلام کا مال بنا کر رکھ دیا ہے۔

عرب لوگ زمانۂ جاہلیت میں بھی اپنے بچوں کے لیے ایسی بیویوں کا انتخاب کرتے جن کا دامن عصمت فسق و فجور کے بدنما داغوں سے یک قلم پاک و صاف ہوتا۔ وہ ظاہری حسن و جمال پر عفت و عصمت کی پاکیزگی کو ترجیح دیتے۔ چنانچہ عہد جاہلیت کا ایک ممتاز دانشور جس کے علم و دانش سے متاثر ہو کر نوشیروان نے بھی یہ کہا تھا "لو لم یکن العرب غیره لکفی" اگر اہل عرب میں اس کے بغیر کوئی اور دانا اور دانشور نہ ہوتا تو یہ ایک بھی ان کے لیے کافی تھا۔ اسی اکیم بن صیف نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

''اے میرے بیٹو! عورتوں کا ظاہری حسن و جمال تمہیں نسب کی پاکیزگی سے غافل نہ کر دے کیونکہ کمینہ اور سفلہ صفت اور بدکردار بیویاں خاندانی عز و شرف کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔'' (بلوغ الادب:۲/۲۱)

ابوالاسود الدؤلی نے اپنے بیٹوں کو کہا:

Marfat.com

''میں نے تم پر احسان کیا جب تم چھوٹے تھے اور جب تم بڑے ہوئے اور اس سے پہلے بھی کہ تم پیدا ہوتے۔''

انہوں نے پوچھا: ہماری پیدائش سے پہلے آپ نے ہم پر کیا احسان کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے تمہارے لیے ایسی پاک دامن مائیں منتخب کی ہیں جن کی وجہ سے تمہیں کوئی گالی نہیں نکال سکتا۔''

اپنی بچیوں کی شادی کے موقع پر زمانہ جاہلیت کی زیرک مائیں اپنی بچیوں کو جو پند ونصائح کرتیں اس روشن اور متمدن زمانہ کی آکسفورڈ اور ہارورڈ یونیورسٹیوں کی پڑھی لکھی مائیں بھی اپنی بیٹیوں کو ایسی نصیحتیں نہیں کرسکتیں۔ اس سے آپ زمانۂ جاہلیت اور اس روشن زمانہ کی روشن خیال ماؤں کی ذہنی بلندی کا اندازہ کرلیں۔ ریاست کندہ کے بادشاہ حارث بن عمرو عوف بن محلم جو ایک عرب سردار تھا، اس کی بیٹی کی بہت تعریف سنی۔ اس نے ایک دانا اور تجربہ کار عصام نامی عورت کو اس بچی کو دیکھنے کے لیے بھیجا۔ عصام نے واپس آکر اس بچی کا سراپا بیان کیا۔ رشتہ طے ہوگیا۔ نکاح کے بعد رخصتی کے وقت ماں نے اپنی لختِ جگر کو جو وصیت کی وہ پڑھنے اور پڑھ کر غور کرنے کے قابل ہے۔ ماں نے بیٹی سے کہا:

اے میری پیاری بیٹی!

اگر وصیت کو اس وجہ سے ترک کردینا جائز ہوتا کہ جس کو وصیت کی جارہی ہے وہ خود زیرک ہے تو میں تجھے وصیت نہ کرتی، لیکن یاد رکھ، وصیت غافل کے لیے ایک یادداشت اور عقل مند اور زیرک کے لیے ایک ضرورت ہے۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے اس لیے مستغنی ہوسکتی کہ اس کے والدین ڈھیروں دولت کے مالک ہیں اور وہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں تو تو سب سے زیادہ اس بات کی مستحق تھی کہ اپنے خاوند سے مستغنی ہوجائے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور مرد عورتوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اے میری پیاری بیٹی! آج تو اس فضا کو الوداع کہہ رہی اور اس ماحول سے رخصت ہورہی ہے جس میں تو پیدا ہوئی۔

Marfat.com

آج تو اس نشیمن کو چھوڑ کر جا رہی ہے جس میں تو نے نشو ونما اور تربیت حاصل کی اور ایک ایسے آشیانے کی طرف جا رہی ہے جسے تو مطلق نہیں جانتی، اور ایک ایسے ساتھی کی طرف جا رہی ہے جو کو تو یک قلم نہیں پہچانتی۔ پس وہ تجھے اپنے نکاح میں لینے سے تیرا نگہبان اور تیرا مالک بن گیا ہے۔ تو اس کے لیے ایک فرمان بردار کنیز بن جا اور وہ تیرا وفادار غلام بن جائے گا۔

اے میری لختِ جگر! اپنی ماں سے دس باتیں یاد کر لے یہ تیرے لیے ایک بہت بڑا قیمتی سرمایہ اور ایک نہایت مفید یادداشت ہوگی۔ سنگت قناعت سے دائمی بنے گی اور باہمی میل اس کی بات سننے اور اس کا حکم بجا لانے سے پرمسرت ہوگا۔ جہاں جہاں اس کی نگاہ پڑتی ہے ان جگہوں کا خاص خیال رکھ اور جہاں جہاں اس کی ناک سونگھ سکتی ہے اس کے بارے میں محتاط رہ تا کہ اس کی نگاہ تیرے جسم اور لباس کے کسی ایسے حصہ پر نہ پڑے جو بدنما اور غلیظ ہو، اور تجھ سے اسے بدبو نہ آئے بلکہ خوشبو سونگھے۔ اس بات کا خاص خیال رکھنا۔ سرمہ حسن کی افزائش کا بہترین ذریعہ ہے اور پانی گم شدہ خوشبو سے بہت زیادہ پاکیزہ ہے۔ اس کے کھانے کے وقت کا خاص خیال رکھنا اور جب وہ سوئے تو اس کے آرام میں مخل نہ ہونا، کیونکہ بھوک کی حرارت شعلہ بن جایا کرتی ہے اور نیند میں خلل اندازی بغض کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کے گھر اور ماحول کی حفاظت کرنا اس کی ذات کی، اس کے نوکروں کی اور اس کے اہل وعیال کی ہر طرح خبر گیری کرنا، اس کے راز کو افشا نہ کرنا، اس کی نافرمانی مت کرنا۔ اگر تو اس کے راز کو فاش کر دے گی تو اس کے غدر سے محفوظ نہیں رہ سکے گی اور اگر تو اس کے حکم کی نافرمانی کرے گی تو اس کے سینہ میں تیرے لیے غیظ وغضب بھر جائے گا۔ جب وہ غم زدہ اور افسردہ ہو تو خوشی ومسرت کے اظہار سے اجتناب کرنا اور جب وہ شاداں وفرحاں ہو تو اس وقت اس کے سامنے منہ بسور کر مت بیٹھنا۔ پہلی خصلت آدابِ زوجیت کی ادائیگی میں کوتاہی ہے اور دوسری خصلت دل کو مکدر کر دینے والی ہے۔ جتنا تم سے ہو سکے اس کی تعظیم بجا لانا وہ

Marfat.com

اسی قدر تمہارا احترام کرے گا۔ جس قدر تم اس کی ہم نوا ہو گی اسی قدر وہ تمہیں اپنا رفیق حیات بنائے رکھے گا۔ اچھی طرح جان لو، تم جس چیز کو پسند کرتی ہو اسے نہیں پا سکتی جب تک تو اس کی رضا کو اپنی رضا پر اور اس کی خواہش کو اپنی خواہش پر ترجیح نہ دے خواہ وہ بات تمہیں پسند ہو یا پسند۔

اے بیٹی! اللہ تعالیٰ تیرا بھلا کرے۔

والدین سے رخصت ہو کر وہ بچی اپنے شوہر کے پاس آئی۔ اپنی ماں کی ان قیمتی اور زرین پند و نصائح کو اپنا حرز جان بنائے رکھا اور اس نے عزت و آرام کی قابل رشک زندگی گزاری۔ بادشاہ (اس کا شوہر) اس کی بڑی قدر کیا کرتا تھا اور اس کی نسل سے یمن کے سات بادشاہ پیدا ہوئے۔ (بلوغ الارب: ۲/۱۹)

عربوں کی زندگی کا تاریک پہلو:

گذشتہ صفحات میں عربوں کی زندگی کے روشن پہلو پر اجمالی طور پر تبصرہ کیا گیا اور ان کی جود و سخا، مہمان داری، شجاعت و مردانگی، ایفائے عہد اور غیرت و حمیت کے چند واقعات بیان کیے گئے۔ ان روشن پہلو اور گوناگوں خوبیوں اور کمالات کے باوجود اس قوم کے کچھ تاریک پہلو بھی تھے۔ ان میں سب سے بڑا ظلماتی عنصر ان کا شرک میں مبتلا ہونا تھا کیونکہ شرک انسان کی روحانی زندگی کا سرطان ہے جس سے پھر کئی اور بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے لے کر عرب میں دین ابراہیمی پر لوگ کاربند تھے۔ عمرو بن لحی سب سے پہلا شخص ہے جس نے سرزمین میں بت پرستی کو رواج دیا۔ عرب میں بت پرستی کے رواج سے قبل عرب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق اپنی عبادات انجام دیتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو سہیم و شریک نہ سمجھتے تھے۔ حیات، قدرت، ارادہ، علم، سمع و بصر اور کلام وغیرہ تمام صفات کمال سے حق تعالیٰ شانہ کو متصف سمجھتے تھے۔ اس کے ساتھ روز قیامت پر بھی ان کا ایمان تھا۔ ابراہیمی دین کی ہدایات کے مطابق وہ نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے، حج کرتے، زکوٰۃ دیتے، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے۔ غرباء اور مساکین کی ہر ممکن امداد کرتے اور

مہمانوں کی عزت و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھتے۔ لیکن جوں جوں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے عہد نبوت سے ان کا زمانہ دور ہوتا گیا نور نبوت کی روشنی کم ہونے کی وجہ سے دین ابراہیمی کی روشنی بھی مدہم پڑنے لگی۔ جہالت اور نفس پرستی نے اپنے پنجے گاڑ دیئے اور وہ احکام الٰہی کو چھوڑ کر نفس نفسانی کی خواہشات کے بندے بن گئے۔

علامہ ابن خلدون المغربی نے لکھا ہے:

''عمرو بن لحی وہ پہلا شخص ہے جس نے دین اسماعیل کو تبدیل کیا اور بتوں کی پرستش شروع کی اور اہل عرب کو ان کی پوجا پاٹ اور عبادت کا حکم دیا۔ اس کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں عمرو بن لحی کو دیکھا کہ وہ آتش جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔'' (ابن جلدون:۲/۶۵۱)

ایسا ہی سیرۃ حلبیہ میں ہے (ملاحظہ ہو سیرۃ حلبیہ:۱/۱۰) سیرۃ حلبیہ ہی میں ہے کہ عمرو بن لحی تین سو چالیس سال تک زندہ رہ۔ اس نے اپنے بیٹوں اور پوتوں سے ایک ہزار جنگ جولڑکوں کو دیکھا۔ اس خاندان کی حکمرانی کی مدت 5 سو سال ہے۔ (ایضاً)

ہر قبیلہ کے الگ الگ اور مخصوص بت تھے۔ اسی طرح قریش کے بھی اپنے مخصوص بت تھے۔ قریش کا سب سے بڑا بت ''ہبل'' تھا۔ یہ سرخ عقیق کا بنا ہوا تھا۔ اس کی صورت انسان کی تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے اس کی جگہ سونے کا ہاتھ بنا کر اس کے ساتھ پیوست کر دیا تھا۔ ہبل بت کو سب سے پہلے خزیمہ بن مدرکہ نے نصب کیا تھا، اس لیے اس کو ہبل خزیمہ کہتے ہیں۔

عرب صرف ہبل کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ جزیرۂ عرب کے اطراف و اکناف میں کئی بت تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ پھر یہ بت بھی مختلف شکلوں میں تھے، بعض کسی مکان کی شکل میں، بعض درختوں کی شکل میں، بعض پتھر کے گھڑے ہوئے۔ گویا بت پرستی عرب میں ایک وبا کی طرح پھوٹ پڑی تھی یہاں تک کہ بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب کر دیئے گئے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ عرب کے چونکہ تمام قبائل کعبہ کا حج کرنے کے لیے آیا کرتے تھے لہٰذا عرب کے سب بتوں کے مجسمے یہاں رکھ دیئے گئے، تاکہ کسی قبیلے کا آدمی بھی حج کرنے کے لیے آئے تو وہ اپنے معبود کو

Marfat.com

یہاں دیکھ کر قریش اور بیت اللہ کا اور زیادہ عقیدت مند ہو جائے۔

کہتے ہیں کہ سب سے پرانا بت منات تھا۔ اس کی پوجا کرنے والے اپنے بیٹوں کے نام اس کی عبدیت کی نسبت سے رکھتے تھے یعنی عبد منات وغیرہ۔ یہ بت ساحل سمندر پر ''قدید'' کے مقام پر نصب تھا جو مکہ اور یثرب کے مابین ایک قصبہ تھا۔ فتح مکہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بت کو توڑنے کے لیے بھیجا گیا۔ عرب کے بتوں میں سے ایک کا نام ''لات'' تھا۔ اس کا مجسمہ طائف میں نصب تھا۔ بنی ثقیف اس بت کی مجاور تھے۔ ان کے بتوں میں سے ایک کا نام عزیٰ تھا۔ یہ لات اور منات کے بعد بنایا گیا تھا۔ یہ وادی نخلہ میں درختوں کے ایک جھنڈ کی شکل میں تھا۔ عرب ان بتوں کے ساتھ بھی اپنی قلبی عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ جب وہ کعبہ کا طواف کرتے تو ان بتوں کے نام کا نعرہ لگاتے۔ قرآن حکیم نے ان کی اس حماقت کا ذکر سورۃ النجم: 19 تا 22 میں کیا ہے۔ لات کے بت کو توڑنے کے لیے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ عزیٰ کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔

اہل عرب صرف بتوں کی پوجا ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ان میں بعض سورج کے پجاری، بعض چاند اور ستاروں کے پجاری اور بعض دہری تھے جو خالق کائنات کا انکار کرتے۔ کچھ لوگ جنات اور فرشتوں کی پوجا بھی کرتے تھے۔ غرض کہ مختلف شکلوں اور صورتوں میں شرک کی غلاظت میں مبتلا تھے۔

شرک ایک سب سے بڑا گناہ اور روحانی غلاظت ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔'' میں نے کہا: ''بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔''

(بخاری، رقم: ۷۷۴۴، مسلم، رقم: ۱۴۱، ابوداؤد، رقم: ۲۳۱۰، ترمذی، رقم: ۳۱۹۳، نسائی، رقم: ۱۳۴۰)

شرک کی اس غلاظت نے ان میں کئی اور برائیوں کو جنم دیا جیسے ماں باپ کے

Marfat.com

ساتھ نیک سلوک نہ کرنا، بے حیائی کے کام کرنا، ناحق قتل کرنا، یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا، ناحق بات کہنا، وعدوں کو پورا کرنا، سود کھانا، جھوٹ بولنا، جوا کھیلنا اور غلط طریقوں سے دولت کمانا۔ اس زمانہ میں آس پاس کے ملکوں میں سرمایہ دارانہ نظام کا دور دورہ تھا، اور سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کی ہوس روز بروز بڑھتی ہے لہٰذا رزق حلال سے اجتناب اور غیر اخلاقی اور غیر شرعی بلکہ غیر قانونی طریقوں سے دولت اکٹھا کرنا اور دولت مند کی عزت و تکریم کرنا یہ سب امراض سرمایہ دارانہ نظام میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب امراض اس وقت کے ان تمام ملکوں میں پائے جاتے تھے جو عرب کے اطراف و اکناف میں تھے۔ جیسے فارس اور بازنطینی سلطنت کے شہروں میں۔ اسی چیز کو اسلام نے جاہلیت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور یہ جاہلیت اس ماڈرن دور میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ اس سرمایہ دارانہ نظام نے جو تہذیب پیدا کی ہے اس نے لوگوں کے دلوں سے تمام اخلاقی اور دینی اقدار کو ختم کر دیا ہے۔ اب نہ اولاد کے دل میں ماں باپ کا کوئی اکرام و احترام ہے اور نہ ماں باپ کے دلوں میں اولاد کے لیے شفقت و رحمت کے کوئی جذبات ہیں۔ رضا، قناعت، خوش طبعی، حسن سلوک اور تمام بلند انسانی اخلاق و فضائل کے الفاظ اب صرف کتابوں میں رہ گئے ہیں۔ معاشرہ میں خود غرضی، حرص و آز، مال و زر کی ہوس، ان تمام خواہشات نے ہمارے دل میں مغربی تہذیب اور اس کے سرمایہ دارانہ نظام کو سمو دیا ہے۔ اب بیٹا بھی اگر باپ سے کوئی بات کرتا ہے تو کسی غرض سے کرتا ہے، اور باپ بھی اولاد سے محبت کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی نہ کوئی خواہش پنہاں ہوتی ہے۔ گویا یہ پورا ''اغراض کا معاشرہ'' بن کر رہ گیا ہے اور یہ سرمایہ دارانہ نظام کی خصوصیت ہے۔ ہماری اخلاقی قدریں اس حد تک گر چکی ہیں کہ ہم امریکہ اور یورپ کے نقش قدم پر چلنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور امریکہ اور یورپ کی حالت یہ ہے کہ لندن کے ایک روزنامہ ''دی سن'' (The Sun) مؤرخہ 16 جولائی 2003ء میں ایک ماں کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس کا عنوان تھا I Want My Son Back (یعنی مجھے اپنا بیٹا واپس چاہیے) جس عورت نے یہ اشتہار اخبار میں شائع کرایا تھا اس کی عمر پچپن سال ہے اور اس کے اپنے سگے بیٹے کے ساتھ جنسی تعلقات ہیں۔ یہ اس کے دو

Marfat.com

بیٹوں کو جنم بھی دے چکی ہے۔ اس اشتہار میں جنس زدہ ماں اپنے بیٹے سے فریادی ہے کہ وہ 55 سال کی عمر میں اسے دو بچوں کی ماں بنا کر تنہا نہ چھوڑے کیونکہ وہ اس سے بہت محبت کرتی ہے اور اس کی جدائی میں پریشان حال ہے۔ اخبار کے مطابق بیٹے نے ماں کے پاس واپس جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ وہ ہر روز ایک نئی موت نہیں مر سکتا۔

برطانوی ماہر قانون مسٹر ہڈسن (Hudson) جس میں اس معاشرہ میں رہتے ہوئے ابھی کچھ غیرت وحمیت کے جراثیم باقی ہیں، اس واقعہ کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''خدا ہم پر رحم کرے۔ پتہ نہیں ہم اور کیا کچھ کریں گے۔ اس عورت کو مر جانا چاہیے تھا لیکن وہ نہایت ڈھٹائی سے اخبارات میں اپیلیں شائع کروا رہی ہے۔ اب تو ہم جنس پرستوں کو قانونی تحفظ بھی مل گیا ہے، لیکن پھر بھی یہ عورت اپنے بیٹے کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔''

یہ آج کل کی جاہلیت ہے جب انسان ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے اور ستاروں کی گزرگاہوں کا کھوج لگا رہا ہے۔ چاند کی سرزمین میں قدم رکھ چکا ہے اور مریخ کو اپنے قابو میں لانے کی کوششوں میں مصروف ہے لیکن اس کی جاہلیت کا یہ حال ہے کہ غیرت وحمیت منہ چھپا رہی ہے اور قلم کو اس قسم کے واقعات کو لکھنے سے حیا آ رہی ہے لیکن مغرب کی حیا باختہ عورت اپنے کو روشن خیال، ترقی پسند اور مردوں کے برابر اپنے آپ کو سمجھ کر بڑی ڈھٹائی سے اس قسم کے غیر اخلاقی افعال میں سرگرداں ہے، اور اسی کو اپنی ترقی کا زینہ سمجھ رہی ہے۔ یہ اس کی عقل کی روباہی ہے جو اپنے کو مردوں کے برابر سمجھ رہی ہے۔ فاعل اور منفعل اور مؤثر اور متاثر کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

جاہلیت ہے کیا؟

سرکار دو عالم ﷺ جس معاشرہ میں تشریف لائے اس کو قرآن حکیم اور مؤرخین نے جاہلیت کا معاشرہ کہا ہے۔ لفظ جاہلیت سے آدمی یہ سمجھتا ہے کہ شاید اس زمانہ کے لوگ ان پڑھ اور برہنہ رہتے تھے۔ اور ان کی زندگی افریقہ کے جنگلی لوگوں کی سی

Marfat.com

تھی حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس زمانہ میں لوگ محلات اور اونچے اونچے مکانوں میں رہتے تھے۔ ان کی عورتیں قالینوں پر چلتی تھیں، پھر جاہلیت سے کیا مراد ہے؟ جاہلیت سے مراد تاریخ کا وہ غیر الٰہی دور حاکمیت ہے جو جبر واستبداد، سرمایہ پرستانہ ذہنیت کی سفاکی، ظالمانہ اور فاسقانہ معاشرت اور ہمہ گیر فساد انسانیت کا ہیجانی دور ہے جس کی مثال اس سے قبل پوری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ بادشاہوں کی قبائے زریں فاقہ کش اور مفلوک الحال عوام کے خون ناحق سے اور ان کے تخت زرنگار ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کی لاشوں پر بچھائے گئے تھے۔ امراء اور حکام ملک کے عوام کا جونکوں کی طرح خون چوس رہے تھے۔ چاروں طرف ظلم ومعصیت اور سفاکی و استبداد کا ایک طوفان بپا تھا۔ قلب ونظر کی صلاحیتیں مٹ چکی تھیں۔ آج کل کے زمانے کی طرح نیکی اور برائی، حلال اور حرام، پاکیزہ اور ناپاک کا تصور ذہنوں سے مٹ چکا تھا۔ اخلاق و شرافت کے لیے دنیا کے کسی گوشہ میں پناہ گاہ نہ رہی تھی اور چند گنے چنے انسانوں کو چھوڑ کر کسی انسان کے دل میں حق کی طلب اور جستجو نہ تھی۔ قوموں کا اجتماعی کردار پستی کی انتہائی حد تک پہنچ گیا تھا اور نسل کشی، قومی عصبیت، تخریب پسندی، قتل وغارت، معاشی منصوبوں کا انحصار، آوارہ گردی، غارت گری، اور لوٹ مار کی متنوع اسکیموں پر تھا۔ ظالمانہ معاشرت اور سفاکانہ معیشت اور انسانیت کش قوانین پر مبنی نظام دنیا میں چل رہا تھا۔ وحشت و بہیمیت تمدن کے نام پر دنیا میں رائج تھی۔ انہی چیزوں کو قرآن حکیم نے ایک ہی لفظ ''جاہلیت'' سے تعبیر کیا ہے، اور ایک مقام پر عورتوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی﴾

(الاحزاب:۳۳)

''اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھلاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا جاہلیت اولیٰ میں۔''

یہ جاہلیت اولیٰ کی کیفیت اگرچہ کئی صدیوں سے تھی لیکن چھٹی صدی عیسوی تاریخ انسانی کا ایک سیاہ ترین اور پست ترین دور تھا۔ انسانیت دن بدن پستی اور نشیب کی طرف جا رہی تھی اور پوری دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو اس گری ہوئی انسانیت کی

Marfat.com

دیوار کو سہارا دیتی اور اسے ذلت اور پستی کے گڑھے میں گرنے سے روکتی۔ اس خدا ناآشنا اور خدا فراموش معاشرہ میں ہر انسان مکمل طور پر خود فراموش ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے تمام انسانی قدروں کی جگہ حیوانی قدروں نے لے لی تھی۔ ایک انسان دیکھنے میں تو انسان نظر آتا تھا لیکن اس کے عادات واطوار اور اس کے اخلاق واحوال میں خوردبین لگا کر دیکھنے سے بھی انسانیت کا کوئی جراثیم نظر نہیں آتا تھا۔

انبیاء اور رسولوں کی دعوت کی آواز عرصہ سے دب چکی تھی۔ ان کی تعلیمات ایک مدت سے یا تو محرف ہو چکی تھی یا پھر انسانی ذہن انہیں کلیتاً فراموش کر چکے تھے۔ جن چراغوں کو ان حضرات نے اپنے خون دل سے روشن کیا تھا وہ اس جاہلیت کی آندھی میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس طرح ٹمٹما رہے تھے کہ ان کی روشنی سے چند ایسے خداشناس دل روشن تھے جو آبادی کو چھوڑ کر ویرانوں میں اور دیر و کلیسا کو چھوڑ کر صحراؤں کی تنہائیوں یا پہاڑوں کی غاروں میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو دین کا نام تو لیتے تھے لیکن انہوں نے وقت کے بادشاہوں اور اہل دنیا سے ساز باز کر لی تھی اور جبر واستبداد، ظالمانہ نظام سلطنت اور ناجائز خواہشات میں ان کے دست راست بن گئے تھے اور ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال کھانے اور ان کی شوکت و دولت اور قوت و طاقت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک وسہیم بن گئے تھے۔

اس زمانہ میں دو سپر پاورز (Super Powers) تھیں۔ ایک رومی سلطنت اور دوسری ایرانی سلطنت۔ ان میں سے ایک مشرق کی اور دوسری مغرب کی قیادت کی اجارہ داری سنبھالے ہوئے تھی، لیکن یہ دونوں سلطنتیں اجتماعی، اخلاقی، تمدنی اور عمرانی امراض کا آشیانہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کی رعایا اور اعیان حکومت تعیش و تکلفات کے سمندر میں غرق تھے اور دونوں پر سیاسی اور اخلاقی زوال طاری تھا۔ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں ان کا ایک سرسری نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:

''جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور انہوں نے دنیوی زندگی ہی کو اپنا مقصد اور مطمح نظر بنا لیا اور آخرت کے

تصور کو یک قلم فراموش کر دیا اور شیطنت نے پورے طور پر ان پر قبضہ کر لیا تو ان کی زندگی کا حاصل صرف اور صرف یہ بن گیا کہ عیش و عشرت کے دن گزاریں۔ چنانچہ ان میں سے ہر شخص دادِ عیش دینے لگا۔ ان کی اس طرز زندگی کو دیکھ کر چار دانگ عالم سے علماء اور سائنس دان ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لیے طرح طرح کے سامان تعیش مہیا کرنے کی غرض سے عجیب وغریب دقیقہ سنجیاں اور نقطہ آفرینیاں پیدا کرنے لگے اور نئے نئے اسباب زینت و تعیش کی ایجاد و اختراع میں مصروف ہو گئے۔ سرمایہ پرست علماء کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا پٹکا یا کلاہ ہوتا اسے بخیلی کا طعنہ دیا جاتا۔

"ایسے میں انہوں نے عالیشان اور سر بفلک محل، اعلیٰ درجے کے آبزن، نفیس حمام، نظر افروز پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خدمت کے لیے خوب صورت غلام اور حسین و جمیل باندیاں اور کنیزیں اپنی زندگی کے لوازم بنا لیے اور مقصد حیات یہ سمجھ لیا کہ شام و پگاہ عیش و نشاط کی محفلیں ہوں جن میں طرح طرح کے کھانے وسیع دسترخوان پر چنے ہوں اور وہ لباس فاخرہ پہنے ان میں بیٹھے ہوں۔

"بادشاہوں اور امیروں کی اس عیاشانہ زندگی سے بہت سے خطرناک معاشی اور معاشرتی امراض نے جنم لیا جو معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ مین داخل ہو گئے۔ ان امراض سے نہ تو کوئی شہری محفوظ رہا اور نہ کوئی دیہاتی، نہ امیر اور نہ غریب۔ اس ہمہ گیر مصیبت کا سبب یہ تھا کہ یہ سامان تعیش کثیر مال و زر صرف کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ مال کثیر کاشت کاروں اور تاجروں پر نئے ٹیکس لگانے اور پہلے سے لگے ہوئے ٹیکسوں میں معتد بہ اضافہ کیے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ پھر دوسری مصیبت یہ کہ گراں بار ٹیکس ادا نہ کرنے یا ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرنے پر ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی۔

"اس معاشی اور اقتصادی بدحالی کا نتیجہ یہ نکلتا کہ ٹیکس ادا کرنے اور اپنا اور

Marfat.com

اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے سوا لوگ کسی اور بات کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے، چہ جائیکہ سعادت اخروی اور اپنی نجات کے بارے میں کچھ سوچ بچار کریں۔ بسا اوقات پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر ہوتی۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ، باب اقامۃ الاوتفاقات واصلاح الرسوم)

ایرانی سلطنت کا بگاڑ:

مشرقی دنیا کی قیادت کی اجارہ داری ایران کے ہاتھوں میں تھی۔ متمدن دنیا کے انتظام میں اگرچہ ایران روم کا شریک و سہیم نہیں تھا لیکن شومی قسمت سے وہ انسانیت کے دشمن افراد کی سرگرمیوں کی دیرینہ آماجگاہ تھا۔ زمانہ دراز سے اس کی اخلاقی بنیادوں میں دراڑیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایرانیوں کو ان فطری اور مقدس رشتوں سے کراہت و حرمت تھی جن رشتوں سے ازدواجی تعلقات کو متمدن علاقوں کے باشندے ہمیشہ ناجائز اور غیر قانونی سمجھتے رہے۔ پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران پر یزدگرد دوم کی حکومت تھی۔ اس نے اپنی حقیقی بیٹی کو اپنی زوجیت میں رکھا اور پھر اسے قتل کر دیا۔

(طبری:۱/۵۰۹)

بہرام چوبین ایران کا مشہور حاکم تھا اور ایران پر اس کی حکومت چھٹی صدی عیسوی میں تھی۔ اس نے اپنی سگی بہن سے اپنا ازدواجی تعلق رکھا۔ (طبری:۱/۵۰۹)

مشہور چینی سیاح ہیوئن سیانگ کا بیان ہے کہ ایرانی قانون و معاشرت میں ازدواجی تعلقات کے لیے کسی رشتہ کا بھی استثناء نہ تھا گویا کہ ماں، بہن اور بیٹی ان سب سے ازدواجی تعلقات قائم کرنا ایرانی معاشرت کا ایک اصول تھا۔

(ایران بعہد ساسانیاں: ص۴۳۰)

پروفیسر آرتھر کرسٹن کے بیان کے مطابق اس قسم کا ازدواجی رشتہ ایران میں کوئی ناجائز یا حرام فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔ گویا ذہن و فکر میں اس قدر انقلاب آ چکا تھا کہ حلال و حرام کا تصور ذہنوں سے بالکل ختم ہو گیا تھا۔

محرمات سے نکاح زرتشیوں کا مذہب تھا لیکن ان کو دیکھ کر عیسائیوں اور

Marfat.com

دوسرے مذاہب کے پیروکار جو ایرانی سلطنت میں بستے تھے انہوں نے بھی اس فعل بد کو اپنالیا، چنانچہ پروفیسر آرتھر لکھتا ہے:

''ایران کے عیسائیوں نے بھی زرتشیوں کی دیکھا دیکھی محرمات کے ساتھ شادی کرنے کے فعل بد کو اپنا لیا حالانکہ ان کی شریعت میں یہ فعل حرام تھا۔

(ایران بعہد ساسانیاں: ص ۵۷۱)

پھر ساسانیوں میں یہ رواج بھی عام ہو گیا کہ وہ اپنی عورتیں دوسروں کو استعمال کے لیے دے دیتے تھے اور ان سے جو اولاد پیدا ہوتی وہ اس شوہر کی سمجھی جاتی تھی جو اپنی عورت دوسرے کو استعمال کے لیے دیتا تھا۔

(تفصیل کے لے ملاحظہ ہو ایران بعہد ساسانیاں: ص ۴۳۶۔۴۳۸)

تیسری صدی عیسوی میں ایک شخص مانی ایران کی سرزمین میں پیدا ہوا۔ اس نے ملک میں شدید شہوانی رجحانات کے ردعمل کے طور پر ایک تحریک چلائی اور اس نے دنیا کو تجرد کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی تاکہ دنیا سے شر و فساد اور جنسیات کے جراثیم یک قلم ختم ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے نکاح کو حرام قرار دیا۔ بہرام نے سنہ 276ء میں مانی کو یہ کہتے ہوئے موت کے گھاٹ اتار دیا کہ یہ شخص دنیا کو تباہی کی دعوت دیتا ہے، بلذا قبل اس کے کہ یہ دنیا ختم ہو خود اس شخص کو ختم ہو جانا چاہیے۔

پھر سنہ 487ء میں ایک اور شخص مزدک پیدا ہوا۔ اس نے یہ دعوت دی کہ تمام انسان یکساں پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی تفریق نہیں، لہٰذا زن، زر اور زمین سب کی مشترک ہے۔ گویا یہ دنیا میں سب سے پہلا یوٹوپیائی سوشلسٹ تھا جس نے ان تینوں کو ہر ایک کے لیے مشترک قرار دیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ چونکہ مال اور عورت ہی دو ایسے عنصر ہیں جن کی حفاظت اور نگرانی کا انسان اہتمام کرتا ہے، لہٰذا ان دونوں میں اشتراک اور مساوات سب سے زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ شہرستانی نے لکھا ہے:

''مزدک نے تمام عورتوں کو سب کے لیے حلال قرار دے دیا اور مال و زن کو آگ، پانی اور چارہ کی طرح سب کے لیے مشترک قرار دیا۔''

(الملل والنحل: ص ۸۶)

Marfat.com

مزدک کی اس دعوت میں بڑی جاذبیت تھی۔ اس وجہ سے نوجوان نسل اور تعیش پسند امراء اور اعیان سلطنت نے اس تحریک کا پر جوش اور بھرپور خیر مقدم کیا اور یہ تحریک چند سالوں میں جنگل کی آگ کی طرح پورے ایران میں پھیل گئی۔ اس پر طرفہ تماشا یہ ہوا کہ ایرانی بادشاہ قباد نے اس تحریک کی سرپرستی کی بلکہ اس کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سالوں میں (آج کل کے یورپ اور امریکہ کی طرح) پورا ملک جنسی انارکی اور شہوانی بحران میں ڈوب گیا۔

طبری نے لکھا ہے کہ

''آوارہ مزاج اور اوباش طبع لوگوں نے اس تحریر کی بہت پذیرائی کی اور اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مزدک اور مزدکیوں کے پرجوش ساتھی بن گئے۔ عام شہری اس بلائے ناگہانی کا شکار تھے کیونکہ ان میں سے کسی کی بھی عزت محفوظ نہ تھی۔ اس تحریک نے اس قدر زور پکڑا کہ جو چاہتا اور جس کے گھر میں چاہتا، گھس کر اس کے مال وزن پر قبضہ کر لیتا اور صاحب خانہ منہ دیکھتا رہ جاتا۔ ان مزدکیوں نے قباد کو معزولی کی دھمکی دے کر اس تحریک کا سرپرست بنالیا۔ بادشاہ کی سرپرستی سے اس تحریک میں اور زیادہ زور وشور پیدا ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ حالت ہوگئی کہ نہ باپ اپنے لڑکوں کو پہچان سکتا تھا اور نہ لڑکا اپنے باپ کو، کسی کا بھی اپنی کسی ملکیت اور عورت پر اختیار اور قبضہ نہ تھا۔''

(طبری:۱/۵۲۰)

یہ تو ایرانی اخلاقیات کا ایک سرسری نقشہ تھا۔ عقیدہ کے لحاظ سے بھی ایران کی حالت روم سے زیادہ بدتر تھی۔ ایرانیوں کی بھی یہ حالت تھی کہ جوش بت شکنی میں انہوں نے مصریوں کے متبرک بیل ایپس (Apis) کو ذبح کر ڈالا تھا اور اس کے استھان کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، لیکن انہوں نے بہت جلد ہرمز کی پرستش میں اپنے محکوم ملکوں کے سامی خداؤں کو داخل کر لیا۔ پرانی مجوسی عناصر پرستی از سر نو تازہ ہوگئی اور دارایوش کے ایک قریبی جانشین اردشیر نیمون نے زرتشتیوں میں مخنث دیوتا متھرا کی پوجا رائج کر دی۔ یہ کلدانی دیوتا ملتایا انائی کا ثنی تھا۔ اس کے ساتھ ''لنگ'' پوجا بھی وابستہ تھی۔

Marfat.com

ایران کے بادشاہ اس بات کے دعویدار تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، لہٰذا ایران کے باشندے بھی انہیں اسی نظر سے دیکھتے اور ان کے آگے سربسجود ہوتے اور انہیں قانون سے، تنقید سے اور بشریت سے بالاتر سمجھتے۔ پھر ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ بادشاہت ان کا آسمانی حق ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر براؤن کی کتاب Litrary History of Persia, Vol. III) ان سلاطین کا ہر انسان پر پیدائشی حق تھا لیکن کسی انسان کا ان پر کوئی حق نہ تھا۔ حکومت کے لیے صرف ایک خاندان یعنی کیانی خاندان مخصوص تھا، لہٰذا سمجھا یہ جاتا تھا کہ اسی خاندان کے افراد تاج و تخت کے مالک ہو سکتے ہیں، اور بادشاہت کا یہ حق ان کا موروثی اور الٰہی ہے۔ اگر انہیں خاندان میں بادشاہت کے لیے کوئی سن رسیدہ شخص نہ ملتا تو کسی عورت یا بچے ہی کو تاج شاہی پہنا دیتے۔ چنانچہ کسریٰ کی لڑکی بوران اور دوسری بیٹی آزری دخت تخت نشین ہوئیں، اور شیرویہ کے بعد اس کے ہفت سالہ بچے کو تخت شاہی پر بٹھایا گیا، اور خسرو پرویز کے بیٹے فرخ زاد خسرو کو شہنشاہ تسلیم کیا گیا حالانکہ ان زمانوں میں کئی سپہ سالار اور سردار موجود تھے، لیکن زمام حکومت ان کے سپرد صرف اس لیے نہ کی گئی کہ ان کا نسبی تعلق شاہی خاندان سے نہیں تھا کیونکہ سمجھا یہ جاتا تھا بلکہ پبلک کو سمجھایا یہ جاتا تھا کہ ان کے دل و دماغ دوسرے انسانوں سے بہت مختلف ہیں۔ اسی وجہ سے فوکاس (Phocas) نے جب سنہ 602ء میں رومی بادشاہ ماریس (Maurice) کے خلاف بغاوت کر کے اس کو تخت شاہی سے محروم کر دیا اور خود اس پر قابض ہو گیا تو فوکاس نے ایک سفیر کے ذریعے ایران کی حکومت کو اپنی تخت نشینی کی اطلاع دی۔ اس وقت ایران کے تخت پر نوشیروان عادل کا لڑکا خسرو پرویز تھا۔ خسرو پرویز کو سنہ 590-591ء میں اندرونی بغاوت کی وجہ سے فرار ہونا پڑا تو مقتول رومی بادشاہ ماریس نے اس کو اپنے علاقہ میں پناہ دی اور تخت شاہی کے دوبارہ حصول میں اس کی بھرپور مدد بھی کی۔ انہی دنوں خسرو نے ماریس کی لڑکی سے شادی بھی کر لی اور اس رشتہ کی وجہ سے وہ ماریس کو باپ کہتا تھا۔ سنہ 603ء میں خسرو پرویز دریائے فرات کو پار کر کے شام کے شہروں میں داخل ہو گیا اور رومی سلطنت میں بڑھتا چلا گیا۔ ایرانی فوجیں انطاکیہ کو فتح کر کے یروشلم پر قابض ہو گئیں۔ خسرو پرویز کی اس

Marfat.com

کامیابی میں نسطوری اور یعقوبی فرقے کے عیسائیوں اور یہودیوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا کیونکہ وہ رومی سلطنت کے سخت خلاف تھے۔

رومی سلطنت کو بچانے کے لیے اعیان حکومت نے افریقی مقبوضہ کے رومی گورنر کو خاموش پیغام بھیجا۔ اس نے اپنے لڑکے ہرقل (Heraclius) کو اس مہم پر بھیجا۔ ہرقل نہایت راز داری کے ساتھ آیا اور معمولی لڑائی کے بعد سلطنت پر قابض ہو گیا اور فوکاس کو قتل کر دیا، لیکن ہرقل ایرانی فوجوں کے سیلاب کو نہ روک سکا۔ سنہ 616ء میں رومی دارالسلطنت سے باہر عام مشرقی اور جنوبی حصہ کھو چکے تھے اور عراق، شام، فلسطین، مصر اور ایشیائے کوچک وغیرہ پر صلیبی علم کے بجائے درفش کادیانی لہرا رہا تھا۔ ایرانی حکومت نے رومی علاقہ پر قبضہ کرنے کے بعد عیسائیت کو نیست و نابود کرنے کے لیے ان پر شدید ترین مظالم شروع کر دیئے۔ ان کے مذہبی شعائر کی توہین کی گئی۔ قریباً ایک لاکھ عیسائیوں کو بے گناہ قتل کیا گیا۔ کلیساؤں کو مسمار اور آتش کدوں کو تعمیر کیا گیا اور ان کی مقدس صلیب کی اصلی لکڑی جن کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ سیدنا مسیح علیہ السلام نے اس پر جان دی تھی، چھین کر ایرانی دارالسلطنت مدائن پہنچا دی گئی۔

اس وقت ایرانی فاتح خسرو پرویز اپنے آپ کو کیا سمجھتا تھا، اس کا اندازہ خسرو پرویز کے اس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا۔ اس خط میں خسرو پرویز نے ہرقل کو لکھا:

> ''سب خداؤں سے بڑے خدا اور تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام۔ تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے، کیوں نہ تیرے خدا نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچا لیا۔''

اس خط کے ایک ایک لفظ سے ایرانی بادشاہ کی رعونت، تکبر اور غرور و جاہ ٹپکتا ہے۔ اسی دوران ایرانی جنرل سین (Sain) نے تجویز کیا کہ ہرقل صلح کا ایک قاصد شہنشاہ ایران کی خدمت میں روانہ کرے۔ اس کو ہرقل اور اس کے مشیروں نے بڑی خوشی سے قبول کیا، لیکن شہنشاہ ایران نے کہا:

> ''مجھے یہ قبول نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے

Marfat.com

چاہیے۔ رومی حکمران سے اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک وہ اپنے صلیبی خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کی پوجا نہ کرے۔“

(تاریخ زوال سلطنت روما: ۵/۵۷، ایڈورڈ گبن)

خسرو کے اس خط کو نہ صرف گبن نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے بلکہ ول ڈیوران نے اپنی مشہور کتاب "The Age of Faith, P.147" میں اور رجنرل سرپرسی نے اپنی کتاب "History of Persia" کے صفحہ 482 پر بھی نقل کیا ہے۔

حکومت کی طرف سے عوام الناس کے لیے ممنوع تھا کہ وہ امراء کے طبقہ میں سے کسی کی جائیداد خرید سکیں۔ سوسائٹی میں مختلف طبقات میں ناقابل عبور فاصلہ تھا۔ ذات پات کا تصور عام تھا۔ کوئی بڑا کام نچلی ذات کے آدمی کے سپرد نہیں کرتے تھے اور سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک معین جگہ تھی۔ اس وجہ سے کوئی شخص ترقی کر کے اوپر نہیں جا سکتا تھا۔

وطن پرستی اور قوم پرستی ایرانیوں کی گھٹی میں تھی وہ ایرانی قومیت کو نہایت مقدس اور باعظمت سمجھتے تھے۔ گویا ”غلام پارسی ایراں پرستد“ ان کا عقیدہ تھا۔ اس عقیدے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے گرد و پیش کی قومیتوں کو ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خسرو پرویز نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ مبارک کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جو کہ توہین و تمسخر کی ایک زندہ مثال ہے۔

جب عقیدے کی یہ حالت ہو تو اس معاشرہ میں ایک جامع دین کیسے راہ پا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے ایران دین الٰہی سے محروم تھے جو ان کے باطن کی اصلاح کرتا۔ یہ تھے مختصر سے حالات اس سلطنت کے جس کا بادشاہ اپنے آپ کو ”سب خداؤں سے بڑا خدا اور تمام روئے زمین کا مالک“ سمجھتا تھا۔ وہ دراصل خدا کی صفات کو سمجھنے سے معذور تھا۔ بلکہ ذہنی طور پر کودن تھا اور طاقت کا نشہ ایسے لوگوں کو کودن اور احمق بنا ہی دیتا ہے۔ اگرچہ اس کی سلطنت میں اس زمانہ کے تہذیب و تمدن کی ہر شے موجود تھی لیکن سلطنت کا پورا نظام جاہلی بنیادوں پر قائم تھا۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی کوئی تمیز نہ تو بادشاہ میں تھی اور نہ ہی اس کی رعایا میں۔ اسلام نے اسی کو ”جاہلیت“ کہا ہے، وگرنہ ایرانی سلطنت کے پاس امریکہ کی طرح جدید سے جدید اسلحہ اور ہر قسم کا سامان تعیش موجود تھا لیکن وہ انسانی

Marfat.com

اقدار موجود نہ تھیں جو انسان کو انسان بناتی ہیں اور انسانیت کی بنیاد جن پر رکھی گئی ہے، اور جن کے سایہ دار درخت کے نیچے انسان سکھ کا سانس لیتے تھے۔

ایران کے معاشرتی حالات بھی نہایت خراب تھے۔ ایرانی معاشرہ مختلف طبقات میں منقسم تھا۔ سوسائٹی میں چھوٹے بڑے کا امتیاز اس قدر تھا کہ چھوٹے لوگ معاشرہ میں کوئی اونچا مقام حاصل کرلیں تو یہ بہت بڑی بات تھی۔ وہ اپنا پیشہ تک تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے ذہنوں میں مذہبی طبقہ کی طرف سے یہ بات ڈالی جاتی تھی کہ تمہارے آباؤاجداد نے جو پیشہ اختیار کیا وہ خدا کے حکم کے تحت کیا تھا لہٰذا اب انہیں پیشہ تبدیل کرنے کا حق نہیں ہے۔ ایران کی اعلیٰ سوسائٹی کی عمارت دو ستونوں پر قائم تھی۔ ایک نسب اور دوسرا مال و دولت، چنانچہ عوام اور خواص کے درمیان لباس، سواری، مکان، باغ، عورتوں اور نوکروں کے لحاظ سے امتیاز تھا۔ خواص کی سواری کی شان وشوکت، لباس کی چمک دمک، عورتوں کے فیشن اور میک اپ، سر بفلک محلات، کلاہ (ٹوپیاں) اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ ان کی اعلیٰ نسبی کا پتہ دیتے تھے۔ (ایران بعہد ساسانیاں: ص ۴۱۷)

تعدد ازدواج کا عام رواج تھا۔ ایک شخص کے لیے بیویوں کی تعداد کی کوئی حد نہ تھی۔ ہر شخص اپنی آمدنی کے مطابق بیویاں رکھ سکتا تھا، البتہ غریب آدمی کو صرف ایک بیوی پر قناعت کرنا پڑتی۔ جن لوگوں کی زیادہ بیویاں ہوتیں ان میں ایک بڑی بیوی ہوتی جن کو ''زن پادشاہی ہا'' کہتے۔ دوسری سب بیویاں اس کے ماتحت ہوتیں اور ان کے حقوق بڑی بیوی سے مختلف ہوتے، اور یہ سب ''خدمت گار بیویاں'' کہلاتیں۔ ان کی صرف اولادِ نرینہ کو خاندان میں داخلہ کا حق مل سکتا تھا۔

(ایران بعہد ساسانیاں: ص ۴۲۷۔ ۴۲۸)

خود خسرو پرویز کے بارے میں طبری نے لکھا ہے کہ اس کی تین ہزار بیویاں تھیں۔ ان کے علاوہ ہزار ہا لونڈیاں تھیں جو بادشاہ کی ہر طرح خدمت کرتی تھیں اور رقص وسرود کی محفلوں کو زینت بخشتیں۔ تین ہزار خدمت گار، آٹھ ہزار پانچ سو گھوڑے (ابن اثیر نے پچاس ہزار لکھے ہیں) سات سو ساٹھ ہاتھی، بارہ ہزار خچر اور جواہرات اور سونے چاندی کے برتنوں کا کوئی حساب نہیں تھا۔ (طبری: ۱/ ۲۳۶، ابن اثیر: ۱/ ۴۹۲)

کسریٰ کے تاج کے بارے میں مختلف کتابوں میں مرقوم ہے کہ اس کا وزن کئی من تھا۔ یہ تاج طلائی تھا۔ یاقوت وزبرجد اور دوسرے قیمتی جواہرات سے آراستہ تھا۔ وزنی ہونے کی وجہ سے بادشاہ اسے سر پر اٹھا نہیں سکتا تھا، لہٰذا وہ تخت کے اوپر ایک طلائی زنجیر سے معلق تھا۔ کسریٰ تخت پر پردے میں جلوہ افروز ہو کر اس میں سر داخل کر دیتا۔ بعد میں وہ پردہ ہٹا دیا جاتا تو حاضرین اس کی ہیبت اور دہشت سے سجدہ ریز ہو جاتے۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر:۱/۴۳)

خسرو کے آذر بائیجان کے گورنر کے پاس جو سامان اور پراپرٹی تھی، اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

''ضرورت سے زائد بیس لاکھ دینار، پانچ لاکھ دینار کا سونے چاندی کا سامان، چھ لاکھ دینار کے جواہرات، خراسان، عراق، فارس اور آذر بائیجان کا کوئی ضلع اور شہر ایسا نہ تھا جس میں اس کی جاگیریں، مکانات، سرائیں اور زمینیں نہ ہوں۔ تیس ہزار خچر اور گھوڑے تھے، دو لاکھ بھیڑیں، سترہ سو ترک، یونانی اور حبشی غلام اور چودہ سو لونڈیاں۔'' (ایران بعہد ساسانیاں:ص ۵۰۳)

اس ایک گورنر کی جائیداد اور دولت و ثروت سے دوسرے گورنروں کے مال و دولت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان معاشرتی حالات سے ایران کے معاشی حالات کا بخوبی انداہ لگایا جا سکتا ہے کیونکہ جب معاشرے کی ساری دولت اوپر کی سوسائٹی کے لوگوں میں اکٹھی ہو جائے تو عوام الناس، کاشت کار، مزدور اور دست کار قلاش اور مفلس ہو جاتے ہیں۔ پھر وہی حالت ہوتی ہے

ملیں اس لیے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دخترانِ وطن تار تار کو ترسیں

جب دولت چند ہاتھوں میں رک جائے تو معاشرہ کی معاشی حالت روز بروز بگڑتی چلی جاتی ہے۔ اور عوام کا نام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اپنا خون پسینہ بہا کر بڑے لوگوں کی تجوریاں بھرتے رہیں اور ان کی عیش وعشرت کے لیے انہیں سامان بہم پہنچاتے رہیں۔ اس قسم کے نظام میں امیر روز بروز امیر تر ہوتا جاتا ہے اور غریب غریب تر۔

Marfat.com

چنانچہ ایرانی معاشرہ میں بھی یہی صورت حال تھی۔ کاشت کار، مزدور، دست کار، ہاری اور دوسرے لوگوں کے مقدر میں مفلسی، قلاشی اور محرومی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ان کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ امراء، رؤسا، جاگیرداروں اور مراعات یافتہ فوجی جرنیلوں کے لیے دن رات کام کریں اور جو کچھ حاصل ہو وہ ان کے عیش و آرام کے لیے انہیں مہیا کریں۔ غریب عوام جو کچھ کماتے تھے وہ ٹیکسوں کی صورت میں ان سے چھین لیا جاتا تھا۔ ملک میں سات خاندان جن میں شاہی خاندان بھی شامل تھا، ہر قسم کے ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھے۔ امراء جن کو ''العظماء'' کہا جاتا تھا وہ بھی ہر قسم کے ٹیکس کی ادائیگی سے بری تھے۔ جو لوگ وسیع و عریض جاگیروں کے مالک تھے اور جن کے پاس دولت کے انبار تھے۔ انہیں ہر قسم کے ٹیکس کی مراعات حاصل تھیں اور ٹیکسوں کا سارا بوجھ نادار اور مفلوک الحال عوام پر ڈال دیا گیا تھا اور وہ شام و پگاہ جانوروں کی طرح حکومت کے خزانہ کو بھرتے تاکہ یہ بڑے بڑے اعیان سلطنت اس خزانہ عامرہ سے دادِ عیش دے سکیں۔

ان ٹیکسوں سے جمع شدہ رقم سے رفاہ عامہ پر بہت کم خرچ کیا جاتا۔ ملک کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ بادشاہ کے ذاتی خزانہ میں جاتا جو اس کا ذاتی ہوتا۔ مالِ غنیمت کا سارا روپیہ بادشاہ کا ذاتی شمار ہوتا۔ ملک کی جاگیروں کی ساری آمدنی بھی اس کے ذاتی خزانہ میں جاتی۔ عید نوروز اور مہرگان کے موقع پر جبراً قیمتی تحائف لیے جاتے جو سارے کے سارے بادشاہ کے ذاتی خزانے میں جمع ہوتے۔ اس بے پناہ آمدنی سے بادشاہ تکلفات زندگی تعیشات اور سامان آرائش کی وہ بہتات اپنے گرد جمع کرتے کہ عقل ان کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو The Age Faith, P.145)

دولت کے اس ارتکاز نے ملک کو اخلاقی طور پر دیوالیہ بنا دیا۔ جس معاشرہ میں بیٹی، بہن اور دوسرے محرمات سے نکاح نہ صرف جائز بلکہ عین عبادت اور ثواب سمجھا جاتا ہو اور اپنی بیوی دوسرے کو مستعار دینا ایک پسندیدہ فعل تصور کیا جاتا ہو وہاں پھر دوسرے گناہوں کو کھلی چھٹی مل جاتی ہے۔ چنانچہ ایران کی اس سوسائٹی میں بھی زنا اور بدکاری، حرام خوری اور ناجائز دولت کے اکٹھا کرنے کا عام رواج تھا۔ شراب کھلے بندوں پی جاتی تھی اور ہر قسم کی بے راہ روی اس معاشرہ میں رحمت آسمانی سمجھی جاتی تھی۔

Marfat.com

مزدک کی تحریک نے جب مال و زر اور زن کے مشترک ہونے کا اعلان کیا تو اس نے ملک کی اخلاقی حالت کو اور زیادہ تباہ کر دیا اور ملک کا نوجوان طبقہ عورتوں سے تمتع اور لطف اندوزی کے لیے کھلے عام میدان میں آ گیا اور ملک میں عریانی اور بے باکی کا دور دورہ ہو گیا۔ جاگیردار اور امراء کا طبقہ تعیشات زندگی حاصل کر کے غریب عوام کو ان کی غربت کا احساس دلاتا۔ چنانچہ ملک کے مفلس و نادار عوام ہر رات امراء کی بزم عیش و طرب کا سن کر حسرت کی آہ بھر کر رہ جاتے۔ ان کے زر و جواہر اور اشرفیوں کے انبار دیکھ کر آنکھوں میں یاس کے آنسو بھر لاتے۔ ان کے فلک بوس محلات اور شاندار بنگلے اور کوٹھیاں دیکھ کر دل مسوس کر رہ جاتے۔ چنانچہ جب مزدک کی تحریک نے ان کے سامنے جنسی زندگی کی ساری پابندیاں بالائے طاق رکھ کر زن اور زر کو مشترک کر دیا تو اب ایران کی عورت ہر مرد کی ہوس کا نشانہ بننے لگی اور ملک اخلاقی انارکی اور بے راہ روی کا کلی طور پر شکار ہو گیا۔

ملک کی اخلاقی انارکی اور عوام کی بے عزتی کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک روز مزدک نے کیقباد سے کہا کہ آج تیری بیوی جو نوشیروان عادل کی ماں تھی اور ملک کی خاتون اول تھی، میرے پاس رات بسر کرے گی۔ کیقباد ایران کا کلی حکمران تھا، لیکن مزدک کی صحبت نے اسے اتنا بے غیرت اور دیوث بنا دیا تھا کہ اس نے مزدک کی اس حیا سوز تجویز کو فوری طور پر قبول کر لیا اور اپنی بیوی ایک رات کے لیے مزدک کو دینے پر راضی ہو گیا، لیکن نوشیروان کو باپ کی اس بے غیرتی کا پتہ چلا تو وہ بے چین ہو گیا مگر وہ کر کچھ نہیں سکتا تھا۔ وہ نہایت نیاز مندی کے ساتھ مزدک کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنے ہاتھوں سے اس کے جوتے اتارے، پھر اس کے پاؤں کو بوسے دیئے، پھر نہایت لجاجت سے مزدک کی خدمت میں ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ اہل ایران کی مادر ملکہ اور خاتون اول کی آبرو ریزی نہ کرے اور اس مہربانی کے عوض وہ جو کچھ چاہتا ہے، دینے کے لیے تیار ہوں۔ نوشیروان کی اس لجاجت آمیز عرض داشت کو مزدک نے قبول کر لیا اور اس نے اس کی ماں کو چھوڑ دیا۔ (ابن اثیر: ۱/۳۱۳)

مزدک نے ایران کے لوگوں کی جائیدادیں اور عورتوں کی عصمتیں لوٹنے کا جو

Marfat.com

مظاہرہ کیا۔ (اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو The Age of Faith, P.144)

ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بادشاہ کیقباد جب مزدک کا پیروکار ہو گیا تو اس نے اپنی سلطنت کے تمام گورنروں کو بھی اس تحریک میں شمولیت کی دعوت دی۔ حیرہ کے گورنر منذر نے بادشاہ کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کو گورنری سے معزول کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب قباد مر گیا تو نوشیروان تخت نشین ہوا۔ نوشیروان اپنے باپ کے عقیدہ کے سخت خلاف تھا۔ نوشیروان نے اپنے دربار میں لوگوں کو حاضری کا اذن عام دیا۔ اتفاق سے دو ممتاز شخصیتیں بھی اکٹھی دربار میں حاضر ہو گئیں۔ پہلے مزدک حاضر ہوا، پھر معزول شدہ گورنر حیرہ منذر بن ماء السماء۔ نوشیروان ان دونوں کو دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑا اور کہا:

''میری زندگی کی دو آرزوئیں تھیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ دونوں پوری ہو گئی ہیں۔'' مزدک نے پوچھا: ''شہنشاہ! وہ کون سی دو آرزوئیں تھیں؟'' نوشیروان نے جواب دیا: ''میری ایک آرزو تو یہ تھی کہ اس باغیرت شخص المنذر کو اپنے عہدہ پر بحال کر دوں جس نے تیری دعوت کو ٹھکرایا تھا۔ اور دوسری آرزو یہ تھی کہ میں ان زندیقوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں جنہوں نے ملک میں اخلاقی بے راہ روی پھیلا دی ہے اور زن اور زر کو سب کی مشترکہ چیز بنا دیا ہے۔''

مزدک کو پتہ تھا کہ ملک میں میرے ماننے والوں کی کثرت ہے اور بادشاہ اس اشتراکی تحریک کو ختم نہیں کر سکتا، لہٰذا اس نے کہا: ''کیا تیرے بس میں ہے کہ ان تمام انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دے جو اس تحریک کے رکن ہیں۔'' یہ جواب سن کر نوشیروان ایک دم غصے سے اچھل پڑا اور بے قابو ہو کر کہنے لگا:

''او زانیہ کے بیٹے! تو ابھی تک یہاں موجود ہے۔ بخدا! تیری جرابوں کی بدبو ابھی تک میری ناک میں موجود ہے جب میں نے اپنی ماں کی عصمت بچانے کے لیے تیرے بدبودار اور متعفن پاؤں کو بوسہ دیا تھا۔''

چنانچہ نوشیروان نے اسی وقت حکم دیا کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے اور اس کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا جائے تاکہ لوگ اس کے انجام سے عبرت حاصل کریں، اس کے قتل کے

Marfat.com

بعد مزدکیوں نے ملک میں شورش برپا کرنے کی کوشش کی، لیکن نوشیروان کے حکم سے ایک دن میں ایک لاکھ مزدکیوں کو قتل کر دیا گیا۔ مزدک اور اس کے پیروکاروں نے لوگوں کی جو جائیدادیں اور مال و دولت چھینی تھیں وہ اصلی مالکوں کو واپس کی گئیں۔ اس طرح سے یہ فتنہ نوشیروان کی جرأت اور دلیری سے اپنے انجام کو پہنچا اور لوگوں نے آرام کا سانس لیا۔ اس روز اس کو ''نوشیروان'' کے لفظ سے ملقب کیا گیا۔ (ابن اثیر: ۱/۴۳۴)

• یہ تھی مختصر سی داستان اس ملک کی جس کا بادشاہ اپنے کو ''سب خداؤں سے بڑا خدا اور تمام روئے زمین کا مالک'' کہتا تھا اور جس کے بادشاہ خسرو پرویز نے اپنے القابات کو یہاں تک بلند کیا کہ کہا:

''خداؤں میں انسان غیر فانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اس کے نام کا بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا ہے، سب کی آنکھوں کا اجالا۔''

(ایران بعہد ساسانیاں: ص ۳۳۸)

وہ بادشاہ اپنے کو من جانب خدا اور اپنی ذات کو جملہ اختیارات کا سرچشمہ کہتے تھے، چنانچہ ان کو یہاں تک اختیار تھا کہ بادشاہ، اس کی ماں اور بڑی بلکہ کو یہ کلی اختیار تھا کہ جس شخص کے بارے چاہیں بغیر کوئی جرم ثابت کیے تختۂ دار پر لٹکا دیں۔ ان کے اس ظالمانہ فعل پر کسی شخص کو صدائے احتجاج بلند کرنے کی قطعاً کوئی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک باپ نے اپنے چار لڑکے میدان جنگ میں بھیجے۔ ان میں سے ایک بھائی نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ان کے پانچوں بھائی کو یہ اجازت دے دی جائے کہ امور زراعت کی نگرانی کرے اور بوڑھے والدین کی خدمت کرے، لیکن ''نازک مزاج شاہاں تاب سخن نہ دارد'' بادشاہ کی طبع نازک پر یہ بات نہایت گراں گزاری۔ قصر شاہی سے فوراً یہ حکم صادر ہوا کہ اس پانچویں بھائی کو دو حصوں میں کاٹ دیا جائے اور جس راستہ سے لشکر شاہی نے گزرنا ہے اس کے ایک طرف اس کے اوپر والا حصہ اور دوسری طرف اس کا نیچے والا حصہ لوگوں کی عبرت کے لیے رکھ دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور تمام لشکر اس نوجوان کی لاش کے دو ٹکڑوں کے درمیان سے گزر گیا اور کسی کو حرف شکایت و احتجاج زبان پر لانے کی جرأت نہ ہوئی۔

Marfat.com

رومی سلطنت کی کیفیت:

یہ تو تھی مختصر داستان ایرانی سلطنت کی جو اس زمانہ امریکہ کی طرح اپنے کو سپر پاور سمجھتی تھی۔ دوسری طرف رومی سلطنت تھی جس کو بازنطینی حکومت بھی کہتے ہیں۔ اس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا۔ اس میں بھی خالص آمرانہ حکومت تھی جیسا کہ ایران کی ساسانی حکومت کے بارے میں ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ حکومت ان کا موروثی حق ہے۔ اور اہل چین اپنے بادشاہ کو ''شہنشاہ فرزند آسمان'' کہتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نر ہے اور زمین مادہ اور تمام کائنات کو انہی نے جنم دیا ہے، اور شہنشاہ زمین و آسمان کے جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے۔ اسی وجہ سے بادشاہ کو تمام قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا۔ اسی طرح سلطنت روما میں رومی وطن اور رومی قومیت کی عظمت بنیادی قانون تھا۔ دوسری اقوام اور دوسرے ممالک اس قومیت کے غلام تھے۔ ان کی اسٹیٹ (State) میں حیثیت ان رگوں اور شرائین کی سی تھی جن کے ذریعہ خون اپنے مرکز میں پہنچتا ہے۔ رومی حکومت کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکے، اور جس شخص کی عزت و ناموس کو پامال کرنا چاہے، پامال کر سکے۔ علاوہ ازیں قومی تعصّبات اور بے قید سیاست نے انہیں پستی کی انتہائی حد تک پہنچا دیا تھا، اور ان کی معاشرت ظالمانہ اور انسانیت کش قوانین پر مبنی تھی۔ سلطنت روما اس وقت دو بازوؤں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ مغربی بازو اور مشرقی بازو۔ مغربی بازو اخلاقی طور پر تنزل اور انحطاط کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے:

> ''اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی وحشی مخالفین فنا بھی ہو جاتے تو ان کی تباہی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال اور تباہی سے نہیں بچا سکتی تھی۔''

ایک اور مقام پر گبن نے لکھا ہے:

> ''رومن حکومت مخالفین کی نظر میں روز بروز زیادہ کمزور اور خود اپنی رعایا کی نظر میں زیادہ ظالم اور ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ کفایت شعاری جتنی ضروری ہوتی جا رہی تھی اسی قدر اس کی جانب سے بے اعتنائی بڑھتی جا رہی

Marfat.com

تھی، اور جس نسبت سے رعایا کے مصائب روز افزوں تھے، اسی نسبت سے ٹیکسوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔''

(The History of Decline and Fall of The Roman Empire, Vol. II, P.124)

اس سیاسی انارکی اور اخلاقی انحطاط اور تنزل کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کی وحشی اقوام نے روما کے مغربی بازو کو کچل کر رکھ دیا اور اپنے سفاکانہ اور وحشیانہ مظالم کی وجہ سے رعایا کو پیس کر رکھ دیا۔

سلطنت روما کے مشرقی بازو کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ چونکہ اس بازو کی سرحدیں سلطنت ایران سے ملتی تھیں، اس لیے یہ ہمیشہ ایران کی حکومت سے الجھا رہا اور پے در پے جنگوں نے اس کو نچوڑ کر رکھ دیا۔ رومیوں اور ایرانیوں کی باہمی جنگوں میں جو چیز سب سے زیادہ افسوس ناک تھی وہ ان دونوں کی قومی عصبیت اور مذہبی جنون تھا جو اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ انسانیت اور شرافت کی کوئی قدر ان کی نگاہ میں احترام کی مستحق نہ رہی تھی اور مذہب و اخلاق کی پامالی کا خوفناک سے خوفناک منظر بھی ان کے دلوں کو پہنچنے کے لیے کافی نہ تھا۔ چنانچہ ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے جب فلسطین پر حملہ کیا تو اس نے عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو نذر آتش کر دیا اور نہایت بے دردی سے عیسائی رعایا کو تہ تیغ کیا۔ اسی طرح رومی سلطنت کے حکمران ہرقل نے جب شمال کی طرف سے ایران پر حملہ کیا تو اس نے بھی جوابی کاروائی کے طور پر مجوسیوں کے آتش کدوں کو برباد کیا اور لاکھوں ایرانیوں کا خون بہایا۔ رومیوں کی انہی سفاکانہ اور ظالمانہ پالیسیوں کی وجہ سے مشہور یورپی دانشور رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) نے لکھا ہے:

''رومی حکومت کی تباہی کا سبب وہاں کی روز افزوں خرابیاں (مثلاً کرپشن، رشوت، جبر واستبداد وغیرہ) نہ تھیں بلکہ اصلی اور بنیادی سبب فساد و شر اور حقائق سے گریز کی عادت تھی جو اس سلطنت کے قیام اور اس کی نشوونما میں پہلے ہی روز سے موجود تھی۔ یہ ایک بہت بڑی خرابی تھی اور یہ سلطنت کے اندر جڑ پکڑ چکی تھی۔ کسی انسانی جماعت کی تعمیر جب کبھی اس طرح کی کمزور اور کج بنیاد پر استوار کی جائے گی تو اس کو گرنے سے کسی دانشور کی ذہانت اور کسی کارکن کی سرگرمی نہیں بچا

Marfat.com

سکتی۔ چونکہ اس سلطنت کی بنیاد ہی خرابیوں اور ظلم واستبداد پر استوار تھی، اس لیے اس کا زوال وانحطاط اور خاتمہ ایک لازمی امر تھا کیونکہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ رومی مملکت ایک چھوٹے سے طبقہ کے عیش وآرام اور راحت رسانی کا ذریعہ تھی اور جمہور عوام سے ناجائز منفعت اندوزی اور رعایا کا خون چوس کر شاہی قومیت کے پودے کی آبیاری کرتی تھی۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ روم میں تجارت، امانت داری اور عدل وانصاف سے ہو رہی تھی اور یہ بات حکومت کی بنیادی خصوصیات میں سے سمجھی جاتی تھی، اور اس سے بھی انکار نہیں کہ حکومت اپنی طاقت، اہلیت اور قابلیت سے نیز اپنے عدالتی نظام میں ممتاز تھی، لیکن یہ تمام خوبیاں اور اچھائیاں حکومت کو تباہی کے گڑھے میں جانے سے نہیں بچا سکتی تھیں اور نہ ہی اساس اور بنیادی غلطیوں کے انجام بد سے محفوظ رکھ سکتی تھیں۔"

(Robert Briffault: The Making of Humanity, P.159)

رومی سلطنت کا اپنی رعایا کے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ نہ تھا۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ رعایا کے وسائل ترقی پر بندش تھی۔ ہر شخص حکومت کے ظلم وستم کے آہنی شکنجہ کے نیچے کراہ رہا تھا۔ اس سلسلہ میں الفرڈ بٹلر کا بیان رومی حکومت کے رعایا کے ساتھ معاملات پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے:

"مصر میں رومی حکومت کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ جس طرح ہو سکے رعایا سے مال لوٹ کر حکام کو فائدہ پہنچایا جائے۔ رعایا کی بہتری، خوش حالی اور اس کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کا خیال کبھی ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آتا تھا۔ رعایا کے اخلاق کی درستی اور تہذیب کی بہتری اور ان کی مالی حالت کو بہتر کرنے کے لیے انہیں کوئی فکر نہ تھی۔ مصر میں ان کی حکومت ان پردیسیوں کی سی تھی جو صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کرتے ہیں اور محکوم قوم کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے تک کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔"

Alfred Butler: Arabs Corquest of Egypt and The Last Thirty Years of the Roman Dominion, P.42

مختلف کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رومی حکومت کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ نہایت سفاکانہ تھا۔ ان کے شہری اور انسانی حقوق غصب تھے۔ اکثر سرکاری ٹیکس ادا کرنے کے لیے وہ اپنی اولاد کو فروخت کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ غلام بنانے اور بیگار لینے کا ان میں عام رواج تھا۔ اسی بیگار سے رومی حکومت نے وہ ادارے اور کارخانے تعمیر کیے جو رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے ہیں۔ مختصر لفظوں میں یہ کہ رومی رعایا کے لیے ان کی حکومت بدترین نحوست اور سخت ترین عذاب تھی۔

ایرانی اور رومی دونوں حکومتوں کے اعلیٰ حکام کے سروں پر عیش پرستی اور شہوانی خیالات کا بھوت سوار تھا۔ ان دونوں حکومتوں میں مصنوعی تہذیب اور پرفریب زندگی کا ایک سیلاب امنڈ آیا تھا جس میں ہر شخص گلے تک غرق تھا۔ عیش و عشرت کے سوا ان حکومتوں کے امراء و رؤساء کو اور کوئی فکر نہ تھی۔ تکلفات زندگی اور سامان آسائش و آرائش اور تعیشات کی ان کے ہاں وہ بہتات تھی جس کی قلم کو تاب نگارش نہیں۔ کسریٰ پرویز کے ہاں بارہ ہزار عورتیں تھیں۔ پچاس ہزار اصیل گھوڑے، محلات اور نقد و جواہر کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کسریٰ کا قصر ابیض (White House) جو نوشیروان نے بنوایا تھا، اس کی تعمیر میں رومی، یونانی اور اس زمانے کے دوسرے متمدن ممالک کے فن تعمیر کی تمام نزاکتیں اور رعنائیاں صرف کر دی گئی تھیں۔ وہ پانچ دالانوں پر اور بڑے بڑے گنبدوں پر مشتمل ایک عظمت و جلال کی تصویر پیش کرتا تھا۔ اس کے سامنے کا حصہ ایک سو پچاس میٹر سے بھی چوڑا اور بلندی چالیس میٹر تھی۔ اس قصر ابیض پر کتنی رقم خرچ ہوئی، اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مسلمانوں نے جب کسریٰ کے دارالسلطنت مدائن پر قبضہ کیا تو اگرچہ یزدگرد بہت سا خزانہ، غلام، کنیزیں اور مختلف سامان تعیش اپنے ساتھ حلوان لے گیا تھا، پھر بھی اس کے شاہی خزانہ سے مسلمانوں کو تیں کھرب دینار ملے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سا قیمتی سامان ملا جس کا اندازہ مؤرخین نے بیس کھرب دینار سے زیادہ لگایا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یزدگرد جب اپنے دارالسلطنت سے بھاگا تو وہ اس عجلت اور پریشانی میں اپنے ساتھ جو کچھ لے گیا، اس سے اس کی عیش و عشرت کا پتہ چلتا ہے۔ لکھا ہے:

Marfat.com

''یز دگرد اپنے ساتھ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار گویے، ایک ہزار چیتوں کے محافظ، ایک ہزار باز دار اور بہت سے دوسرے لوگ لیتا گیا، اور یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی بہت کم تھی۔'' (ایران بعہد ساسانیاں: ص ۸۱)

روپیہ اور مال و دولت اپنے ساتھ وہ کس قدر لے کر گیا، اس کی تفصیل تو نہیں ملی لیکن اس کے ہمراہیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنے کھرب مال لے کر گیا ہو گا۔ اور اسی مال و دولت سے وہ اپنے ہی ملک میں کئی سال تک پناہ حاصل کرنے کے لیے بھاگتا رہا۔ آخر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک چکی والے کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس وقت اس کی جیب میں تین درہم بھی نہ تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب سیرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ)

ایرانی امراء کا تعیش:

مؤرخین نے کسریٰ کے اس فرش بہار جس پر بیٹھ کر امرائے ایران موسم خزاں میں شراب پیتے تھے، کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ ساٹھ گز مربع تھا۔ قریباً ایک ایکڑ زمین کو گھیر لیتا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی جس میں جا بجا جواہرات اور موتیوں کی گل کاری تھی۔ جس میں پھول دار درخت قائم تھے۔ درختوں کی لکڑی سونے کی، پتے حریر و پرنیاں کے، کلیاں سونے چاندی کی اور پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے۔ گرد ہیرے کی جدول تھی۔ درمیان میں روشیں اور نہریں بنائی گئی تھیں۔ اور یہ سب جواہرات کی تھیں۔ موسم خزاں میں تاج دارانِ اہل ساسان اس گلشن بے خزاں میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے اور دولت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ نظر آتا جو زمانہ نے کبھی اور کہیں نہ دیکھا تھا۔''

(تاریخ اسلام، مولانا عبدالحلیم شرر: ۱/۳۵۴، The Age of Faith, P.149)

طبری نے نقل کیا ہے کہ اہل ایران سروں پر جو کلاہ رکھتے تھے وہ کئی کئی لاکھ کی ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنے خیال میں اپنا معیار زندگی اتنا زیادہ اونچا کر لیا تھا کہ ایک شخص

Marfat.com

اپنی ذات اور اپنے لباس کے کسی ایک حصہ پر اتنا روپیہ صرف کرتا جس سے ایک پوری بستی پرورش پا سکتی تھی۔ چنانچہ ہرمز کی ایک کلاہ کی قیمت ایک لاکھ تھی جس میں مختلف قسم کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ شاہ حیرا کسریٰ کا ایک عزیز تھا، اس کی کلاہ کی قیمت پچاس ہزار اور رستم جو کسریٰ کا وزیر دفاع تھا، اس کی کلاہ کی قیمت ایک لاکھ تھی۔

اصل میں بات یہ ہے کہ ان دونوں حکومتوں میں بہیمانہ طبقاتی نزاع، خود غرضانہ گروہ بندی، ملت کش مفاد پرستی، ظالمانہ سیاست، معاشی نامساوات اور جبرو استبداد اپنے پورے عروج پر تھا، اور ہر طرف وحشت اور بہیمیت کا دور دورہ تھا

مشرق خراب، مغرب ازاں بیشتر خراب
عالم تمام مردہ و بے ذوق جستجو

یہ دونوں حکومتیں اگرچہ اپنے آپ کو متمدن اور مہذب کہتیں لیکن یہ تمدن اور تہذیب جنگل کے درندوں کی ہے نہ کہ شہروں اور دیہاتوں میں بسنے والے انسانوں کی۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے اس دور کو "جاہلیت کا دور" کہا ہے، اور جس دور میں انسان نہ تو اپنے رب کو پہچانے اور نہ ہی دوسرے انسانوں کو اور نہ ہی اپنے آپ کو، تو وہ یقیناً جاہلیت کا دور ہوتا ہے۔

سلطنت رومہ کے معاشی حالات بھی ایران سے مختلف نہ تھے۔ یہاں بھی سلطنت کی آبادی دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک امراء اور جاگیرداروں کا طبقہ اور دوسرے عوام اور غرباء کا طبقہ اور ان دونوں طبقات میں کشمکش تھی۔ امراء و رؤساء اقتصادی طور پر عام طبقہ سے بلند و بالا اور زرعی زمینوں کے وسیع و عریض قطعات کے مالک تھے، لہٰذا ان کے افراد کی اکثریت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی تھی۔ ان کو عیش و عشرت کے اسباب مہیا کرنے کے لیے غرباء کو ڈھور ڈنگروں کی طرح دن رات کھیتوں وغیرہ میں کام کرنا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے وہ کئی نسلوں سے غربت و ناداری اور پس ماندگی اور پستی و ادنائیت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وسائل رزق پر امراء کے طبقہ کا قبضہ تھا اس وجہ سے وہ دن بدن غریب سے غریب تر ہو رہے تھے۔ کوئی اس طبقہ کا پرساں حال نہیں تھا۔

اگرچہ ایران کے مقابلہ میں یہاں علم کی کچھ روشنی تھی۔ کچھ درس گاہیں اور

اسکول بھی۔ بعض لوگ کسی فن میں ماہر بھی تھے جیسے ایک خاتون ہپاٹیا (Hypatia) فن ریاضی میں نہایت ماہر تھی۔ علم فلکیات میں پٹولیمی (Potolemy) نے افلاطون اور پلوٹینس کے خطوط پر اپنا ایک مستقل نظام فکر تعمیر کیا۔ اس کے علاوہ یونانیوں اور عیسائیوں کے پادریوں کے معاشرہ پر اچھے خاصے اثرات تھے، لیکن ایک سرمایہ دارانہ نظام معاشرت و معیشت میں لوگوں کو سونے اور چاندی کے ترازو میں تولا جاتا ہے، علم وفن کی اس معاشرہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

امراء اور خوش حال طبقہ کو زندگی کی ہر قسم کی سہولیات میسر تھیں جب کہ کاشت کار، دست کار اور عام مزدوران تمام سہولیات سے یک قلم محروم تھے۔ اس وجہ سے امراء اور غرباء کے درمیان امتیاز کی ایک وسیع خلیج حائل تھی۔ البتہ غریبوں کا دل بہلانے کے لیے ملک میں جگہ جگہ سرکس، جنگی رتھوں کی دوڑ اور جنگی مقابلے ہوتے تھے جن میں شرطیں بھی لگتی تھیں۔ اس وقتی خوشی میں غریب اپنا دل بہلا لیتا اور ہفتہ بھر کی معاشی دوڑ دھوپ کے رنج وغم کو کچھ وقت کے لیے بھول جاتا۔

معاشرتی نظام کا گہرا تعلق ملک کے معاشی نظام سے ہوتا ہے۔ جب معاشرتی نظام مختلف طبقات میں منقسم ہو تو معاشی نظام میں بھی نشیب و فراز ہوتے ہیں اگرچہ ملک کا معاشی اور اقتصادی نظام مخلوط قسم کا تھا، لیکن بڑی بڑی صنعتیں اور جاگیریں حکومت کے کنٹرول میں تھیں جس کی وجہ سے کاشت کار اور مزدور حکومت اور جاگیرداروں کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ ملک میں نجی کاروبار کی بھی اجازت تھی لیکن نجی کاروبار کرنے والے بھی مختلف قسم کے ٹیکسوں میں اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ حکومت کے ٹیکس ادا کرنے کے بعد ان کی حالت میں خوش حالی کی کوئی نوید نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ

> سلطنت کا مالیاتی نظام انتہائی حد تک خراب تھا۔ اگر حکومت عوامی اقتصادیات کے اصولوں سے آشنا ہوتی تو اپنی رعایا کی خوش حالی کو مجروح کیے بغیر اپنی آمدنی میں بہت کچھ اضافہ کر سکتی تھی۔ جو ٹیکس لائے جاتے تھے ان کی شرح بہت زیادہ تھی، پھر اس کی وصولی کے لیے نہایت جبر و تشدد سے کام لیا جاتا تھا۔

Marfat.com

حکومت تاجر پیشہ لوگوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی۔ اس کا جی چاہتا کہ وہ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ بلکہ سارا مال ہی چھین کر اپنا خزانہ بھر لے۔ زراعت آمدنی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ بازنطینی حکومت کے عہد میں زمین کے مالکوں پر اتنا بوجھ ڈالا جاتا رہا جو نہایت نامناسب تھا۔ زمین کا لگان زرعی پیداوار کے حساب کے مطابق نہیں لیا جاتا تھا بلکہ زمین کی مالیت اور مالک کی حیثیت کے مطابق لیا جاتا تھا۔

ٹیکس وصول کرنے کی ذمہ داری مجلس نمائندگان کے ارکان پر عائد تھی۔ ساتویں صدی تک یہی دستور رہا کہ مجلس نمائندگان کے ارکان ٹیکسوں کی وصولی کرتے اور پھر ان کو حکومت کے خزانہ میں جمع کراتے۔ جو لوگ لگان نہیں دیتے تھے ان کے حصے کا لگان اور ٹیکس ان نمائندگان کو اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس نمائندگان کے کئی ارکان بری طرح زیر بار ہو جاتے۔ کاشت کاروں پر اور بھی طرح طرح کی ذمہ داریاں ڈالی گئی تھیں جن میں سب سے زیادہ اہم ذمہ داری یہ تھی کہ حکومت کے ڈاک خانوں کے لیے گھوڑے، بگیاں اور لڑکے مہیا کرنا تھا۔ چوتھی اور چھٹی صدی میں کاشت کاروں کو زمین کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ اگر پہلا مالک زمین فروخت کر دیتا تو خریدنے والے کو زمین کے ساتھ وہ کاشت کار بھی منتقل کر دیئے جاتے جو پہلے مالک کے وقت زمین میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ (گویا زمین کے ساتھ مزارع بھی فروخت ہو جاتے۔) (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ۱۹/۴۴۲)

ایک اور جگہ پر مقالہ نگار لکھتا ہے:

"اگر کبھی ناگوار موسموں کے باعث فصلیں تباہ و برباد ہو جاتیں تو اس کے باوجود لگانوں اور زرعی ٹیکسوں میں کمی نہیں کی جاتی تھی، اور جو شخص مالی تنگی کی وجہ سے لگان اور زرعی ٹیکس ادا نہیں کرتا تھا تو اس کی غیر منقولہ جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی جاتی تھی۔ ان مالی مجبوریوں اور مالی مظالم کے باعث کبھی کبھی لوگ بغاوت کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک بغاوت

Marfat.com

532ء میں ہوئی اس میں صرف دار السلطنت میں تیس ہزار نفوس کام آئے۔"

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۳/۲۱۱)

یہ تو عوام الناس کی خستہ حالی اور ناداری کی ایک نامکمل سی تصویر ہے لیکن اس کے برعکس شاہی خاندان اور ملک کی بیوروکریسی اور جاگیرداری اور رؤساء کی عیش کوشی اور لذت آفرینی کی داستانیں پڑھ کر آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان کے عالی شان اور سر بفلک محلات، دیوان خانے، شراب نوشی کی مجالس، عیش وعشرت کے ساز وسامان کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جبلہ بن الایہم غسانی کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ جب شراب نوشی کے لیے مجلس جماتا تو اس کے نیچے فرش پر قسم قسم کے پھول، چنبیلی اور گلاب وغیرہ بچھا دیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظروف میں مشک وعنبر لگائے جاتے اور چاندی کی طشتریوں میں مشک خالص لایا جاتا۔ اگر سرما کا موسم ہوتا تو عود جلایا جاتا اور اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو برف بچھائی جاتی اور اس کے ہم نشینوں کے لیے گرمیوں کا لباس فراہم کیا جاتا جس کو وہ اپنے اوپر ڈال لیتے۔ جاڑوں کے موسم میں سمور، قیمتی کھالیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کیے جاتے۔

جب معاشرتی اور معاشی حالات ایسے ہوں تو اخلاقی حالت یقیناً زوال پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ سلطنت رومہ کی اخلاقی حالت بھی نہایت ابتر تھی۔ یورپ کے ایک دانش ور نے لکھا ہے:

"اخلاقی، جنسی اور کاروباری لحاظ سے رومی سلطنت کے باشندوں کی حالت قابل رشک نہ تھی۔ ایک طرف تو رقص وسرود کی زبانی طور پر مذمت کی جاتی تھی لیکن دوسری طرف قسطنطنیہ اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بے شمار رقص گاہیں اور ڈانسنگ کلب موجود تھے۔ اگرچہ کلیسا نے اس کی مخالفت کی اور اعلان کر دیا کہ ایکٹروں کو مسیحی مذہب قبول کرنے کی اجازت نہیں دیں گے لیکن اس کے باوجود بازنطینی اسٹیج پر ایکٹروں کی بھرمار تھی اور ان کے رقص وسرود کو عوام وخواص کی طرف سے بڑی پذیرائی بخشی جاتی تھی۔ قانونی طور پر ان پر یہ قدغن تھی کہ وہ ایک سے زیادہ شادی نہیں کر سکتے تھے لیکن دوسری ان

کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سامان کر دیا گیا تھا۔"

ول ڈیوران نے اس بارے میں مزید لکھا ہے کہ

"پروکوپیئس (Procopius) نے اپنی کتاب Secret History میں لکھا ہے:

"اس زمانہ میں عملی طور پر تمام عورتیں بدکار تھیں۔ ضبط تولید کے وسائل پر بڑی مستقل مزاجی سے تحقیق جاری رہتی تھی۔ اس زمانے کے اطباء اور ڈاکٹر اپنی قرابادینوں میں اس موضوع کا بڑی اہمیت سے ذکر کرتے۔ قحبہ خانے عام تھے۔ عصمت فروش کا دھندا اپنے پورے عروج پر تھا۔ جسٹینین (Justinian) اور اس کی ملکہ نے عصمت فروشی کو ختم کرنا چاہا۔ انہوں نے ملک میں عصمت فروشی کا دھندا کرنے والے مردوں اور عورتوں کو قسطنطنیہ سے نکل جانے کا حکم دیا لیکن انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔"

(The Age of Faith, P.120)

Marfat.com

دنیا کا عمومی جائزہ

یہ صورت حال تو جزیرہ نما عرب کے اردگرد کی حکومتوں کے بارے میں تھی کہ سیاسی، اقتصادی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر وہ انحطاط وتنزل کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی تھیں۔ اگرچہ ایران اور روما کی حکومتیں دنیا کی سپر پاورز کہلاتی تھیں لیکن ان دونوں سلطنتوں کی اخلاقی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں اور وہ زیادہ دیر تک کھڑی نہیں رہ سکتیں تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں کے علاوہ اور بھی جتنی حکومتیں تھیں، ان کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ چنانچہ ایک مغربی سیرت نگار مسٹر بوڈلے (Bodley) نے اپنی مشہور کتاب ''پیغام بر'' (The Messenger) میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے اس وقت کے قابل ذکر ممالک اور اقوام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ حقیقت میں تو کسی کو بھی کوئی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایک نزاع کا دور تھا جب کہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں پہلے ہی تباہ و برباد ہو چکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں۔ یہ ایک ایسی دنیا تھی جواب بھی یونان کی فصاحت، ایران کی عظمت اور روما کی شوکت وجلال سے متحیر تھی اور کوئی ایسا ایک نظریہ اور کوئی ایسا ایک مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔

''یہودی تمام دنیا میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ان کو کوئی مرکزی راہ نمائی

حاصل نہ تھی۔ حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں۔ کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کہ آج ہے۔''

''یورپ گریگری اعظم کے حلقہ اثر سے باہر مسیحی اپنے سہل عقائد کے ہر قسم کے پیچیدہ معانی ایجاد کر رہے تھے اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف تھے۔

''ایران میں تعمیر سلطنت کی صرف ایک کرن رہ گئی تھی۔ خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا۔ اس نے رومہ کو شکست دے کر کیپد وشیا، مصر اور شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے سنہ 620ء میں جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بحیثیت راہ نما ظاہر ہونے والے تھے) بیت المقدس کو تاخت و تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرا لیا تھا۔ اور دارائے اول کی زبردست عظمت و شوکت کو دوبارہ قائم کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مشرق وسطیٰ کی عظمت کو زندگی کی ایک نئی قسط مل گئی ہے، لیکن یہی نہ تھا، بازنطینی اب بھی اپنی گزری ہوئی چستی رکھتے تھے، جب خسرو اپنی فوج کو قسطنطنیہ کی فصیلوں پر لایا تو انہوں نے ایک آخری کوشش کر دکھائی۔

''مشرق بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا جو سیاسی اور حربی حیثیت سے ایک دوسرے پر فوقیت کے لیے جدوجہد میں مصروف تھے۔ چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نبرد آزما تھے۔ خاندان سوئی آیا اور گیا اور اس کی جگہ ٹینگ نے لے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

''اسپین اور انگلستان غیر اہم چھوٹے چھوٹے ملک تھے۔ اسپین وسی گوتھوں (Visi Goth) کے زیر اثر تھا جو کچھ عرصہ پہلے ہی فرانس سے جس پر انہوں نے لوائر (Loire) تک قبضہ کر رکھا تھا، نکالے گئے تھے۔ وہ ان یہودیوں پر مظالم ڈھا رہے تھے جن کو اس مسلم حملہ کے لیے جو ابھی سو برس بعد ہونے والا

Marfat.com

تھا، آسائیاں پیدا کرنی تھیں۔

''جزائر برطانیہ آزاد ریاستوں میں منقسم تھا۔ ڈیڑھ سو سال رومیوں کو روانہ ہوئے ہو چکے تھے جن کی جگہ نارڈک لوگوں کی آمدنی نے لے لی تھی۔ خود انگلستان سات مختلف بادشاہتوں پر مشتمل تھا۔''

(ص:۱۸۔۱۹ باختصار، ترجمہ سید قاسم حسنی)

ہندوستان کی تہذیب و تمدن بھی ان سے مختلف نہ تھی۔ ہندوستان میں تو اصنام پرستی زوروں پر تھی۔ ان کے دیوتاؤں کی قربان گاہوں پر گوشت جلایا جاتا تھا۔ پھر بڑی عیاری کے ساتھ یہ عقیدہ لوگوں کے ذہن نشین کرایا گیا کہ قربانی کے آداب سے صرف برہمن آشنا ہیں، لہٰذا قربانی دینے کا اختیار صرف اور صرف برہمنوں کو ہے۔ اس عقیدے نے برہمنوں کے لیے خوش حالی کے دروازے کھول دیئے۔ ہندو مذہب میں دیوتاؤں کی تعداد بھی لامحدود تھی اور یہ تعداد بڑھتی رہتی تھی۔ بہرحال تین دیوتاؤں کو خاص فوقیت حاصل تھی۔ (1) وشنو (2) برہما اور (3) شیوا۔

وشنو: یہ نظام شمسی کا دیوتا تھا۔ یہ جنگ کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے اس کے لیے جانوروں کی قربانی کے بجائے پھولوں کے ہار پیش کیے جاتے تھے۔

برہما: وشنو اور شیوا سے کم تر درجے کا دیوتا تھا، اس لیے اس کا بت چھوٹا بنایا جاتا تھا۔

شیوا: یہ دیوتا وشنو کے بالکل برعکس تھا۔ اس کی تصویر میں اس کے پانچ چہرے اور چار ہاتھ دکھائے جاتے تھے۔

اہل مغرب کے نزدیک تو ہندو ازم کو مذہب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ہر قسم کے عقیدے کو اپنانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ (World Civilization P.88)

عورت کا ہندو مذہب میں کوئی مرتبہ نہیں تھا۔ عورت اگر بیوہ ہو جاتی تو اس کو یہ بتایا جاتا کہ اس کا خاوند اس کے کسی گناہ کی وجہ سے مرا ہے۔ اس کو کسی صورت بھی شادی کی اجازت نہیں ہوتی تھی خواہ وہ ابھی عنفوان شباب ہی میں کیوں نہ ہو۔ جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اس عورت کو مجبور کیا جاتا کہ وہ اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ جل کر

خاکستر ہو جائے۔ عورتوں کے علاوہ شودر جاتی کے ساتھ بھی نہایت غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کو آبادی کے باہر جھونپڑوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا بلکہ اگر غور کیا جائے تو ان کو حیوانوں سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ برہمن اگر وید پڑھ رہا ہوتا اور اس کے پاس سے کوئی شودر گزر جاتا اور اس کے کان میں وید کے پڑھنے کی آواز پڑ جاتی تو اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جاتا۔ وہ اس وجہ سے کہ اس کے ناپاک کان میں پاک وید کی آواز کیوں پڑی؟ علاوہ ازیں اگر کسی شودر کا سایہ کنویں پر پڑ جاتا تو وہ کنواں ناپاک ہو جاتا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ورلڈ سولائزیشن: ص ۹۱)

دیوتاؤں میں بھی مونث مذکر کا معاملہ زیر بحث آتا۔ مونث کو ماتا دیوی کہا جاتا اور اس کی پوجا ہوتی۔ علاوہ ازیں ایک مذکر دیوتا کی بھی پوجا کی جاتی جس کا نام شیوا تھا۔ اس کے آلۂ تناسل کی بھی پوجا کی جاتی تھی جس کا نشان عورت اور مرد اپنے گلے میں لٹکائے رکھتے۔ (Encyclopedia of Living Faiths, P.218)

اسی ہندوستان میں بدھ مت نے جنم لیا تھا جو کہ دراصل ہندوستان میں پھیلے ہوئے رسم و رواج کے خلاف ایک صدائے احتجاج تھی جس نے ویدوں کو مسترد کیا۔ اور ہندو مذہب کی طبقاتی تقسیم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ویدوں میں مذکور تمام دیوتاؤں کی خدائی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور ان سب چیزوں سے نجات کا ایک آزادانہ طریقہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ۱۴/۲۷۳)

بدھ مت کی خوش قسمتی تھی کہ اس اشوک، کنشک اور ہرش جیسے عالی ہمت مہاراجوں کی سرپرستی حاصل ہو گئی جنہوں نے اس مذہب کی اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور جلد ہی یہ مذہب پورے ہندوستان میں پھیل گیا، لیکن بدقسمتی سے بدھ مت کے ماننے والے بہت جلد اٹھارہ فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ اگرچہ ان سب فرقوں کی عقیدت کا مرکز گوتم بدھ ہی کی شخصیت تھی، لیکن پھر بھی ہر فرقہ نے اپنی اپنی خانقاہیں اور عبادت گاہیں الگ الگ بنالیں۔

بدھ مت کے اس تشتت و افتراق سے برہمنوں نے بدھ مت کے خلاف ایک قسم کی بغاوت کر دی اور اپنا کھویا ہوا وقار واپس لے لیا اور ملک میں پھر ذات پات کا نظام

Marfat.com

نافذ کر دیا۔ برہمنوں نے پھر شودروں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ مولانا عبدالمجید سالک نے لکھا ہے:

''شودر برہمن کا پس خوردہ کھائے۔ شودر مہینہ میں صرف ایک دفعہ حجامت بنوائے۔ شودر کی برہمن کو چور کہے تو اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے۔ شودر کسی برہمن، کھشتری اور ویش کے ساتھ تلخ کلامی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کر دیا جائے۔ اگر شود کسی برہمن کا نام لے کر کہے کہ فلاں برہمن نیچ ہے تو اس شودر کے منہ میں بارہ انگلی کی آہنی سیخ آگ میں سرخ کر کے ڈال دی جائے۔ اگر چھوٹی ذات کا آدمی بڑی ذات کے آدمی کے ساتھ ایک آسن پر بیٹھے تو اس کا چوتڑ کاٹ ڈالنا چاہیے، اس طرح کہ وہ مرے نہیں۔ شودر کسی برہمن کے بال یا پاؤں یا داڑھی پکڑ لے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ شودر کو کوئی صلاح مشورہ نہ دو۔ دھرم اور بھرت کی تلقین بھی نہ کرو۔ جو شودر کو دھرم کی تلقین کرتا وہ بدترین دوزخ میں جاتا ہے۔'' (مسلم ثقافت: ص ۳۸۔۳۹)

بعض کتابوں میں ہے کہ شودر مندروں میں جا کر پوجا پاٹ نہیں کر سکتے تھے، نہ ان کے کنویں سے پانی پی سکتے تھے بلکہ ان کی آبادیاں شہروں سے الگ تھلگ ہوتی تھیں۔ گویا سوسائٹی کا عضو معطل سمجھ کر شودروں کو کاٹ کر الگ کر دیا گیا تھا۔

ان حالات میں ہندو معاشرہ کی اخلاقی حالت بھی نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ بڑے بڑے مندروں میں دیو داسیوں کے طائفے ہوتے تھے جو دیوتاؤں کی مورتیوں کے سامنے رقص کیا کرتیں، اور گیت گایا کرتیں۔ مندر کے پروہت کو اس بات کا پورا اختیار تھا کہ وہ کسی پجاری کو شادکام کرنے اور اس کا دل خوش کرنے کے لیے کسی دیوداسی کو اس کے پاس رات گزارنے کے لیے بھیج دے۔ مولانا عبدالمجید سالک نے سوامی دیانند کے حوالہ سے ہندو سوسائٹی کی اخلاقی حالت کے بارے میں لکھا ہے:

''اب ان خود غرض مذہبی پیشواؤں نے ایسے باطل مذہبوں کی تلقین شروع کی جس سے کوئی بداخلاقی گناہ نہ رہی۔ زناکاری کی نہ صرف عام اجازت دے دی بلکہ ایک خاص موقع ''بھیرویں چکر'' پر شراب خوری اور زناکاری مذہبا

Marfat.com

فرض قرار دے دی گئی اور اس موقع پر مرد و عورت سب ایک جگہ جمع ہوتے۔ مرد ایک ایک عورت کو مادر زاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں مرد کو ننگا کر کے پوجتیں۔ اس موقع پر شراب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی عورت کو، کوئی اپنی یا کسی کی لڑکی کو، کوئی کسی اور کی یا اپنی ماں بہن یا بہو وغیرہ کو جو وہاں موجود ہوتی پکڑ لیتا اور جس کے ساتھ چاہتا بدفعلی کرسکتا تھا۔

''اس مذہبی تقریب کے علاوہ عام طور پر زنا کاری کے لیے ایک خاص فقرہ مقرر کیا گیا تھا جس کو پڑھ کر ہر مرد عورت ''سماگم'' (ہم بستری) کرتے تھے، اور ایسی بدکاری میں کسی رشتہ کے لحاظ کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔''

(مسلم ثقافت: ص ۴۱)

ولادت باسعادت

یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل دنیا کے مختلف ملکوں کی معاشی، معاشرتی اور اخلاقی حالت کا مختصر تذکرہ تھا۔ انسانیت ظلم و جبر کے نیچے کراہ رہی تھی۔ ہر امیر شخص غریب کو کھا رہا تھا۔ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں تھا۔ حلال و حرام کی تمیز اٹھ چکی تھی۔ جائز و ناجائز کو کوئی ذہن ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہر شخص مال کمانے کی فکر میں تھا خواہ اسے ڈاکہ ہی کیوں نہ ڈالنا پڑے۔ عرب میں راہ جاتے لوگوں اور تجارتی قافلوں کو لوٹ لیا جاتا تھا۔ سود خوری، جواء اور ناجائز طریقوں سے دولت کمانے کا ہر طریقہ معاشرہ میں رائج تھا۔ ان حالت میں رحمت خداوندی جوش میں آئی اور وہ ذات اقدس دنیا میں تشریف لائی جس کے لیے خلق خدا ہزاروں سال سے چشم براہ تھی۔ وہ ذات مقدس اس دنیا میں تشریف لائی جو دعائے خلیل اور نوید مسیحا تھی۔ جس کی تشریف آوری شرافت و انسانیت کے چمن میں فصل گل کی آمد تھی۔ جس کی عظمت و بزرگی کی گواہی خود اللہ رب العزت نے دی، جس کے خلق کو اس کے خالق نے عظیم کہا اور جس کے اسوہ کو اس کے رب نے حسین کہا۔ جس کو رحمۃ للعالمین کا لقب دے کر ساری مخلوق میں روشناس کرایا، جو مطلع رشد و ہدایت پر آفتاب رسالت اور مہر جہاں تاب بن کر نور افشانی کر رہا ہے، جس کے بحر جود و سخا کی خنک اور شیریں موجیں تشنگان عالم کو سیراب کر رہی ہیں۔ جس گل سرسبد سے پورا چمنستان دہر مہک اٹھا۔ چنانچہ دوشنبہ کے روز 12 ربیع الاول (ھذا ھو المشھور عند الجمھور) مطابق 22 اپریل 570ء صبح صادق کے وقت افق مکہ پر ہدایت و رحمت کا آفتاب جہاں تاب طلوع ہوا۔ آپ ﷺ کی

Marfat.com

ولادت باسعادت مکہ مکرمہ کے محلّہ شعب بنی ہاشم میں اس مقام پر ہوئی جو آج کل مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے مشہور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا افضل الانبیاء ہونا:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں کے لیے رحمت بن کر آئے اور یہ ایک فطری اصول ہے کہ اپنے وجود کی بقا کے لیے ہر شے کو رحمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے پوری کائنات آپ کی محتاج ہے۔ اور یہ بھی اصول ہے کہ محتاج الیہ محتاج سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے، اس طرح آپ ساری کائنات سے بلکہ عرش و کرسی سے بھی افضل ہیں اور یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء اور رسولوں سے افضل ہیں۔ اسی افضلیت کی وجہ ہی سے تمام انبیاء و رسل سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا جیسا کہ قرآن حکیم کی سورت آل عمران آیت نمبر 81-82 سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ہر نبی آپ پر ایمان لانے کا مکلف ہے۔ اسی وجہ سے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اگر آج موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔ (المصنف لابن ابی شیبہ: ۹/۴۷)

اس حدیث کو امام بغوی نے اپنی کتاب شرح السنہ: ۳/۲۱۹ پر بھی نقل کیا ہے۔ امام ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''خدا کی قسم! اگر موسیٰ تمہارے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔'' (مسند ابی یعلی: ۲/۲۴۷)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف اس امت کے نبی ہیں بلکہ نبی الانبیاء ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خلقت کے لحاظ سے اول النبیین ہیں اور بعثت کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں۔ آپ کی بعثت بھی عمومی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی خاص علاقہ یا خاص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام قوموں، تمام علاقوں اور تمام زمانوں کے لیے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

Marfat.com

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾

(سباء:۲۸)

''اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے ولا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

معلوم ہوا کہ آپ قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے۔ حدیث میں بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر نبی خصوصی طور پر اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا جب کہ میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔'' (بخاری:۱/۶۲، شرح السنہ بغوی:۷/۵)

مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبوت ختم کی گئی یعنی اب قیامت تک کوئی نبی آنے کا نہیں۔ اب قیامت تک میری ہی نبوت کا دور دوزہ ہے۔'' (مسلم:۱/۹۹)

اس مضمون کی اور بہت سی روایات مختلف کتابوں میں منقول ہیں۔ جن میں اگرچہ الفاظ کا کچھ اختلاف ہے لیکن یہ بات سب میں مشترک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک کے لیے سب لوگوں اور سب علاقوں اور سب زمانوں کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

(مسند احمد:۴/۱۶،۵/۱۶۱، مجمع الزوائد:۸/۲۵۸)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ تمام کمالات اور اوصاف کے جامع تھے جس کو حضرۃ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہر و باطن بالکل صاف تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نبوت و رسالت مجتمع تھی۔ آپ میں انوار الٰہیہ نہایت قوی تھے اور آپ انوار احمدیہ کے مظہر تھے، اور آپ اپنی ذات میں ایسے کامل تھے کہ اگر آپ دعویٰ نبوت نہ کرے پھر بھی لوگوں میں آپ کی نبوت ظاہر و باہر ہو جاتی۔''

(شرح شفا علیٰ ہامش نسیم الریاض:۱/۱۱۳)

قرآن حکیم کی سورۃ آل عمران میں ارشاد خداوندی ہے:

''اور یاد کیجیے جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس ایک عظیم رسول آجائے جو اس (کتاب وحکمت) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا: ''کیا تم نے اس کا اقرار کرلیا ہے؟'' اس پر میرے بھاری عہد کو قبول کرلیا؟ ان سب نے کہا: ''ہم نے اقرار کیا، فرمایا: سو گواہ رہو اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر اس عہد کے بعد جو اس سے پھرا تو وہی لوگ نافرمان (فاسق) ہیں۔''

(آل عمران:۸۱-۸۲)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین میں سے جس نبی کے زمانہ میں بھی آپ مبعوث ہو جاتے، اس نبی پر لازم ہوتا کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔ اس سلسلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کے بعد جس نبی کو بھی بھیجا اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ عہد لیا کہ اگر اس نبی کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو جائیں تو وہ ضرور ضرور ان پر ایمان لائے اور ضرور ضرور ان کی مدد کرے اور اپنی قوم کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دے۔

(تفسیر طبری:۳/۲۳۶)

اس سلسلہ میں کچھ روایات گزشتہ سطور میں بھی بیان ہو چکی ہیں۔

(ملاحظہ ہو المصنف لابن ابی شیبہ: ۹/۴۷، شرح السنہ: ۳/۲۱۹، مسند ابی یعلی: ۲/۲۴۷، مسند احمد: ۳/۳۳۸، مجمع الزوائد: ۱/۱۷۴، الدر المنثور: ۲/۴۸)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء و رسل حکما اور تقدیراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں، اور نبی امت سے افضل ہوتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے ایک

Marfat.com

روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب آدم اپنی مٹی میں تھے، اور عنقریب میں تم کو اپنی ابتداء کے متعلق بتاؤں گا۔ میں ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ کی بشارت ہوں، اور میں اپنی ماں کا خواب ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا اور بے شک ان سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔''

(مسند احمد: ۴/ ۱۲۷، معجم کبیر طبرانی: ۱۸/ ۲۵۲، کشف الاستار عن زوائد البزار: ۴/ ۱۱۳، حلیۃ الاولیاء: ۶/ ۸۹، المستدرک حاکم: ۲/ ۱۰۰، شرح السنہ للبغوی: ۷/ ۱۳، دلائل النبوۃ، بیہقی: ۲/ ۱۳۰)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (تلخیص المستدرک: ۲/ ۶۰۰)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اوصاف و کمالات موجود تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جامع تھے۔ یہ بھی اس بات کی ایک اہم دلیل ہے کہ آپ سب انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل تھے۔ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ﴾

(الانعام: ۹۰)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔''

اس آیت میں عقائد اور اصول مراد نہیں ہیں کیونکہ عقائد اور اصول میں تقلید جائز نہیں ہے، اور نہ فروع و اعمال مراد ہیں کیونکہ آپ کی شریعت تمام شرائع سابقہ کے لیے ناسخ ہے۔ سو اس سے مراد یہ ہے کہ آپ محاسن اخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام کی پیروی کیجیے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تمام اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ جو تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے، آپ ان تمام اوصاف اور اخلاق کے جامع ہیں۔ گویا آپ کی صفات کو اگر پھیلائیں تو ایک لاکھ 24 ہزار انبیاء علیہم السلام کی صفات

Marfat.com

ہیں اور ایک لاکھ 24 ہزار انبیاء علیہم السلام کی صفات کو اگر سمیٹیں تو وہ تنہا آپ کی صفات ہیں۔گویا ؎

داستان حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ﴾ (القلم:۴)

''اور بے شک آپ ضرور خلق عظیم پر فائز ہیں۔''

''علٰی'' عربی زبان میں استعلا کے لیے آتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اخلاق عظیم پر حاوی ہیں یعنی بتایا یہ گیا کہ دوسرے لوگ نیک ہونے میں نیکی کے تابع ہوتے ہیں اور یہاں نیکی آپ کے تابع ہے۔آپ جس کام کو کر لیں وہ اچھا ہے اور جس سے منع فرما دیں وہ برا ہے۔''خلق عظیم'' آپ کے تابع ہے آپ عظمتوں کے تابع نہیں بلکہ عظمتیں عظیم ہونے میں آپ کے تابع ہیں۔چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿یَکَادُ زَیۡتُهَا یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ، نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ، یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ﴾ (النور:۳۵)

''قریب ہے کہ (آپ کی نبوت کا) تیل خود ہی روشن ہو جائے خواہ اسے (وحی کی) آگ نہ چھوئے اور (نزول وحی کے بعد) وہ نور علی نور ہے۔''

سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''قریب ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استعداد کا تیل اپنی صفائی اور ذکاوت کی وجہ سے خود ہی روشن ہو جاتا خواہ اس کو نور قرآن نے نہ چھوا ہوتا۔امام بغوی نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے کہ قریب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن واوصاف لوگوں کے سامنے وحی سے قبل ہی ظاہر ہو جاتے۔

(تفسیر روح المعانی:۱۸/۱۷۱)

قاضی عیاض نے لکھا ہے:''قریب ہے کہ اس تیل کی طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت لوگوں پر آپ کے دعوئ نبوت سے پہلے ہی ظاہر ہو جاتی۔(الشفاء:۱/۱۱)

Marfat.com

صحیح مسلم کی روایت میں قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ''ام المومنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بتائیے؟'' آپ نے فرمایا: ''کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟'' عرض کیا: ''کیوں نہیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''آپ کا خلق قرآن تھا۔''

(مسلم: ۱/۲۵۶، بخاری، الادب المفرد: ص ۸۶، ابوداؤد: ۱/۱۸۹، نسائی: ۱/۲۳۷، ابن ماجہ: ص ۱۶۸، مسند احمد: ۶/۲۱۶، ۱۸۸، ۱۱۱، ۹۱، مسند دارمی: ۱/۲۸۴، دلائل النبوۃ بیہقی: ۱/۳۱۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائل وشمائل اور آپ کے اخلاق کی جامع عبارت قرآن حکیم ہے اور قرآن حکیم کو اگر انسانی پیکر میں ڈھالا جائے تو وہ پیکر ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے مکارم اخلاق کو تمام تک پہنچانے اور محاسن افعال کو کمال تک پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔'' (شرح السنۃ: ۷/۹)

مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حسن اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ (موطا امام مالک: ص ۷۰۵)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل کوئی نبی اور رسول مکارم اخلاق اور محاسن افعال کا جامع نہیں تھا۔ آپ کی زندگی میں آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کا نمونہ ملے گا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''خطبات مدارس'')

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی کامل زندگی گزاری جو انسانیت کے ہر شعبہ پر محیط تھی۔ آپ نے بکریاں چرائیں اور گڈریوں اور چرواہوں کو اعزاز بخشا، دودھ دوہا تو گوالوں کی عزت افزائی کی، جوتا مرمت کیا تو موچیوں اور جوتا مرمت کرنے والوں کا مقام اونچا کیا، پھٹے ہوئے کپڑوں کو پیوند لگائے، خندقیں کھودیں، تجارت کی، صنعت وحرفت کی، حکومت کی، امامت کی، خطابت کی، سپہ سالاری کی گویا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنا نمونہ چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ تمام نبیوں اور رسولوں میں مکارم اخلاق اور محاسن افعال کے سب سے زیادہ جامع ہیں یہ دلیل ہے اس بات کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب رسولوں اور انبیاء

Marfat.com

علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں۔

آپ کے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کی رسالت عمومی تھی جب کہ آپ ﷺ سے پہلے تمام نبی اور رسول ایک خاص علاقے اور خاص زمانے کے لیے آئے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا﴾ (الفرقان:۱)

"وہ ذات بڑی برکت والی ہے جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کرنے والی کتاب اتاری تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔"

اس آیت سے اور قرآن حکیم کی اور بھی کئی آیات سے آپ کی رسالت کے عمومی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک کے لیے تمام دنیا کے انسانوں کے لیے تھی۔ چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی اور نبی یا رسول کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے (دشمن پر) میرا رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی۔ تمام روئے زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی اور طہارت کا ذریعہ بھی، سو میری امت کا جو شخص بھی نماز کا وقت پائے وہ جہاں بھی ہو نماز پڑھ لے۔ اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا اور وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا، اور مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی اور ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ (بخاری:۱/ ۴۸، شرح السنہ: ۷/ ۵)

اسی سلسلہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے چھ باتوں میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے، میری رعب سے مدد کی گئی، میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا، تمام روئے زمین کو میرے لیے طہارت کا ذریعہ (تیمم) اور مسجد بنا دیا گیا، مجھے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی۔ (مسلم:۱/ ۱۹۹)

Marfat.com

حافظ ہیثمی نے امام بزار کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔''

(مجمع الزوائد: ۸/ ۲۵۸)

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہمیں چار چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو ہم سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، اور میں نے اپنے رب سے پانچویں چیز مانگی تو میرے رب نے وہ بھی مجھے عطا فرما دی۔ پہلے نبی کسی ایک شہر یا قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور اس سے تجاوز نہیں کرتا تھا جب کہ مجھے تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا گیا۔ (مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر: ۲/ ۱۳۴)

اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر: ۱۱/ ۶۱ پر بھی روایت کیا ہے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث کتابوں میں موجود ہیں کہ آپ قیامت تک کے لیے تمام جنوں اور انسانوں کے لیے مبعوث کیے گئے۔ بلکہ احادیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ جانوروں نے بھی آپ کا کلمہ پڑھا اور پتھروں نے بھی آپ کو سلام کیا۔ احد پہاڑ کے بارے میں بخاری میں روایت ہے کہ آپ نے احد پہاڑ کے بارے میں فرمایا: ''احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' (بخاری: ۱/ ۲۰۰، ۲/ ۵۸۵)

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلان نبوت سے قبل مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔'' (مسلم: ۲/ ۲۴۵)

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات یا نو کنکریاں اپنے ہاتھ میں لیں تو وہ تسبیح کرنے لگیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی آواز سنائی دیتی تھی۔ (مجمع الزوائد: ۸/ ۲۹۹)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باہر نکلا۔ آپ جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے تھے وہ آپ کو سلام کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا: ''السلام علیک یا رسول اللہ۔'' (مجمع الزوائد: ۸/ ۲۶۰)

Marfat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا۔ آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ یا درخت آتا وہ کہتا: ''السلام علیک یارسول اللہ۔'' (ترمذی: ص۵۲۲)

بخاری میں روایت ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر بنا کر لایا گیا تو جس کھجور کے ستون کے ساتھ آپ پہلے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے وہ اس طرح چیخ مار کر رو رہا تھا جیسے اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے۔'' (بخاری: ۱/۴۵)

طبرانی میں روایت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ سامنے سے ایک اعرابی آ رہا تھا۔ جب وہ قریب آیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''تم کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے کہا کہ اپنے اہل کے پاس۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم کوئی خیر حاصل کرو گے؟'' اس نے پوچھا: ''وہ کیا ہے؟'' فرمایا: ''تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لا شریک ہے اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' اس نے کہا: ''آپ کے اس قول پر کون گواہ ہے؟'' فرمایا: ''یہ درخت'' وہ درخت وادی کے کنارے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس درخت کو بلایا تو وہ درخت زمین کو پھاڑتا ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے تین مرتبہ اپنی رسالت پر شہادت طلب کی اور اس نے اسی طرح شہادت دی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ شہادت پڑا تھا۔ پھر وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ وہ اعرابی اپنی قوم کی طرف چلا گیا اور اس نے کہا: ''اگر قوم نے میری بات مان لی تو میں ان کو لے کر آؤں گا ورنہ خود حاضر ہوں گا۔''

(معجم کبیر: ۱۲/۲۳۰)

اس حدیث کو امام ابو یعلی نے اپنی مسند: ۵/ ۲۵۸ اور حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الزوائد: ۸/۲۹۲ میں بحوالہ بزار نقل کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

اسی طرح ایک گوہ نے آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی۔ آپ نے گوہ سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ آپ رب العالمین کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں، جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہے اور جس نے آپ کی

Marfat.com

تکذیب کی وہ ناکام ہے۔ گوہ کی یہ گواہی سن کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔

(معجم صغیر طبرانی: ۲/۶۴، مجمع الزوائد: ۸/۲۹۴)

امام طبرانی ہی نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ ایک ہرنی نے آپ کی نبوت پر گواہی دی۔ (معجم کبیر: ۲۳/۳۳۲، مجمع الزوائد: ۸/۲۹۵)

آپ کے افضل الرسل اور افضل الانبیاء ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے آخر ہیں۔''

آپ خلقت کے لحاظ سے اول النبیین ہیں اور بعثت کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے خاتم النبیین ہونے کی اس امتیازی خصوصیت کی وجہ سے وہ دین جو سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا وہ آپ کی ذات ستودہ صفات پر پایہ تکمیل کو پہنچا اور یہ اعلان کیا گیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدہ: ۳)

''یعنی آج تمہارا دین میں نے تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور نگاہ واجب اب ہمیشہ کے لیے دین اسلام کو پسند کر چکی ہے۔''

اس آیت میں دین کی تکمیل کے لیے دو لفظ استعمال کیے گئے۔ ایک ''کمال'' اور دوسرا ''تمام''۔ یہ دونوں الفاظ نقصان کے مقابلہ میں ہیں لیکن دونوں میں یہ ہے کہ ''کمال'' اوصاف خارجیہ کے نقصان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے جب کہ ''تمام'' اجزاء کے لحاظ سے مکمل ہونے کو کہتے ہیں، جیسے کسی شخص کی ایک ٹانگ نہ ہو تو وہ شخص ناتمام اور ناقص ہے خواہ وہ کتنا ہی حسین و جمیل کیوں نہ ہو۔ اور اگر اس کے تمام اجزاء اور اعضاء تو

Marfat.com

پورے اور مکمل ہوں تو اس کو بجائے ناتمام کے نامکمل انسان کہا جائے گا۔آیت بالا میں ان دونوں لفظوں کو اکٹھا کر کے یہ بتایا کہ اب دین اسلام اوصاف خارجیہ اور تمام اجزاء کے لحاظ سے مکمل اور تمام ہے، لہٰذا آپ کی بعثت آخری رسول کی بعثت ہے اور آپ قصر نبوت کی آخری اینٹ ہیں اور اب قصر نبوت پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ پہلی نبوتیں خاص خاص قوموں اور خاص خاص زمانوں کے لیے تھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پورے کرۂ اغبر کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔اب قیامت تک نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔آپ چونکہ خاتم النبیین ہیں اس وجہ سے آپ میں نبوت و رسالت کے لحاظ سے جو اوصاف اور خصائل وشمائل تھے، ان میں بھی آپ ''خاتم'' ہیں۔اس لحاظ سے آپ ''خاتم الاخلاق'' بھی ہیں، ''خاتم العلوم'' بھی ہیں، ''خاتم الرحمت'' بھی ہیں یعنی اخلاق، علوم اور رحمت کے جتنے مراتب ہیں وہ سب آپ کی ذات پر ختم ہیں۔اب کوئی درجہ نبوت کا باقی نہیں رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی آئے، اس لیے کہ نہ تو اب نبوت کی ضرورت رہی اور نہ ہی شریعت کی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ''خاتم الشرائع'' ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ''خاتم الادیان'' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب ''خاتم الکتب'' یعنی ہر شے کا انتہائی درجہ آپ کو عطا کیا گیا۔

اس شبہ کا جواب کہ ختم نبوت کا مطلب یہ نہیں کہ نبوت منقطع ہو گئی بلکہ ختم نبوت کا مطلب تکمیل نبوت ہے یعنی نبوت کامل اور مکمل ہو گئی، اور کسی شے کے مکمل ہونے کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا کہ وہ آئے۔اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے رات کا وقت ہے اور ستارے چمکنے شروع ہوئے۔غروب آفتاب کے بعد ایک ستارہ چمکا پھر دوسرا پھر تیسرا، پھر ہزاروں اور اربوں ستارے چمکے کہ سارا آسمان جگمگا اٹھا۔آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اور چاند بھی اپنے پورے وجود اور پوری روشنی کے ساتھ نکلا ہوا ہے۔چاند اور کروڑوں اربوں ستارے اپنی پوری روشنی پھیلا رہے ہیں لیکن رات کا اندھیرا نہیں جاتا۔ اندھیرا موجود ہے۔دن نہیں ہوتا، وہ چمک دمک پیدا نہیں ہوتی جو دن میں ہوتی ہے۔

آفتاب کے نکلنے کا جب وقت ہوا۔ابھی نکلا نہیں صرف پو پھٹی تھی۔پس صبح صادق نے اطلاع دی کہ آفتاب آ رہا ہے۔یہ خبر آئی تو اندھیرا غائب ہونا شروع ہوا اور

Marfat.com

دنیا میں چاندنا ہو گیا۔ ایک ہی ستارے نے سارے آسمان کو چمکا دیا یعنی وہ تو کروڑوں اربوں مل کر روشنی پھیلا رہے تھے لیکن رات کے اندھیرے کو زائل نہ کر سکے اور رات کی رات رہی۔ اور اب صرف ایک ستارہ (سورج) نکلا اس نے آ کر ساری رات کے اندھیرے کو دھکیل دیا، اور پورے عالم میں اجالا ہو گیا۔ اب اگر آفتاب یوں کہے کہ میں خاتم الانوار ہوں، میں نے سارے انوار کو ختم کر دیا، سارے انوار میری ذات پر ختم ہیں، اس لیے کہ میں اتنا کامل اور مکمل نور لے کر آیا ہوں کہ اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں۔ جو موجود تھے ان کا نور بھی ماند پڑ گیا، ان کے نور بھی غائب ہو گئے، اب وہ نمایاں ہونے کے قابل نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آفتاب نے ستاروں کا نور چھین لیا ہے۔ وہ تو منور ہیں مگر آفتاب کی تیزی اور چمک کے سامنے ان کی چمک ماند پڑ گئی ہے۔ اب وہ نظر بھی نہیں آتے۔ ایسے وقت میں اگر آفتاب یوں کہے کہ میں خاتم الانوار ہوں۔ سارے انوار اور چمکیں مجھ پر ختم ہو گئی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اب نور کا کوئی ایسا درجہ باقی نہیں ہے کہ اب کوئی ستارہ آئے اور نور پھیلائے۔ اب مغرب کے وقت تک (یعنی دن کے ختم ہونے تک) میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں، ہاں یہ دن ہی ختم ہو جائے۔ یہ الگ بات ہے، لیکن جب تک یہ دن موجود ہے کسی اور ستارے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ تمام انوار میری ذات پر ختم ہو گئے ہیں۔ تو کیا آفتاب کا اپنے کو "خاتم الانوار" کہنے کا یہ مطلب ہو گا کہ دنیا سے نور مٹ گیا اور اندھیرا چھا گیا، یا یہ مطلب ہو گا کہ نور کے تمام مراتب ختم ہو گئے یعنی کامل ہو گئے اور اب کسی دوسرے ستارے کے آنے کی ضرورت نہیں رہی، دوسری چمک کی حاجت نہیں رہی۔ لہٰذا خاتم الانوار کے معنی قطع انوار کے نہیں بلکہ تکمیل انوار کے ہیں۔

اسی طرح سمجھ لیجیے کہ نبوت ایک آسمان ہے جس پر سب سے پہلے نور کا ستارا سیدنا آدم علیہ السلام کا چمکا اور اس نے آ کر نور پھیلایا۔ اس کے بعد سیدنا نوح علیہ السلام کا ستارا چمکا، پھر سیدنا ابراہیم، پھر سیدنا اسماعیل، پھر سیدنا اسحاق، پھر سیدنا یعقوب، پھر سیدنا یوسف، پھر سیدنا صالح، پھر سیدنا موسیٰ، پر سیدنا داؤد، پھر سیدنا سلیمان، پھر سیدنا عیسیٰ علیہم السلام کے ستارے آسمان نبوت پر باری باری چمکتے رہے۔ قرآن حکیم نے کہا کہ

Marfat.com

﴿ثم ارسلنا تترا﴾ پھر پے در پے انبیاء علیہم السلام آنے شروع ہوئے یعنی باری باری سب پیغمبر آ رہے ہیں۔ گویا آسمان نبوت ستاروں سے بھر گیا لیکن دنیا میں چاندنا نہ ہوا۔ دن نہ نکلا بلکہ رات ہی رہی۔

پھر آخر میں فاران کی چوٹیوں سے صبح صادق کا طلوع ہوا۔ اس نے خبر دی کہ آفتاب نبوت طلوع ہونے والا ہے۔ ابھی آفتاب آیا نہیں تھا، صرف خبر آئی تھی اور دنیا میں نور پھیلنا شروع ہو گیا، ستارے ماند پڑنا شروع ہو گئے، آفتاب نبوت نے طلوع ہوتے ہی اعلان کیا کہ اب میں آ گیا ہوں۔ اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں۔ میرا نکلنا ہی کافی ہو گا۔ پوری دنیا بلکہ پوری کائنات کے لیے اب میں ہی کافی ہوں۔ میں خاتم النبیین ہوں، نبوت ختم ہو گئی یعنی مراتب نبوت میری ذات پر منتہی ہو گئے ہیں، کامل اور مکمل ہو گئے ہیں۔ اب کسی کو نبی بنا کر نہیں لایا جائے گا۔ اب میری نبوت غروب آفتاب (یعنی قیامت تک) کام کرے گی یہاں تک کہ یہ دنیا ختم ہو جائے، گویا جب تک یہ دنیا قائم ہے میں آفتاب نبوت ہوں۔ میری نبوت کا نور ہی کافی ہے۔ میرے بعد بڑے بڑے لوگ آئیں گے لیکن میری نبوت کا نور ہی ان کے راستے میں ضوفشاں ہو گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئیں گے تو ان کے راستہ میں بھی میری نبوت کا نور چمکے گا، محدثین آئیں گے تو ان کے راستہ میں بھی میری نبوت کا نور چمکے گا۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے فقہاء آئیں گے تو ان کے راستہ میں بھی میری ہی نبوت کا نور چمکے گا۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جیسے صوفیائے کرام علیہم السلام آئیں گے تو ان کے راستہ میں بھی میرے ہی علم و تقویٰ کا نور چمکتا ہو گا۔ کسی طبقہ میں میرے اخلاق کا نور نمایاں ہو گا، کسی میں میرے تقویٰ کا، کسی میں میرے اخلاص کا، اور کسی میں میرے زہد کے انوار ہوں گے۔ اور اب صرف میری نبوت قیامت تک کافی ہو گی۔ البتہ آئینے رہیں گے اور ان میں میری نبوت کا نور چمکتا اور جھلکتا رہے گا دنیا کو روشنی ملتی رہے گی۔ اب نبوت کی اس لیے ضرورت نہیں کہ نبوت کے سب درجات میرے اوپر ختم ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ختم نبوت کا مطلب یہ لینا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے، صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نبوت مکمل ہو

Marfat.com

گئی۔ اب یہی نبوت قیامت تک رہے گی۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ نبوت منقطع ہو گئی۔ دنیا میں اندھیرا پھیل گیا۔ نہ علم رہا اور نہ اخلاق رہے۔ یہ معنی ختم نبوت کے نہیں ہیں بلکہ ختم نبوت کے معنی کمال نبوت اور تکمیل نبوت کے ہیں۔

اب جتنے بھی محدث آئیں گے، مجدد آئیں گے، مجاہد آئیں گے، فقہاء آئیں گے، وہ سب پیکر ہوں گے اور ان پیکروں سے محمدی آفتاب کا نور ظاہر ہو گا یعنی ان پیکروں سے کمالات نبوت ظاہر ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ایک ذات ایسی پیدا فرمائی کہ اس کے انوار و برکات سے پچھلوں کو نبوتیں ملتی چلی گئیں اور اگلوں کو ولایتیں ملتی چلی گئیں۔ پہلے نبی بنتے تھے اور بعد والے ولی بنتے گئے۔ ولایت بھی وہیں سے چلی اور نبوت بھی وہیں سے چلی۔ دوسرے لفظوں میں آپ ﷺ ایک نقطۂ خیر ہیں کہ گذشتہ انبیاء کی نبوتیں آپ کی نبوت سے مستفیض ہوئیں اور آئندہ آنے والے لوگ آپ کے کمالات سے اولیاء بنتے گئے۔

خلاصہ یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ صرف نبی اور رسول نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں اور ختم نبوت کے معنی کمالات نبوت کی انتہاء اور تکمیل نبوت کے ہیں۔ اور نبوت کی دو ہی بنیادیں ہیں: ایک کمال علم اور دوسری کمال اخلاق۔ علم تو وہ ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((اوتیت علم الاولین والآخرین))

''یعنی اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم مجھے عطا کر دیئے گئے۔''

اور قرآن حکیم میں بھی فرمایا گیا:

﴿وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا﴾ (النساء:۱۱۳)

''یعنی (اے نبی!) ہم نے آپ کو ان چیزوں کی تعلیم دی جو آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔''

اور اخلاق کے بارے میں نص قرآنی ہے:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (القلم:۴)

''اور بے شک آپ خلقِ عظیم پر ہیں (جو انتہائی مرتبہ ہے اخلاق کا)''

یہی دو بنیادیں ہیں نبوت کی۔ یہ دونوں بنیادیں آپ ﷺ کو انتہائی عطا فرمائیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ نبوت بھی آپ کی انتہائی ہے اور آپ تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کا خاتم النبیین ہونا آپ کی افضلیت کو مستلزم ہے۔ اور افضل کے آنے کے بعد اب کسی مفضول کے آنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

فهذه الآية نص علىٰ انه لا نبي بعده. (مختصر تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۰۰)

''پس یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اسی صفحہ پر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید یہ لکھا ہے کہ

''اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم میں اس بات کی خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تاکہ لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب ہے، مفتری ہے، دجال ہے اور خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔''

مفتی بغداد سید محمود آلوسی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''اور آپ کتاب و سنت اور اجماع کی رو سے خاتم النبیین ہیں۔''

(روح المعانی: ۲۲/۲۳)

یہی بات دوسرے مفسرین نے بھی اپنی تفاسیر میں لکھی ہے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر کبیر: ۶/۵۸۱، تفسیر کشاف: ۲/۲۱۵، بیضاوی: ۴/۱۶۴، فتح القدیر: ۴/۲۸۵)

احادیث نبویہ میں بھی واضح لفظوں میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور آپ آخر النبیین ہیں۔ چنانچہ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں محمد اور احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے ذریعہ سے اللہ کفر کو مٹاتا ہے۔ میں حاشر ہوں، کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے، اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔''

(بخاری: ۱/۵۰۱، ۲/۷۴۷، مسلم: ۲/۲۶۱)

Marfat.com

اس مضمون کی احادیث ترمذی ص ۹۵۷ اور بغوی نے شرح السنہ: ۷/۱۵ میں بھی نقل کی ہے۔

بخاری میں روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت حسین وجمیل گھر بنایا ہو لیکن اس کے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو۔ لوگ اس گھر کے گرد طواف کریں اور تعجب کریں اور کہیں کہ کیوں نہ یہ ایک اینٹ بھی رکھ دی گئی۔ تو میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (بخاری:۱/۵۰۱، مسلم:۲/۲۴۸)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنو اسرائیل کے انبیاء ان کا سیاسی نظام چلاتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہو جاتا، اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(بخاری:۱/۴۹۱، مسلم:۲/۱۲۶، مسند احمد:۲/۲۹۷)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنگ تبوک کے موقع پر تبوک کی طرف روانہ ہوئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

(بخاری:۲/۶۳۲، مسلم:۲/۲۷۸، ترمذی: ص ۵۳۵، ابن ماجہ: ص ۱۲، مسند احمد:۱/۱۸۲، ابن حبان:۱۰/۴۱)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے، سو میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

(ترمذی: ص ۲۳۳۱، مسند احمد:۳/۲۱۷، مستدرک حاکم:۴/۳۹۱، المصنف لابن ابی شیبہ:۱۱/۵۳)

آپ کے افضل الرسل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل سے زیادہ معجزات عطا فرمائے جن میں معجزہ معراج، معجزہ شق القمر اور معجزہ قرآن نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو عملی معجزات

Marfat.com

دیئے۔ جب کہ آپ کو عملی معجزات کے ساتھ ساتھ ایک علمی معجزہ بھی عطا فرمایا۔ عملی معجزہ عامل کے اس دنیا سے جانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے لیکن آپ کا علمی معجزہ قرآن حکیم آج بھی دنیا میں قائم ہے اور ساری دنیا کو آج بھی پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تمہیں میرے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک وشبہ ہے تو اس کی مثل پوری کتاب نہیں بلکہ ایک چھوٹی سی سورت بنا کر لے آؤ۔ لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ چودہ سو سال میں آج تک کوئی اس دعویٰ کی تردید نہ کر سکا، اور تردید کرنا تو بڑی بات ہے، تردید کرنے کی جرأت اور ہمت تک نہ ہو سکی۔ قرآن حکیم کے معجزہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کی ایک معجزانہ شان ہے۔ مفردات الفاظ، ترکیب کلمات، اسلوب بیان، خلوص مقاصد، جامعیت مضامین، ربط آیات اور انتہائے بلاغت وغیرہ کے لحاظ سے دانشوران عالم اور دنیا کے فصحاء و بلغاء اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ عربی میں ایک محاورہ ہے "قدر الشهادة بقدر الشهور" شہادت کی عظمت شاہدوں سے ہوتی ہے۔ اگر شاہد (گواہ) عادل وصادق ہے تو اس کی شہادت بھی سچی ہوگی۔ اگر شاہد میں کچھ کھوٹ ہے تو اس کی شہادت بھی کھوٹی ہوگی۔ اسی طرح کلام کی عظمت اور وقعت بھی متکلم سے ظاہر ہوتی ہے۔ جس درجے کا متکلم ہوگا اسی درجے کا اس کا کلام ہوگا۔ علماء نے لکھا ہے کہ کسی کلام کی وقعت اور عظمت کے لیے چند چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ جس کلام میں یہ چیزیں ہوں گی وہ کلام عظیم ہوگا۔

(1) ان میں سب سے پہلی چیز علم وفضل ہے۔ اگر متکلم عالم وفاضل ہوگا تو اس کا کلام بھی بلند و برتر اور فصیح وبلیغ ہوگا۔ اور اگر متکلم جاہل واحمق ہوگا تو اس کے کلام سے جہالت وحماقت ٹپکتی ہوگی اور ایک شخص اس کے کلام کو سن کر ہی یہ کہہ دے گا کہ یہ کسی جاہل اور احمق کا کلام ہے۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ کلام کے عظیم اور فصیح وبلیغ ہونے کے لیے سب سے پہلی چیز علم وخبر ہے۔

(2) دوسری شے دانش وفہم ہے کیونکہ عالم کے لیے عاقل ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اس کا کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو۔ اگر عقل و دانش اور فہم وفراست نہ ہوگی تو کلام بھدا اور غیر مؤثر ہوگا۔

Marfat.com

(3) تیسری چیز منصب اور مقام ہے۔ کلام کرنے والا اگر عظیم منصب پر فائز ہے، صاحب حیثیت و منصب ہے تو اس کا کلام بھی بلند و برتر اور باعظمت ہوگا۔ چنانچہ کسی ملک کا صدر یا وزیر اعظم کوئی کلام کرتا ہے تو اس کے کلام کا ایک ایک لفظ نپا تلا ہوگا۔ مقتضائے حال کے مطابق ہوگا اور سننے والے کے دل پر اس کا اثر ہوگا اور اس کی وقعت بھی پیدا ہوگی کیونکہ کلام ایک شخص کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے ؎

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد

عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جب یہ بات مسلم ہے کہ جس شخص کا علم جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی اس کا کلام بھی بڑا ہوگا، اور جس قدر کسی کا منصب بلند ہوگا اس کا کلام بھی اتنا ہی بلند ہوگا۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہر لحاظ سے بلند و بالا ہے۔ علم اس کا لامحدود، ہر غیب و حاضر کا جاننے والا، وہ جس طرح بادل کی گرج کو سنتا ہے اسی طرح زمین کی تہ میں چکنے پتھر پر رینگنے والی چیونٹی کی آواز کو بھی سنتا ہے۔ پھر وہ سمیع و بصیر ہے، علیم بذات الصدور یعنی دلوں کے مخفی رازوں کو بھی جاننے والا ہے، اس لیے اس کا کلام بھی ظاہر و باطن پر حکمران ہوگا اور جامع ترین اور عظیم ترین ہوگا۔ اس میں ہر لحاظ سے جامعیت ہوگی، فصاحت بھی اعلیٰ، بلاغت بھی اعلیٰ اور بداعت بھی اعلیٰ ترین ہوگی اور ایسی ہوگی کہ اس کی نہ کوئی حد ہوگی اور نہ نہایت۔ انسانی کلام کتنا ہی فصیح و بلیغ اور اعلیٰ قسم کا کیوں نہ ہو لیکن اس سے بہتر ممکن تو ہوگا کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس سے بہتر فصیح و بلیغ انسان پیدا ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ جو کلام فرمائے گا اس سے بہتر یوں ممکن نہیں کہ خدا کی نہ نظیر ہے اور نہ اس کے کلام کی نظیر ہو سکتی ہے۔ نہ اس کے لیے کوئی مثل ہے اور اس کے کلام کا کوئی مثل ہے۔ اس لیے فرمایا گیا: ''لایاتون بمثلہ'' یعنی اس کے کلام کا کوئی مثل نہیں لا سکتا، اس لیے کہ اس کی صفات کی کوئی نظیر نہیں تو پھر اس کے افعال کی کوئی نظیر کیسے ہوگی؟ اس کی صفات میں سے کلام بھی اس کی ایک صفت ہے۔ کلام کرنے کا حق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ مخلوق تو اس کے پرتو سے متکلم بن گئی۔ موجود حقیقی وہ ہے۔ اس کے وجود کا پرتو پڑ

گیا تو ہم بھی موجود کہلانے لگے ورنہ ہم میں کوئی اپنا ذاتی اور اصلی وجود نہیں رکھتا۔ جس طرح خدا کے کام کی کوئی نظیر اور مثل نہیں اسی طرح خدا کے کلام کی بھی کوئی مثل اور نظیر نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ میں انسان نے سائنسی لحاظ سے کس قدر ترقی کی ہے۔ ستاروں پر کمندیں ڈالیں، چاند کی مٹی لے کر انسان زمین پر آیا، سمندروں میں تیرا، خلاؤں میں اڑنے لگا۔ لاسلکی اور ٹیلکس کے پیغامات نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، کمپیوٹر نے دنیا کو ایک ایسا دماغ دیا کہ دنیا بھر کی چیزیں اس میں محفوظ ہو گئیں، لیکن مچھر کا ایک پر نہ بنا سکا۔ زراعت میں ترقی کر کے دنیا میں سبز انقلاب لایا، گلاب کے کئی رنگوں کے پھول اگائے لیکن زمین کا ایک ذرہ نہ بنا سکا۔ آج سے کروڑوں سال قبل بھی مادے میں یہ سب طاقتیں موجود تھیں لیکن موجودہ انسان نے اپنے ذہن سے کئی قسم کے اکتشافات کیے۔ ایٹم کو توڑا، ایٹم کی طاقتوں کو اپنے قبضہ میں کیا۔ ستاروں کی گزرگاہوں کو ڈھونڈا، کہکشاہوں کا پتہ چلایا لیکن انسانی گوشت کا ایک ٹکڑا پیدا نہ کر سکا۔ ایک مکھی کو عدم سے وجود میں نہ لا سکا۔ جب خدائی کاموں کا یہ حال ہے تو خدائی کلام کا بھی حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ بڑے بڑے فصحاء و بلغاء دنیا میں پیدا ہوئے لیکن قرآن کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ لبید عرب کے مشہور شاعر اور سبعہ معلقہ کی بزم مشاعرہ کے اہم رکن تھے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے چند اشعار کی فرمائش کی۔ اس فرمائش کے جواب میں لبید نے جو کہا، وہ شنیدنی ہے:

"جب خدا نے مجھ کو سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران سکھائی تو مجھے اب شعر کہنا زیب نہیں دیتا۔" (الاستیعاب، ترجمہ لبید)

یہ گویا بڑے لطیف پیرائے میں اپنی درماندگی اور عجز کا اظہار تھا۔

اس سے پتہ چلا کہ قرآن حکیم حقیقتاً معجزہ ہے کیونکہ معجزہ کے معنی یہی ہیں کہ تمام دنیا اس کی نظیر لانے سے عاجز آجائے۔ اللہ تعالیٰ کی جس قدر صفات ہیں وہ سب اعجازی ہیں۔ کوئی مخلوق اس کی نظیر اور مثل نہیں لا سکتی اور نہ بنا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا، زمین بنائی، چاند اور سورج بنائے لیکن یہ چاند سورج کی ایک کرن نہ بنا سکے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب چیزیں آپ کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ یہ کسی ایسے حکیم کی

Marfat.com

بنائی ہوئی ہیں جس کی حکمت کی کوئی انتہا نہیں۔ چاند اور سورج تو اوپر ہیں جن تک ابھی تک آپ کی رسائی نہیں ہوئی۔ یہ زمین جو رات دن آپ کے قدموں میں پامال ہوتی ہے، اس کا ایک ذرہ بھی آپ نہیں بنا سکتے۔ اس زمین سے کام تو لے سکتے ہیں، اس کے ذروں کو جوڑ کر آپ مختلف چیزیں بنا لیں، مختلف قسم کی ایجادات کر لیں، اس کے کیمیکل کا تجزیہ کر لیں، لیکن ایک ذرہ مٹی پیدا کر لیں یہ آپ کے بس میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معجزہ ہے اس ذات کا بنایا ہوا جس کا علم لامحدود، قدرت لامحدود، اقتدار لامحدود اور اس کی ذات لامحدود یعنی "لایحد ولایتصور" تو جتنے کام اللہ کے ہیں وہ سب معجزات ہیں۔ ساری دنیا اس کے بنانے سے عاجز و درماندہ ہے۔

ماں کے پیٹ میں بچہ بن رہا ہے تو باپ کو کچھ خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ قدرت کا کارخانہ جاری ہے۔ بچہ بن رہا ہے اور صورت بنائی جا رہی ہے۔ ایک قطرۂ پانی پر تصویر کھینچی، صورت بنائی، نقش بنائے، نہ ماں کچھ کر سکتی ہے اور نہ باپ۔ خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ نہ ماں خالق ہے اور نہ باپ۔ اس لیے قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿ أَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴾

(الواقعۃ:٥٩)

"اس کو تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔"

تو جیسے اللہ تعالیٰ کا ہر کام اپنی نظیر نہیں رکھتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام بھی اپنی مثل اور نظیر نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے چودہ سو سال قبل اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اہل عرب کو بلکہ تمام دنیا کو اور نہ صرف اس زمانہ کے لیے بلکہ قیامت کے لیے یہ چیلنج دے دیا کہ

﴿علی ان یأتوا بمثل ھذا القرآن﴾

"اس قرآن کا مثل لاؤ۔"

لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ دنیا کا کوئی انسان اس کا مثل نہ لا سکے گا، لہٰذا فرمایا:

﴿لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴾

(:٨٨)

"یہ اس کی مثل بالکل نہیں لا سکتے چاہے سب مل کر ایک دوسرے کی

Marfat.com

مدد کریں۔"

پھر اور تنزل فرما کر اعلان کیا:

﴿فاتوا بسورة من مثله﴾

"ایک ہی سورۃ اس جیسی بنالاؤ۔"

پھر اس سے بھی تنزل فرما کر یہ کہا:

"اگر تم دعویٰ میں سچے ہو تو ایک بات ہی اس جیسی بنالاؤ یعنی ایک آیت ہی اس جیسی بنالاؤ۔"

اندازہ فرمائیں کہ تمام دنیا کے فصحاء اور بلغاء کو چیلنج دیا اور اس قوم کو خطاب کیا جس کو اپنی ادبی قابلیت اور فصاحت و بلاغت پر ناز تھا، اور پھر وہ قرآن اور حامل قرآن کے سخت دشمن بھی تھے۔ قرآن حکیم کے اس دعویٰ کو توڑنا ان کے لیے نہایت اہم اور ضروری تھا۔ پھر جس شخصیت کے منہ سے یہ چیلنج نکلوایا، وہ خود امی تھا۔ کسی مدرسہ میں کسی استاذ کے سامنے اس نے کبھی بھی زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ اس اعلان اور چیلنج نے مخالفین اسلام و قرآن کی ادبی غیرت کو بھڑکایا لیکن وہ قرآن جیسی ایک آیت بھی بنا کر نہ لاسکے۔

قرآن کے اس دعویٰ کے ساتھ ایک اور دعویٰ یہ ہے کہ

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (حجر:۹)

"بے شک ہم ہی نے قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

اور ایک اور آیت میں فرمایا:

﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ م بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ﴾

(حم السجدة:۴۲)

"اس قرآن حکیم میں سامنے سے باطل آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔"

پہلی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن حکیم میں سے کسی آیت بلکہ کسی حرف کی کمی نہیں ہوسکتی، اور دوسری آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن حکیم میں کسی حرف کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم کے یہ دو دعوے ہیں کہ اس میں کمی ہوسکتی ہے نہ زیادتی ہوسکتی ہے، اس

Marfat.com

کے ساتھ تیسرا دعویٰ یہ کہ کوئی شخص قرآن مجید کی کسی صورت بلکہ کسی آیت کی بھی نظیر اور مثیل نہیں لاسکتا۔

آپ کے افضل الرسل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کا دین ماقبل کے تمام ادیان کا ناسخ ہے۔ کیونکہ ایک تو آپ کے لائے ہوئے دین کو اللہ تعالیٰ نے نعمت تامہ قرار دیا اور آپ پر دین کی تکمیل فرمائی۔ اور یہ بھی فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾

(آل عمران:۵۸)

''اور جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا، سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''

یہ تمام انبیاء ورسل پر آپ کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی ظاہری حیات سے زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ ﷺ کی پیروی کرتے۔ اور جب سیدنا عیسیٰ الصلوٰۃ والسلام کا نزول ہوگا تو وہ بھی آپ کی شریعت کی پیروی کریں گے۔ (بخاری:۱/۴۹۰)

جب آپ ﷺ کا دین تمام ادیان سے افضل ہے تو آپ ﷺ بھی تمام انبیاء اور رسل سے افضل ہیں۔

ایک دلیل علماء نے آپ کے افضل الانبیاء ہونے کی یہ ذکر کی ہے کہ آپ کی امت دوسری تمام امتوں سے کثیر، زیادہ اور افضل ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں صاف لفظوں میں کہا گیا کہ

''تم ان تمام امتوں میں سب سے بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا۔'' (آل عمران:۱۱۰)

دوسرے قیامت کے روز جب انبیاء علیہم السلام کی ان کے امتی تکذیب کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ہمیں کسی نے دین نہیں پہنچایا اور نہ ہی اللہ کے عذاب سے ڈرایا ہے، اس وقت دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر آپ کی امت گواہی دے گی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

Marfat.com

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرہ: ۱۴۳)

''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔''

یہ امت محمدیہ کی کتنی بڑی فضیلت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مقدمہ میں گواہ ہوگی۔ علاوہ ازیں آپ کی امت کی تعداد بھی تمام امتوں کی تعداد سے زیادہ ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نبی کو اتنے معجزات دیئے گئے ہیں جن کی مثل پر ایک بشر ایمان لے آئے۔ اور مجھے اللہ نے اپنا کلام عطا فرمایا ہے اور مجھے امید ہے کہ میری امت قیامت کے روز ان سب سے زیادہ ہوگی۔

(بخاری: ۲/۷۴۴، مسلم: ۱/۸۶، شرح السنہ: ۷/۵)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اے اللہ! کیا میں نے دین پہنچا دیا؟ اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔'' پھر فرمایا: ''کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم چوتھائی اہل جنت ہو؟'' ہم نے عرض کی: ''ہاں، یا رسول اللہ!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو؟'' ہم نے عرض کیا: ''ہاں، یا رسول اللہ!'' پھر آپ نے فرمایا: ''کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم نصف اہل جنت ہو، تمہارے مقابلہ میں دوسری امتیں ایسی ہوں گی جیسے سفید بیل میں ایک سیاہ بال ہو یا سیاہ بیل میں ایک سفید بال۔'' (مسلم: ۱/۱۱۷)

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی امت نصف اہل جنت ہوگی اور دوسری حدیث میں ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں آپ کی امت کی ہوں گی۔ آپ ﷺ کی امت کا کل نبیوں کی امتوں سے تعداد میں زیادہ ہونا اور مرتبہ میں سب سے افضل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ بھی تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔

آپ ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ مقام

Marfat.com

محمود پر فائز ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾

(بنی اسرائیل:۷۹)

''عنقریب آپ کا رب مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔''

مقام محمود وہ مقام ہے جس مقام پر فائز ہونے والے کی تمام اولین وآخرین حمد کریں گے۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ ''لواء الحمد'' (حمد کا جھنڈا ہوگا) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ عطا کی جائے گی اور آپ تمام اہل محشر کی شفاعت فرمائیں گے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مسلم:۱/۱۶۶، ترمذی: ص ۵۸، مختصر تاریخ دمشق:۲/۱۰۸)

ان کے علاوہ اور بہت سے دلائل ہیں جن سے آپ کا افضل الانبیاء والرسل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جب آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں تو آپ کی شریعت اور آپ کی تعلیمات نہ صرف افضل ہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں ہیں۔ اقتصادیات، معاشرت، معیشت، سیاست اور زندگی کے دوسرے شعبوں کے بارے میں آپ کی تعلیمات قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ پختہ ایمان، مستحکم یقین اور اٹل عقیدہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب وادیان میں صرف اسلام ایک ایسا دین ہے جو مکمل نظامِ زندگی ہے۔ جو دنیا وآخرت دونوں کا جامع ہے، جو دینی اور دنیوی فلاح وبہبود کا یکساں طور پر علم بردار ہے، جو خدا کا پسندیدہ دین ہے اور جس کے سوا اور کوئی دین اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ ''ان الدین عنداللہ الاسلام'' اس دین کو ماننے کے بعد جو شخص اپنی زندگی کے معاملات میں راہ نمائی کے لیے کسی اور جانب نگراں ہو تو اس کے دعویٰ مسلمانی کا بھی کوئی اعتبار باقی نہیں رہے گا اور وہ ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ خداوندی ہو جائے گا۔

قرآن حکیم میں ہے کہ

''جو شخص اسلام کے سوا کسی اور نظام حیات کی جستجو میں ہے تو اسلام کے سوا اور کوئی چیز اس سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ بھلا اللہ تعالیٰ

ایسی قوم کو کیوں کر راہ راست پر چلنے کی توفیق دے سکتا ہے جو ایمان لانے کے بعد کفر کرے، جس نے تسلیم کیا ہو کہ رسول برحق ہے اور واضح دلائل بھی اس کے پاس موجود ہوں، ایسی ظالم قوم کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دے گا۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو گی۔ وہ اس لعنت میں ہمیشہ گرفتار رہے گی۔ اس کے عذاب کی شدت میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور اس کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔''

قرآن حکیم کی اس آیت کے تیور دیکھئے اور اس کے بین السطور میں غیرت خداوندی کی جو جھلکیاں نظر آ رہی ہیں، ان پر نگاہ ڈالیے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی کتاب تعزیرات میں اس سے بڑا جرم اور کوئی نہیں ہے کہ ایک مسلمان اسلام کی صداقتوں کو تسلیم کرنے کے بعد زندگی کے امور میں ہدایت و راہ نمائی کے لیے کسی اور کا محتاج ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود قرآن حکیم ہی کی تصریحات کے مطابق اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کی تکمیل میں فکر خداوندی نے براہ راست حصہ لیا ہے۔ دین اسلام کی تکمیل اس قدر ہمہ جہتی اور اتنی ہمہ گیر تھی کہ انسان کو پیش آنے والے کسی ایک مسئلہ کے بارے میں فروگذاشت باقی نہیں رہنے دی گئی۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''بھلائی کی کوئی بات ایسی نہیں جس کا میں نے تمہیں حکم نہ دیا ہو، اور برائی کا کوئی کام ایسا نہیں جس سے میں نے تمہیں روک نہ دیا ہو۔'' (معجم کبیر)

قرآن حکیم بار بار لوگوں کو اس امر کی جانب متوجہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری زندگی کا یہ انداز ہرگز پسند نہیں کہ من مانی سے کام لو اور دین کی جو بات تمہیں پسند ہو اسے تم قبول کر لو اور جو ناگوار خاطر ہو اسے قبول کرنے سے گریز کرو یعنی ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' والی صورت اسلام کے مزاج عمومی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی اور ''میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو'' کا فلسفہ اس کے فلسفہ سے کوئی مطابقت اور ہم آہنگی پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ ذہن میں رہے کہ اسلام کے ہاں دو رنگی کا فلسفہ بار نہیں پا سکتا۔ وہ تو یک رنگی کا قائل ہے۔ اور یک رنگی بھی وہ جو قرآن حکیم کے الفاظ میں خدا کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

Marfat.com

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ (البقرہ:۱۳۸)

"اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم اسی کے عبادت گزار ہیں۔"

دین اسلام کے کچھ حصہ پر ایمان لانا اور کچھ کا انکار کرنا، اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے دنیا کی زندگی میں بھی رسوائی ہو اور قیامت کے روز بھی ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کے سپرد کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری بدعملیوں سے غافل نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایک بات پر نظر رکھتا ہے۔ اگرچہ قرآن حکیم میں یہ خطاب یہودیوں سے ہے مگر اس کی عمومیت تمام اقوام و ملل پر محیط ہے۔

قرآن حکیم تو سیدھی اور دوٹوک بات کہتا ہے۔ اس کا مختصر اور جامع منشور یہ ہے کہ "اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقوش پا کی پیروی مت کرو، اس لیے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔" وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ایمان کی راہ پر گامزن ہونا چاہتے ہو تو کفر کے راستہ کا انکار کر کے آؤ کیونکہ ایمان کی راہ سلامتی کی راہ ہے، نجات کی شاہراہ ہے، امن کی رہگزر ہے، مگر اس راہ تک پہنچنے کے لیے جن گھاٹیوں کو سر کرنا پڑتا ہے، جن دشوار گزار راہوں کو طے کرنا پڑتا ہے وہ بڑی ہی خطرناک ہیں۔

كيف الوصول الىٰ سعاد ودونها
قلل الجبال وبينهن حتوف

"یعنی محبوبہ سعاد تک پہنچنا کی کیا صورت ہو کہ راہ میں پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں اور بیچ میں گہرے کھڈ ہیں۔"

یہ دین برحق جسے اسلام سے تعبیر کیا گیا ہے، یہی وہ دین ہے جسے ہر دور میں اللہ کے رسولوں اور برگزیدہ پیغمبروں نے نسل انسانی تک پہنچایا۔ اس کے مقابلہ میں اور جس قدر بھی باطل نظام تھے وہ اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکے اور اس کی صداقتوں کے حریف نہیں بن سکے کیوں کہ باطل نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ اس کے عقب سے، اس لیے کہ یہ ایک دانشور اور قابل تعریف ذات کا نازل کیا ہوا قانون حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثال

Marfat.com

دے کر وضاحت فرمائی کہ دین اسلام کی حیثیت اس شجر بار آور کی سی ہے جس کی جڑیں پاتال کی خبریں لے رہی ہیں اور جس کی شاخوں کو آسمان جھک کر چومتا ہے۔ ایسا سرسبز و شاداب درخت جسے خزاں کی تاراج کاریوں سے کوئی اندیشہ نہیں ہے، جسے وقت کا کوئی بڑے سے بڑا طوفان جھکا نہیں سکتا۔ آندھیاں اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتیں اور زمانہ کی گردشیں اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں اس لیے کہ وہ اللہ کے دست قدرت کا لگایا ہوا پودا ہے جسے اس نے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے خون سے سینچا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ کی کیا مثال بیان فرمائی ہے جیسے ایک پاکیزہ درخت ہو کہ جس جڑیں مضبوط ہوں اور کی شاخیں آسمان کی خبر لا رہی ہوں اور وہ درخت اپنے پروردگار کے حکم سے ہر لحہ اپنا پھل دے رہا ہو، اور اللہ ایسی ہی مثالیں دے کر لوگوں کو سمجھاتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، اور برے کلمہ کی مثال اس ناپاک درخت کی سی ہے جو زمین کی اوپر کی سطح سے ابھرا ہے اور اسے قرار ثبات نہیں ہے۔ اللہ ایمان والوں کو دنیائی زندگی میں بھی ثبات واستقامت عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی، اور ظالموں کو اللہ گمراہ کرے گا اور اللہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔"

(ابراہیم:۲۴۔۲۷)

دین برحق میں اسلام کے اس نقش کو قلوب واذہان میں مرتسم کرنے کے لیے مختلف تعبیرات سے واضح کیا گیا۔ چنانچہ ایک اور مقام پر اسلام کو ندی کے بہتے ہوئے صاف وشفاف پانی سے تشبیہ دی اور ادیان باطلہ کو جھاگ قرار دیا حق کو ابریز خالص کی مانند ہر قسم کی آلائش سے پاک اور صاف بتایا اور باطل کو میل کچیل سے تعبیر کیا۔ چنانچہ فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے ندیاں نالے اپنی بساط کے مطابق بہہ نکلے، اور پانی کے اس بہاؤ پر جھاگ ابھر آئی۔ اسی طرح سونے اور چاندی کو زیور بنانے کی غرض سے یا ویسے بطور ایک متاع دنیوی کے جب آگ پر تپاتے ہیں تو اس پر بھی جھاگ

Marfat.com

ابھر آتی ہے۔ ایسی ہی مثال اللہ کے نزدیک حق و باطل کی ہے۔
جھاگ تو سوکھ کر ختم ہو جاتی ہے لیکن جو چیز انسان کو فائدہ دیتی ہے وہ
زمین پر باقی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے۔"

(الرعد: ۱۷)

اس عظیم الشان دین جس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر جگہ بے شمار انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور جس کی ابدیت پر تمام صحف سماوی اور کتب الہامی نے مہر تصدیق ثبت کی، اور جس کی نشر و ترویج کے لیے سب سے آخر میں نسل انسانی کا وہ عظیم فرزند مبعوث ہوا جس سے زیادہ باعظمت انسان اس صفحۂ گیتی پر اس کے روز آغاز سے پیدا نہیں ہوا تھا اور نہ آئندہ رہتی دنیا تک اس کا نظیر و مثیل معرض وجود میں آئے گا۔

ظاہر ہے کہ اس دین کو دنیا کے تمام ادیان و مذاہب کے مقابلہ میں بلند و بالا کرنے کے لیے خود حق تعالیٰ شانہ کی تائید و نصرت کی کرشمہ زائیوں کی کیسی کیسی نمود نہ ہوئی ہو گی۔ یوں ہی تو نہیں کہہ دیا گیا کہ

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾

"وہ مقدس ذات جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا تا کہ وہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ اس پر کافی گواہ ہے۔"

گویا وہ عقیدہ جس کی آبیاری کی جاتی رہی اور انبیاء و رسل کے ذریعہ اس کی نشر و اشاعت کا اہتمام ہوتا رہا، جس کی صداقت کی قسمیں ملاءِ اعلیٰ میں کھائی گئیں اور جس کی تائید و ہدایت کے لیے قدوسیوں کے لشکروں کو آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر اتارا گیا، وہ محض عقیدت کی حد تک ہی ایک بات نہ تھی بلکہ یہ بھی ضروری تھا کہ باقی سارے عقیدوں پر اس کو برتری حاصل ہو، اس کو فوقیت دی جائے، اس کی عظمت کا لوہا دنیا سے منوایا جائے اور اس کی قرار واقعی اہمیت کو دنیا میں قطعی طور پر تسلیم کرایا جائے، اور یہ ذمہ داری ان لوگوں کے سر ڈال دی گئی جو اس عقیدہ کے ماننے والے اور اس کو دل و

Marfat.com

جان سے قبول کرنے والے ہیں۔ پس جو مسلمان بھی صرف نام کا مسلمان نہیں ہے بلکہ اس نے اسلام کو ایک نظام زندگی کے طور پر اپنایا ہے، اسے اچھی طرح یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس نے دین اسلام کو اسی شرط لازم کے ساتھ قبول کیا ہے کہ وہ اسلام کے نظریہ حیات کو دنیا میں دیگر تمام نظریات پر غالب کرنے کی آخری دم تک کوشش کرے گا اور اس راہ میں اپنی جان و مال سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

اسلام کو قبول کرنے اور دائرۂ اسلام میں شامل ہونے کے بعد ہر شخص آپ سے آپ اس معاہدہ کا پابند ہو جاتا ہے کہ اس کی ساری تگ و دو اور اس کی تمام تر جدوجہد اسلام کی سربلندی کے لیے وقف ہو چکی ہے۔ اس کا مرنا جینا اسی مقصد کی خاطر ہوگا اور اس کی پوری زندگی اس کاز کے حصول کے لیے صرف ہوگی۔ یہ ایک دست بدست عہد و پیمان ہے جو اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا ہے۔

ایسے مضبوط بندھن میں جکڑا ہوا انسان جو اسلام قبول کرنے کی صورت میں اپنا قول دے چکا ہے کہ وہ صرف اور صرف اسلام ہی کے لیے اپنی ساری تگ و دو کو محدود رکھے گا، اسے یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ وہ بدعہدی کا مرتکب ہو کر اسلام کے سوا کسی دوسرے نظریہ یا عقیدہ کا دم بھرے اور کسی دوسرے نظام حیات کو برپا کرنے کی کسی بھی کوشش میں شریک ہو۔ دوعملی کو دنیا کا کوئی بھی نظام پسند نہیں کرتا اور دورخی کی پالیسی کو شرافت کا کوئی اصول بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ دورنگی اختیار کرنا کبھی بھی اچھی پالیسی نہیں رہی ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا دل بہ رخ دوست می باید داد
یا قطع نظر زیار می باید کرد

نفاق ــــ ایک بدترین روگ:

قرآن حکیم اس دورُخی کو ''نفاق'' کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور نفاق کو بدترین روحانی روگ قرار دے کر بڑے ہی سخت لفظوں میں ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو نفاق

Marfat.com

کا شعار اپنائے ہوئے ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ان کی حالت یہ ہے کہ جب وہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو محض دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔تذبذب کی حالت میں ادھر ادھر بھٹکتے رہتے ہیں۔نہ ادھر کے ہوتے ہیں اور نہ ادھر کے کیونکہ جنہیں اللہ گمراہ کرے ان کے لیے اس گمراہی سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔اپنی انہی کرتوتوں اور منافقت اور دورنگی پالیسیوں کی وجہ سے وہ جہنم کے نچلے درجہ میں ہوں گے اور وہاں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا لیکن جو لوگ تائب ہو گئے اور انہوں نے اپنی حالت کی اصلاح کر لی اور اللہ کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیا اور اللہ کے لیے اپنے دین کو خالص کر لیا تو ایسے لوگ اہل ایمان کے ساتھ ہوں گے۔

گویا ایمان لانے کے بعد دین کے فیصلوں میں تذبذب اور تشکیک یا ادھر ادھر دیکھنا یا کسی دوسرے انداز فکر ونظر کی کسی خوبی کو اجاگر کرنا جب کہ اس انداز فکر ونظر کا بیشتر حصہ اسلام کی مقدس تعلیمات کے منافی ہو، منافقانہ شعار ہے اور نفاق کی ایسی کسی روش کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتا ہے۔

اسلام غیرت وحمیت کا مذہب ہے۔وہ اپنے بارے میں اس حد تک متعصب ہے کہ اس کا کوئی پیروکار اپنی ظاہری شکل وصورت میں بھی کسی دوسرے مذہب کے طور طریقوں کو اپنانے کا مجاز نہیں ہے۔اسلام ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان اپنی وضع قطع غیروں جیسی بنائے، نہ وہ یہ گوارا کرتا ہے کہ اس کا کوئی حلقہ بگوش بزم غیر کی زینت بنے۔چنانچہ بعض احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

((خالفوا الیہود والنصاریٰ))

”یعنی یہود ونصاریٰ کے خلاف طور طریقے اختیار کرو۔“

یہ حکم ایسے بیسیوں احکام کے ضمن میں لسان نبوت ووحی سے صادر ہوا ہے جن میں یہود ونصاریٰ سے ادنیٰ مطابقت کا احتمال بھی ممکن تھا۔قرآن حکیم نے بھی اس مضمون کو مختلف آیات میں بیان فرمایا ہے۔چنانچہ ایک مقام پر فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ

Marfat.com

بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴾ (المائدہ:۵۱)

''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں تو ایک دوسرے کے دوست ہیں، تم میں سے جو کوئی ان کو دوست بنائے گا تو وہ بھی انہی کے زمرہ میں شمار ہوگا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

لیکن آج کیفیت یہ ہے کہ مسلمان اپنے عقیدہ وعمل میں اس حد تک بے حسی کا شکار ہو چکا ہے کہ وہ غیر قوموں کے نظریات پر دھنتا ہے، غیر قوموں کے افکار کو دل و جان سے پذیرائی بخشتا ہے اور غیروں کے انداز اپنانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ ان کی تہذیب سے اس درجہ مرعوب و متاثر ہے کہ اپنی تہذیب کا حسن اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ ان کے اعمال کے نقالی میں اس قدر پیش پیش رہتا ہے کہ اپنی اصلیت تک کو بھول گیا ہے۔ ان کی وضع قطع پر مرمٹتا ہے۔ ان کے طور طریقوں کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے پسند کرتا ہے، ان کے رسم ورواج کا شیدا ہے اور ان کے برخود غلط نظریات کا شکار ہو کر کھلم کھلا اسلام کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کی برائیوں کو اپنے اندر لے کر یہ سمجھتا ہے کہ شاید ترقی کا زینہ یہی ہے۔ مغربی ڈانس اور رقص وسرور کو اور عورتوں کے بال کٹانے، جین پہننے، ننگا پھرنے اور کلبوں میں جانے ہی کو مغرب کی قوت و طاقت کا منبع اور ذریعہ سمجھتا ہے حالانکہ شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جنہوں نے مغربی تہذیب وتمدن کو نہایت قریب سے دیکھا تھا اور اس کی خوبیوں اور ناخوبیوں سے وہ بڑی حد تک آشنا تھے، انہوں نے ان کی طاقت وقوت کا ذریعہ اور منبع ان کے علم وفن کو قرار دیا ہے جس سے ہم یک قلم تہی دامن ہیں۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقص دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روست
نے زعریاں ساق نے از قطع مواست

Marfat.com

محکمی او را نہ از لادینی است
نے فروغش از خط لاطینی است
قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

اور اسی پر بس نہیں بلکہ اسلام دشمن نظریات کا پرچار کرنے کے لیے اپنی تمام توانائیوں کو صرف کر دیتا ہے اور اس پر بھی خود کو مسلمان کہتا ہے ۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

گھر دوسروں کے بھرتا ہے، کام غیروں کے آتا ہے، رونق میں ان کی اضافہ کرتا ہے، عادات واطوار ان کے اپناتا ہے، حکم ان کے مان کر افغانستان، فاٹا اور دوسرے مسلمان علاقوں میں مسلمانوں کو توپ وتفنگ اور ٹینکوں کے گولوں اور بموں کا نشانہ بناتا ہے یا نشانہ بنانے کا ذریعہ اور آلۂ کار بنتا ہے اور پھر بھی مسلمانوں کی فہرست میں اپنا نام لکھواتا ہے۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

گذشتہ دوسو برس سے ان کی بے یقینی اور دل کی نامحکمی ایسے ہی گل کھلا رہی ہے اور وہ ہر چمک دار چیز کو سونا سمجھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور غیروں کی ہر فکری اور عملی گمراہی کی پٹی اپنی آنکھوں پر باندھ لیتا ہے۔ گذشتہ دو صدیوں سے اس پر خود فراموشی کی ایسی نحوست چھائی ہوئی ہے کہ وہ یہ تک بھول گیا ہے کہ وہ اسلاف کے کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔

مغرب زدگی بلکہ عیسائیت زدگی نے اس کے ہوش وحواس کو اس درجہ مختل کر دیا ہے کہ وہ اپنی حقیقت سے آشنا نہیں رہا اور اسے یہ احساس تک نہیں رہا کہ وہ دوسروں کے نقش قدم کی پیروی کے لیے نہیں آیا بلکہ وہ تو نقش دوام ثبت کرنے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ وہ دوسروں کے خوان نعمت کی زلہ ربائی کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ وہ تو دوسروں کو

Marfat.com

اپنے دست عطاء سے فیض یاب کرنے آیا تھا۔ مغرب کی فتنہ سامانیوں نے اس کے ہوش و حواس اور عقل و خرد کو اس درجہ ماؤف کر رکھا ہے کہ وہ اپنے تمام دکھوں کا مداوا اور اپنے سارے دردوں کے درمان کے لیے اسی مغرب ہی کی جانب چارہ گری کی نظر سے دیکھتا ہے حالانکہ یہ سارے دکھ اور درد اسی مغرب نے اسے دیئے ہیں ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

اسی مغرب سے اپنی بیماریوں اور مصائب کا علاج ڈھونڈتا ہے، اور اس کے دروازہ پر گداؤں کی طرح کھڑے ہو کر یہ کہتا ہے: ''تمہیں نے درد دیا ہے تمہی دوا دو گے۔'' اس کی اس سادگی نے اس پر ذلت و ادبار کی ایسی پھٹکار ڈال دی ہے کہ وہ اپنے برے بھلے کی تمیز کھو بیٹھا ہے اور نہیں جانتا کہ وہ کیسی بلندی سے کیسی پستی پر اتر آیا ہے ؎

خدا ایں سخت جاں را یار بادا
کہ از بام بلند افتادہ است ایں

آخر وہ کون سی کمی ہے جس نے مسلمان کو اس کے اپنے دین و مذہب سے بیگانہ اور ناآشنا کر کے رکھ دیا ہے اور اسلام سے اس کی بیزاری بڑھتی جا رہی ہے، اور اب رسول اللہ ﷺ کے بجائے اس کا آئیڈیل ایک ملحد اتاترک ہو گیا ہے۔ اسلام کے کشکول میں وہ کون سی چیز ہے جو موجود نہیں ہے، اور زندگی کا کون سا شعبہ ایسا ہے جس کے بارے میں وہ انسان کی دستگیری نہیں کرتا، اور کائنات کا وہ کون سا مسئلہ ہے جس کے متعلق وہ راہ نمائی سے اجتناب کرتا ہے۔

اسلام ہی دنیا کا ایک ایسا مذہب ہے جو دین و دنیا کی جامعیت کی دلیل ہے۔ قدم قدم پر زندگی کے مسائل سے عہد برآ ہونے کے بارے میں وہ واضح ہدایات دیتا ہے جو اس زندگی اور اس کے بعد کی زندگی دونوں کی فلاح و بہبود کا ضامن اور کفیل ہے۔ اس کے نظریات، اس کے افکار، اس کے عقائد، اس کا فلسفہ اخلاق اور اس کے زاویہ عمل غرضیکہ اس کے تمام مضامین میں تنوع بھی ہے، یک رنگی بھی ہے اور حالات و ضروریات سے مطابقت اور ہم آہنگی بھی، اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ سائنٹفک اور اپ ٹو ڈیٹ (Up to date) بھی

Marfat.com

ہیں اور ان سے عصر حاضر کے تمام تقاضوں کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کی سکت بھی موجود ہے، اور یہ وہ امتیاز ہے جو دنیا کے کسی اور دین و مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ اس پر بھی اگر اسلام کے پیروکار اس کو چھوڑ کر کسی اور جانب ملتفت ہوں تو اسے ان کی بدقسمتی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

اسلام اور معاشیات:

اسلام نے جن انسانی مسائل کے بارے میں ہدایات دی ہیں اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں اس نے ہدایات نہ دی ہوں، ان میں ایک اہم مسئلہ جو انسانی زندگی سے براہِ راست متعلق اور معاشرہ کے بناؤ یا بگاڑ میں موثر کردار کا حامل ہے، وہ معیشت واقتصاد کا مسئلہ ہے۔ اور اس بارے میں دو رائیں ہرگز نہیں ہو سکتیں کہ تمدن ومعاشرت کا سارا نظام اسی معیشت واقتصاد کے متوازن نظام پر استوار ہے۔ اور اگر یہ معاملہ توازن سے محروم ہو جائے تو انسانی سوسائٹی زیروزبر اور درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو توازن پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے اور بار بار اپنے ماننے والوں کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ توازن کو برقرار رکھیں۔ معاملہ خواہ دین کا ہو یا دنیا کا، سیاست کا ہو یا مذہب کا، تجارت کا ہو یا زراعت کا، محنت کا ہو یا اجرت کا، سرمایہ کاری کا ہو یا مستاجری کا، اقتصاد کا ہو یا انفاق کا، ہر معاملہ میں توازن کی راہ پر گامزن ہونا ایک سچے مسلمان کا شعار ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم نے اس توازن کے قیام کے لیے مختلف اسلوب تحریر سے مسلمانوں کو ہدایات دیں اور افراط وتفریط سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ خورد ونوش کے مسئلہ میں ''اسراف'' کی ممانعت کر دی گئی اور متوازن غذا کھانے کا حکم دیا گیا۔ روپے پیسے کے خرچ کے سلسلہ میں ''تبذیر'' اور ''اسراف'' سے منع فرمایا گیا۔ زندگی کے عام معاملات میں بھی میانہ روی کی تلقین کی گئی یہاں تک کہ چال میں بھی میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی۔ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

''اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر۔'' (لقمان:۱۸)

''اور نہ زمین پر اترا کر چل کیونکہ تیری اتراہٹ سے نہ تو زمین کو

پھاڑ سکتا ہے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی تک تیرا قدم لمبا ہو سکتا ہے۔"

(بنی اسرائیل: ۳۷)

مقصود یہ کہ اگر تم آپے میں نہیں رہو گے اور اپنی اوقات سے تجاوز کرو گے تو کون سا تیر مار لو گے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ توازن کے ساتھ لوگوں سے پیش آؤ۔ بول چال میں بھی اسی توازن، میانہ روی اور قصد کا حکم دیا گیا اور آواز کو بالکل پست کر کے بات کرنے یا گلا پھاڑ کر چلانے سے روکا گیا۔

ظاہر ہے کہ جو شریعت زندگی کے ادنیٰ سے ادنیٰ معاملہ میں توازن واعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتی ہو اور بے اعتدالی کی ہر صورت کو خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے متعلق ہو، دیکھنا گوارا نہ کرتی ہو، وہ رزق اور اس کے وسائل اور وسائل معیشت اور اسباب اقتصاد میں عدم توازن کو کیوں کر پسند کر سکتی ہے۔ قرآن حکیم میں اہل ایمان اور 'عباد الرحمٰن' کی جو خاص صفات اور علامات بیان فرمائی ہیں، ان میں بطور خاص اس صفت کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے کہ

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان: ۶۷)

"اور یہ اللہ کے نیک بندے جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ اعتدال سے کام لیتے ہیں۔"

توازن اور اعتدال پر مزید کچھ کہنے سے قبل "اسراف"، تبذیر اور تقتیر کی وضاحت کرنا ضروری ہے کیونکہ تبذیر کے بارے میں بڑی سخت تہدید آئی ہے کہ وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ (کانوا اخوان الشیاطین) گویا انفاق کو تین شرطوں کے ساتھ مشروط کیا۔ ایک یہ کہ "اسراف" نہ ہو اور دوسری یہ کہ "تبذیر" نہ ہو اور تیسری یہ کہ تقتیر نہ ہو۔ علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے "اسراف" اور "تبذیر" کے باہمی فرق کے بارے میں بحث کرتے ہوئے فرمایا:

"کمیت یعنی مقدار خرچ میں حد سے تجاوز کرنا "اسراف" ہے اور یہ ثبوت ہے ان عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا جو اس کے ذمہ ہیں، اور کیفیت

Marfat.com

یعنی مواقع صرف اور خرچ میں حد سے تجاوز کا نام ''تبذیر'' ہے، اور یہ شہادت ہے ان موانع صرف سے نادان بننے کی جو صحیح اور حق مواقع ہیں۔''

(تفسیر روح المعانی: ۵۹/۱۵)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک جائز کام جو ایک سو روپیہ خرچ کر کے بخیر و خوبی انجام پا سکتا ہے اس پر ہزار روپیہ خرچ کرنا ''اسراف'' ہے۔ اور ایک کام جس کا کرنا ہی شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں ہے، اس کے کرنے کے لیے مال خرچ کرنا شریعت میں ''تبذیر'' کہلاتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تبذیر'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔''

(فوائد عثمانی: ص ۲۶۸)

قرآن حکیم یہ کہتا ہے کہ عدل و توازن کی یہ روح ساری کائنات میں جاری و ساری ہے حتیٰ کہ تخلیق کائنات میں بھی ''تسویہ'' کو ملحوظ رکھا گیا۔ عربی کے مشہور لغت القاموس: ۳۴۵/۴، لسان العرب: ۴۱۲/۱۴ اور مفردات امام راغب: ص ۲۵۲ کے مطابق تسویہ کا مطلب ہے ہر قسم کی جسمانی درستگی جس میں حد درجہ اعتدال ملحوظ رکھا گیا ہو اور اس میں کسی قسم کا کوئی عیب اور نقص نہ ہو۔ جس کی مثال یہ ہے کہ ایک ہاتھ بیس انچ اور دوسرا تیس انچ یا ایک آنکھ ایک انچ کی اور دوسری دس انچ کی۔ حق تعالیٰ شانہ نے انسان اور دوسرے حیوانات کے ایک ایک عضو میں حیرت انگیز اعتدال، یکسانیت اور تناسب ملحوظ رکھا جس کی وجہ سے پورے جسمانی نظام میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک چھوٹے سے چھوٹے حیوان سے لے کر ایک بڑے سے بڑے ہاتھی اور دوسرے حیوانات خواہ وہ خشکی کے ہوں یا پانی کے، ان کی ساخت میں ایک حیرت زا اور تعجب انگیز نظم و ضبط اور اعلیٰ درجہ کی صناعی رکھی گئی ہے جس کو دیکھ کر ہر انسان ''فتبارک اللہ احسن الخالقین'' پکار اٹھتا ہے۔

چنانچہ سید محمود آلوسی نے اپنی تفسیر میں تسویہ کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یعنی بالکل ٹھیک ٹھاک کیا۔ یہ تو اصل معنی ہیں اور اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنی حکمت کے تقاضا کے عین مطابق بنایا جیسا کہ اس کی ذات اور صفات اس کی مقتضی تھی، اور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس نے تمام اشیاء کو محکم اور مضبوط طور پر بنایا ہے، ایسا نہیں بنایا کہ بعض میں تو اتقان ملحوظ رکھا گیا ہو اور بعض میں نہ رکھا گیا ہو۔" (روح المعانی: ۱۰۴/۳)

علامہ طنطاوی نے جن کی تفسیر میں بعض مقامات میں کچھ سائنسی حقائق کو بھی بیان کیا گیا ہے، یہاں بھی انہوں نے بڑی اچھی اور جدید تحقیقات کی روشنی میں بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات کی خلقت اور آفرینش میں ہمہ دان کی طرح نظم واستحکام رکھا گیا ہے جیسا کہ چہرہ کی خوبصورتی چار اعضاء میں رکھ دی۔ منہ، ناک اور دو آنکھیں۔ اگر یہ اعضاء باہم متناسب ہوں تو خوب صورتی پیدا ہوتی ہے ورنہ بدصورتی نمایاں ہوتی ہے۔ انسان کی انگلیوں کو کس طرح پتلا بنایا۔ انگلی میں تین تین پورے رکھے جو نہایت باریک بینی کے ساتھ باہم جوڑے گئے۔ پھر ان کی گرفت کو ایسا مضبوط بنایا کہ ہر قسم کے آلات کو انسان کے لیے پکڑنا آسان ہو گیا۔ ایسے ہی حیوانات اور پرندوں کے اعضاء میں ایک تناسب اور ہم آہنگی رکھی۔ ایسے ہی نباتات کے داخلی اجزاء میں اختلاف عناصر کے ذریعہ انسان کے لیے بہت سے فوائد ودیعت کر دیئے اور ان کے عناصر میں ان صانع عالم نے ایک حکیمانہ مقدار کے مطابق ایک تناسب رکھا۔ چنانچہ جس طرح ہاتھوں کی ہڈیوں اور پوروں میں ایک متناسب اندازہ اور نظام نہ ہوتا تو اس کے مطلوبہ فوائد ظاہر نہ ہوتے۔ اسی طرح نباتات کے اجزاء میں بھی اگر "تسویہ" نہ ہوتا تو نباتات کا نظام بھی دگرگوں ہو جاتا۔ (تفسیر جواہر القرآن طنطاوی ملخصاً: ۱۱۲/۲۵)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر میں کچھ اسی قسم کی باتیں لکھی ہیں کہ حیوانات میں اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کو اس کی ضرورت کے مطابق مناسب اعضاء اور آلات وحواس عطاء فرمائے، اور نہ صرف حیوانات کو بلکہ اس کائنات کی ہر شے اور ہر مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق بغیر کسی انتشار واضطراب کے نہایت درجہ محکم طریقے پر پیدا فرمایا۔

(تفسیر کبیر رازی: ۲۷۹/۸)

Marfat.com

تسویہ کا نظام جس طرح عالم حیوانات اور عالم نباتات پر صادق آتا ہے اسی طرح عالم جمادات اور عالم افلاک پر بھی صادق آتا ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا، رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا﴾ (النازعات: ۲۷۔۲۸)

"(اے انسانو!) تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی؟ جس کو اس نے بنایا، اس کی چھت کو اونچا کیا، پھر اس کو ٹھیک ٹھاک کیا۔"

"تسویہ" کے ساتھ "عدل" ایک لازمہ ہے (فسواک فعدلک) اور یہ پوری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ بلکہ قرآن حکیم نے تو یہاں تک کہا کہ خود اس کائنات کا خالق و مالک اور اس نظام ارضی و سماوی کا مؤسس اپنے تمام امور میں "عدل وتوازن" کی حکمت عملی پر کاربند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جن لوگوں کو دین فطرت کی ذمہ داری سونپی ان کا یہ ایک خاص وصف قرار دیا کہ وہ ایک معتدل اور متوازن امت کے افراد ہیں۔ (امة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس)

اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کائنات اس امر کی مقتضی ہے کہ وہ عدل کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو اور اس میں حد سے تجاوز کا کوئی شائبہ موجود نہ ہو۔ وہ اعتداء اور تعدی کے ہر مظاہرہ پر قدغن عائد کرتا ہے اور اس سے بڑی سختی سے روکتا ہے۔ اسلام نے افراط وتفریط سے بچنے کے لیے اور اعتدال وتوازن کی راہ پر گامزن رہنے کی جو ہدایات دیں اور بار بار تاکید کے لب ولہجہ میں اس پر زور دیا، وہ صرف دنیوی اور مادی امور ہی سے متعلق نہ تھا بلکہ خود دین کے معاملہ میں بھی اسی توازن کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ اعتدال وتوازن کے سلسلہ کی جو آیات ہم نے پیش کی ہیں، ان میں اگرچہ طرز تعبیر مختلف ہے اور اسلوب بیان بھی متنوع ہے، لیکن سب آیات میں قدر مشترک کے طور پر جو بات کہی گئی وہ یہی ہے کہ جب تک زندگی میں توازن و اعتدال کی صفت پیدا نہیں کرو گے، کامیاب زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکو گے۔

بے اعتدالی اور عدم توازن کو کہیں "اسراف" سے تعبیر کیا گیا اور کہیں "تبذیر" سے، کہیں "اعتداء" کا نام دیا گیا اور کہیں "تعدی" کا، کہیں اسے "غلو" کہا گیا اور کہیں

Marfat.com

اسے ''فساد فی الارض'' کا نام دیا گیا۔ مقصد سب آیات کا ایک ہی ہے۔ اسی طرح ''عدل وتوازن'' کو کبھی ''قسط'' کے نام سے پکارا گیا اور کبھی اسے قصد سے یاد کیا گیا، کبھی اس پر ''عدل'' کا اطلاق ہوا اور اسے ''بین ذالک سبیلا'' یعنی میانہ روی۔ سے تعبیر کیا گیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

((خیر الامور اوسطھا))

''میانہ روی کا معاملہ سب سے بہتر ہے۔''

ایک اور حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر اقتصادیات اور معاشیات کے بارے میں ایک جامع بات ارشاد فرما کر پورے ''علم الاقتصاد'' کو کوزے میں بند کر دیا۔ ارشاد فرمایا:

الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة. (بیہقی)

''نفقہ میں میانہ روی نصف معیشت ہے۔''

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ انسان کے معاشی مسائل زمین پر اس کی پیدائش کے ساتھ ہی وجود میں آ گئے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانی ضروریات اور احتیاجات اس کی فطرت کا جزو لاینفک ہیں۔ لہٰذا ان احتیاجات کو پورا کرنے کے لیے انسان کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ فطرت کے ان خزانوں تک اپنی جدوجہد سے رسائی حاصل کرے جو اس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں، البتہ اس میں انسانوں کی آزمائش ہے کہ وسائل زیست کے حصول کے جدوجہد میں کون اپنے مالک و خالق کی رضا کو ملحوظ رکھتا ہے کیونکہ جدید معاشیات میں مغرب کے مادہ پرستانہ اور خدا ناآشنا بلکہ بے خدا ماحول میں اللہ کی رضا کا تصور ختم ہو چکا ہے اور اکثر و بیشتر لوگوں کی رگوں میں افادیت پسندی کا زہر سرایت کر گیا ہے۔ ایک طرف معاشی وسائل کی قلت اور دوسری طرف سے زیادہ سے زیادہ مادی منفعت کے حصول کو اپنا نصب العین بنانے کی وجہ سے انسان ایک ہمہ وقتی خود غرضانہ کشمکش کے سمندر میں اتار دیا گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اگرچہ چند زور آور افراد جائز و ناجائز طریقہ سے ساحل مراد تک پہنچ جاتے ہیں لیکن انسانوں کی غالب اکثریت اور اکثر و بیشتر لوگ غربت و افلاس کے گرداب میں پھنس کر

Marfat.com

خودغرضی اور مادہ پرستی کے اس بحر بے کراں میں غرق ہو جاتے ہیں۔ مغربی فکر ونظر نے موجودہ انسان کو ایک ایسے ویرانے میں دھکیل دیا ہے جہاں اسے اپنی منزل کا راستہ نہیں ملتا اور بے اطمینانی اور غیر سکونی کے محیط بے کراں میں ایسا غرق ہوا ہے کہ سکون واطمینان اس کے لیے سراب بن کر رہ گئے ہیں اور بے اطمینانی، بدامنی، عدم تحفظ اور ظلم ونا انصافی کے ہولناک تصادم کی وجہ سے لطف حیات سے یک قلم محروم ہو کر رہ گیا ہے۔

جب انسان عالم وجود میں آیا اس کی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف معاشی نظام رائج رہے، لیکن وہ قریباً سارے کے سارے فطرت انسانی کے خلاف تھے۔ چنانچہ جدید وقدیم دور میں کوئی بھی معاشی نظام ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس نے انسانی زندگی سے خوش عیشی اور رفاہیت اور عدل وانصاف کو باہم ملا کر امن وسلامتی کا علم بلند کیا ہو، اور انسانی زندگی کے مقصد توحید یعنی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان رشتہ کو مضبوط اور مستحکم کیا ہو کیونکہ اسی رشتہ کی مضبوطی اور استحکام سے ایک انسان کی انسانیت اجاگر ہوتی ہے اور وہ اخلاق کریمانہ کی رفعتوں اور بلندیوں کو پہنچتا ہے۔ اگر اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان یہ رشتہ مضبوط نہ ہو تو انسان قعر مذلت اور بداخلاقی بلکہ درندگی اور بہیمیت کی پستیوں میں جا گرتا ہے۔ افلاطون اپنے زمانے کا ایک بہت بڑا دانشور، فلسفی اور حکیم تھا، اس نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''جمہوریہ'' لکھی جس میں انسانی نظام معیشت پر بحث کی ہے، لیکن اس نے انسانی وحدت کو قائم کرنے اور انسان کو پستی سے بلندی کی طرف لے جانے کے بجائے انسانوں کے آزاد اور غلام دو طبقے قرار دیئے۔ گویا انسانی وحدت کو طبقات میں تقسیم کر کے انتشار وافتراق کی فضا پیدا کی اور اس طرح اس نے خدا کی آقائی کی جگہ بندوں کی آقائی کی دعوت دی اور زیردستوں پر زبردستوں کی قہرمانیت کے لیے دروازہ کھول دیا۔ صنفی تعلقات میں انارکی پیدا کی جس سے معاشرتی نظام تباہی اور بربادی کے دہانے پر پہنچ گیا۔ موجودہ دور میں یورپ کی جمہوریت کا نظام بھی اسی دیو استبداد کی قبا اوڑھے ہوئے ہے۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

Marfat.com

یورپ کا یہ جمہوری نظام امیروں نے غریبوں کو Trap کرنے کے لیے بنایا جو عوام الناس اور جمہور کی خوش عیشی کے بجائے مال دار طبقوں اور فیوڈل لارڈز کی کفالت کرتا ہے اور ظلم و استبداد کو عدل و انصاف کا نام دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ جمہوریت نظام سرمایہ داروں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کرتا ہے اور عوام الناس اور جمہور کو ان مقاصد و اغراض کی تکمیل کے لیے آلۂ کار بناتا ہے اور ان کو صرف الفاظ کے ذریعہ خوش کرنے کے لیے اس کا نام ''جمہوریت'' رکھ دیا گیا ہے۔

(جمہوریت کی اصل حقیقت جاننے کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''فتنۂ جمہوریت'')

ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک زمامِ حکومت اکثر و بیشتر امراء اور مال دار لوگوں کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ ان سرمایہ داروں نے اپنے حکومتی اختیارات کو اپنے اور اپنے مال و دولت کے تحفظ اور اس میں اضافہ کے لیے استعمال کیا ہے اور ہر ممکن کوشش کی ہے کہ غریبوں کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ کر اپنی دادِ عیش کے لیے استعمال کیا جائے، اور غریبوں اور ناداروں کی کمائی کو لوٹ کر اپنی دولت و سرمایہ میں اضافہ کیا جائے۔ مزدوروں اور کسانوں کو ڈھور ڈنگر سمجھ کر ان سے دن رات کام لیا جائے تاکہ امراء اور مال دار لوگ زیادہ دادِ عیش دے سکیں اور ان کے خون پسینہ کی کمائی پر اپنے عیش و سکون کی عمارت تعمیر کر سکیں۔ ہر زمانہ میں یہی ہوتا آیا ہے اور آج بھی جمہوریت کے نام پر یہی ہو رہا ہے۔ زرداری صاحب کا NRO بھی اس کی ایک زندہ مثال ہے۔

Marfat.com

جدید نظام سرمایہ داری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام قائم تھا جس میں امیر روز بروز امیر تر اور غریب غریب تر ہو رہا تھا۔ امیر غریبوں کے جسموں میں سے ہر قطرۂ خون نچوڑنے کی فکر میں تھے۔ جس کی اجمالی تصویر ہم نے گذشتہ صفحات میں دی ہے۔ اس نظام سرمایہ داری کا چلن ایران اور بازنطینی سلطنتوں میں تھا۔ موجودہ زمانے کا نظام سرمایہ داری اس نظام سے مختلف نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے اس نظام کو سائنٹفک طریقہ سے کچھ ایسا چھپایا ہوا ہے کہ غریب اسے کچھ جانتے اور محسوس کرتے ہوئے بھی اس سے بغاوت نہیں کرتا کیونکہ اس کی ضروریات زندگی کو کریڈٹ کارڈوں (Credit Cards) کے ذریعہ پورا کر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ انسان کا معاشی مسئلہ اس کی آفرینش کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا تھا لیکن اس کو ایک علم کی شکل میں مرتب کرنے کا سہرا آدم اسمتھ (Adam Smith) کے سر پر باندھا جاتا ہے اور اس کی مرتب کردہ کتاب ''دولت اقوام'' (The Wealth of Nation) کو علم معاشیات کا صحیفہ اول قرار دیا جاتا ہے جب کہ مسلمان دانشوروں اور مفکرین محمد بن حسن طوسی (1274ء) اور علامہ ابن خلدون (1406ء) کی تحریروں میں وہ تمام معاشی نظریات موجود ہیں جن کی ایجادات کا دعویٰ آدم اسمتھ کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صنعتی انقلاب اور یورپ میں احیائے علوم کی تحریک نے اقوام مغرب کو بلاد اسلامیہ میں جو فکری، سیاسی، علمی اور عسکری برتری دی ہے اس کی وجہ سے محکوم اقوام کا علمی سرمایہ ان کے سامنے نہ صرف ماند پڑ گیا ہے بلکہ معدوم ہو کر رہ گیا ہے۔ اس لیے طوسی اور ابن خلدون گوشہ خمولت میں چلے گئے اور آدم اسمتھ کا نام دنیائے معاشیات میں چمکنے لگا۔ لیکن مغربی معاشیات جس کی بنیادوں پر نظام سرمایہ داری

Marfat.com

قائم ہے اس میں اور اسلامی معاشیات میں بہت فرق ہے۔

مغربی معاشیات کا سارا تانا بانا اس فکر سے تیار ہوا ہے کہ کائنات صرف ایک مادی وجود ہے اس سے وہ مادہ کی تمام خصوصیات، محدودیت اور عدم فنا پذیری اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اسی تصور سے وسائل رزق کی محدودیت اور کم یابی نے جنم لیا، وسائل کی یہ کمیابی ہی معاشی مسئلہ کے وجود میں آنے کی اصل بنیاد ہے۔ چنانچہ ایک مغربی ماہر معاشیات ڈاکٹر رابنز نے کہا ہے کہ ''معاشیات وہ علم ہے جو انسان کے اس رویہ کا مطالعہ کرتا ہے جو ایک سے زائد طریقوں سے استعمال میں آنیوالے کم یاب ذرائع اور کثیر مقاصد کے درمیان بطور ایک رابطہ کے ظاہر ہو۔''

وسائل کائنات میں یہ کمیابی کیوں ہوتی ہے؟ اس کا جواب ماہرین معاشیات نے یہ دیا ہے کہ یہ تصور جارحانہ خود غرضی، مسابقت اور سیاسی کشمکش کی وجہ سے ہے جس کے نتیجہ میں زر آور، مال دار اور بہتر وسائل سے بہرہ ور افراد تو اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ وسائل رزق سمیٹنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جب کہ مزدور، کاشت کار، ہاری اور دوسرے معاشی طور پر کمزور افراد اس معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے اوقات زندگی روز بروز تلخ سے تلخ تر ہوتے جاتے ہیں۔ موجودہ معاشیات کا یہ تصور کائنات سراسر مادی ہے۔

اس کے برعکس اسلام میں معاشی اور اقتصادی زندگی کی بنیاد اس تصور پر قائم ہے کہ یہ کائنات کسی جاہل اور اجڈ ہستی نے نہیں بنائی اور نہ ہی یہ خود بخود پیدا ہوئی ہے بلکہ اس کو ایک علیم و خبیر ذات نے تخلیق کیا ہے جو اپنی صفات ربوبیت، رزاقیت اور قدرت و قیومیت کے ساتھ اس کے انتظام اور اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس نے اس کائنات میں زمین کی تہوں، مٹی کے ذروں، سمندر کی لہروں اور افلاک کی پہنائیوں میں نہ صرف انسان کے لیے بلکہ پوری کائنات کے لیے رزق کے خزانے اور لامتناہی وسائل رزق پیدا کر رکھے ہیں۔ اس نے اپنی مخلوق جس کو حدیث میں 'اللہ کا کنبہ' (الخلق عیال اللہ) کہا گیا ہے۔ رب العالمین ہونے کی حیثیت سے ان کی ضروریات اور پرورش کا تمام سامان مہیا کر رکھا ہے۔ وسائل رزق کی کمیابی کے تصور سے اس کی صفات عالیہ میں

Marfat.com

تنقیص کا پہلو نکلتا ہے جب کہ وہ ذات ہر قسم کے عیب و نقص سے یک قلم پاک ہے۔

کائنات کے تصور کی طرح انسان کا تصور بھی اسلامی اور غیر اسلامی معاشیات میں مختلف ہے۔ مغربی معاشیات میں انسان دوسرے جانوروں کی طرح ایک جانور اور حیوان ہے۔ جو اپنے جبلی داعیوں اور تقاضوں کے تحت اعمال حیات انجام دیتا ہے، لہٰذا جو اصول وقوانین دوسرے حیوانات اور جانوروں پر لاگو ہوتے ہیں وہی قوانین اس کی زندگی پر بھی لاگو ہوتے ہیں۔ اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ ڈارون (Darwin) کے نزدیک بقائے اصلح (Survival of the Fittest) کا جو قانون دیگر حیوانات پر لاگو اور کارفرما ہوتا ہے۔ نوع انسانی کے افراد میں بھی اس قانون کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے۔ انسان حیاتیاتی ارتقاء کے باوجود اس کی حیوانی سطح اور حیوانی زندگی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ معاشیات اور اقتصادیات کی نگاہ میں اس کا یہی حیوانی پہلو اصل اہمیت کا حامل ہے۔

لیکن اس کے برعکس اسلامی معاشیات میں انسان کے بارے میں یہ تصور نہیں ہے کہ وہ دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہے بلکہ اسلام کے نظام معیشت میں انسان کے بارے میں یہ تصور ہے کہ انسان اس دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے۔ یہ بندر جیسے حیوان سے ترقی کر کے انسان نہیں بنا بلکہ اللہ نے خاص اہتمام سے اس کو انسان ہی پیدا کیا اور اس کی فطرت میں ایک پاکیزہ روح پھونکی (ونفخت فیہ من روحی) اس وجہ سے اس کائنات ارضی میں اس کا مرتبہ اور مقام دوسری تمام مخلوق سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اسے دنیا میں اپنے خالق کی مرضیات اور احکامات نافذ کرنے کے لیے بھیجا گیا، اس لیے اسے روٹی اور روزی کے لیے ذلیل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی غلامی کی زنجیروں سے اسے جکڑا جا سکتا ہے۔ اس کی معاشی اور اقتصادی زندگی کی جدوجہد کا وہی انداز اپنایا جا سکتا ہے جو اس کی شان کے شایاں اور رزق کریم کی فراہمی کا ضامن ہو۔

مغربی اور غیر اسلامی معاشیات میں جس کا موجودہ دنیا میں چلن ہے، حیوانی انسان کے اندر ایک معاشی انسان کی موجودگی کا تصور دیتی ہے جس کی فطرت کا خمیر خود غرضی، حرص وآز اور خود پرستی سے تیار ہوا ہے۔ اپنی اس جبلت اور فطرت کے باعث یہ معاشی انسان ہر معاملہ میں اپنے ذاتی مفاد کے لیے کوشاں اور اپنے وسائل سے زیادہ سے

Marfat.com

زیادہ تسکین حاصل کرنے اور زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لیے سرگرم اور بے قرار رہتا ہے۔اس کے قوائے عملیہ، جلب منفعت و مسرت اور دفع مضرت والم کے احساسات کے تحت حرکت کرتے ہیں۔انسانی فطرت کا یہ تصور معاشرہ کے افراد میں خودغرضانہ، مفاد پرستانہ اور زیادہ سے زیادہ جلب منفعت کے احساسات کو جنم دیتا ہے، اور ایثار، ہمدردی، رحم دلی اور باہمی معاونت کے جذبات سے ایک انسان کو یک قلم محروم کر دیتا ہے۔

جس نظام کے تحت انسان کے ان جذبات و احساسات اور اس کو معاشی اور حیوانی انسان سمجھتے ہوئے معاملہ کیا جائے، اسی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کہا جاتا ہے۔اس میں پیدائش دولت کے آلات و وسائل افراد کی ذاتی ملکیت ہوتے ہیں، اور جو اشیاء اور خدمات پیدا کی جائیں ان کی تقسیم و تبادلہ کا کام بھی ان ہی ہاتھوں سے انجام پاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس نظام میں لوگوں کی معاشی جدوجہد بجز حکومتی قوانین کے ہر قسم کے اخلاقی قیود سے آزاد ہو۔اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ نظام معیشت:

(1) ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت

(2) ذاتی منافع کی محرک

(3) اور اخلاقی حدود و قیود کی عدم موجودگی سے مرکب ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام معیشت ایک مخصوص نظریہ حیات کی پیداوار ہے اور اس نظریہ حیات کے بنیادی افکار و اقدار اس نظام کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہیں اور یہ اس نظام معیشت کو فکری بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔اور وہ فکری بنیادیں مادہ پرستی، آزاد روی اور افادیت پسندی ہیں۔ان فکری بنیادوں پر جو نظام معیشت تشکیل پائے گا، یقینی بات ہے کہ اس میں افراد معاشرہ کے مابین وسائل معاش کو حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مسابقت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ کارفرما ہوگا۔آزادی فکر و عمل نہ صرف اس جذبہ مسابقت کو مہمیز لگا کر تیز کر دے گی بلکہ اس کا رخ بالادست طبقات کے حق میں بھی کر دے گی۔اور افادیت پسندی (Hedonism) ان بالادست طبقات کی استحصالی جدوجہد کو اخلاقی اعتبار سے سند جواز فراہم کر دے گی۔ان عناصر کی موجودگی میں سرمایہ دارانہ نظام معیشت استحصال کے سم قاتل سے کسی صورت بھی پاک نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

رزق حلال کمانے کی ترغیب

نظام معیشت کوئی بھی ہو اسلام نے انسان کو رزق کمانے کی ترغیب دی ہے، رزق کی ذمہ داری اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے لیکن کسب کے لیے انسان کو کوشش اور جدوجہد کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَاط كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (ہود:٦)

”اور زمین پر چلنے والا کوئی جانور ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ اس کا ٹھکانہ اور اس کی واپسی کی جگہ سے بھی واقف و آشنا ہے، اور یہ سب کچھ کھلی کتاب میں موجود ہے۔“

اس آیت میں تمام محتاج رزق جانداروں کی کفالت اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے ذمہ لی ہے۔ اس دنیا میں جو بھی جاندار پیدا ہوتا ہے وہ اپنی روزی اپنے ساتھ لاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس کی روزی کا سامان یہاں سے مہیا فرما دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ انسان اور جانور پیدا تو ہو جائیں لیکن اس کے رزق کا حصہ یہاں موجود نہ ہو۔ قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

”کتنے ہی جانور ہیں کہ اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ہی ہے جو ان کو رزق عطا فرماتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ سنتا اور جانتا ہے۔“

اس آیت میں جانوروں کی زندگی کا نقشہ کھینچ کر انسانوں کو مطمئن کیا جا رہا ہے کہ اصل روزی رساں اور حقیقی رازق اللہ جل مجدہ کی ذات ہے، اس لیے تمہیں اس کے

احکام کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے ہوئے رزق اور وسائل رزق کے بارے میں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ کہا گیا ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس دھرتی پر کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اپنی پیٹھوں پر لادے نہیں پھرتے لیکن وہ جہاں بھی جاتے ہیں اللہ انہیں وہیں روزی پہنچا دیتا ہے۔ پھر تم اپنے بارے میں اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اس بدگمانی میں کیوں مبتلا ہو کر خدا تمہیں روزی نہیں دے گا۔ کیا تمہارا روزی رساں کوئی اور ہے؟ قتل اولاد سے منع کرتے ہوئے بھی یہی بات کہی گئی کہ روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے تم فقر و افلاس سے ڈر کر اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔ تمہیں بھی وہی رزق دیتا ہے اور انہیں بھی وہی رزق دے گا۔ پھر تم قتل جیسے گناہ عظیم کا ارتکاب کیوں کرو؟

ایک حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے رزق کی فراہمی کے بارے میں وضاحت فرماتے ہوئے فرمایا:

"یاد رکھو! کوئی مفلس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو اور اچھے طریقوں سے رزق طلب کرو اور اللہ پر بھروسہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اور اس سے مغفرت طلب کرو وہ اولاد اور مال سے تمہاری مدد کرے گا۔"

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

1- اس نظریہ کا حامل طلب رزق میں اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلیل و خوار نہیں کرے گا اور اپنی خودی اور خودداری کی حفاظت کرے گا، اور صرف اپنے رب کے سامنے دست سوال دراز کرے گا۔

2- وہ حصول معاش کے لے ایسے ذرائع اور وسائل اختیار نہیں کرے گا جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر اس بات کا یقین کہ وہی اس کے رزق کا ذمہ دار ہے، اسے اکل حرام سے محفوظ و مصئون رکھے گا۔

3- وہ فقر سے ڈر کر دوسروں کی حق تلفی نہیں کرے گا کیونکہ اسے اپنے اللہ پر بھروسہ اور توکل ہوگا۔ یہ معاشی اصول وہ ہے کہ اگر دنیا اسے تسلیم کرے تو ضبط ولادت (Birth Control) کی ملحدانہ اور غیر متوکلانہ تحریک اپنی موت آپ مرجائے۔

Marfat.com

جب اس بات کا یقین قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں بیٹھ جائے کہ ہمارے رزق کا ذمہ دار اللہ رب العزت ہے۔ ہماری ساری جدوجہد صرف اور صرف ایک سبب اور وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ رزق اتنا ہی ملے گا جتنا مقدر میں ہے تو وہ کسب رزق میں کبھی بھی ناجائز طریقے اختیار نہیں کرے گا بلکہ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری سے کام لیتے ہوئے اپنا رزق جائز طریقوں سے حاصل کرے گا، اور ہر ممکن طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرے گا۔ شریعت میں اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔ تقویٰ سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور اس کی ناراضگی سے اجتناب اور بچنا ہے۔ تقویٰ کسی ایک دائرے تک محدود نہیں ہے بلکہ ہمہ گیر، ہمہ جہت اور ہمہ وقتی کیفیت ہے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے چھوٹے بڑے معاملات اس کے دائرۂ اثر میں ہیں۔ زندگی کی خاردار پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے معصیت کے کانٹوں سے اپنے دامن کو بچا کر رضائے الٰہی کی منزل کی طرف رواں دواں رہنا ہی تقویٰ کا نصب العین ہے۔ قرآن حکیم میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ تمام عبادات کا مقصود اسی کو بنایا گیا ہے۔ آخرت اور دنیا میں معیارِ عزت یہی ہے اور یہی افراطِ رزق کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ (الاعراف:۹۶) یہی تقویٰ اخروی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ (القلم:۳۴) اور دین و دنیا کی فلاح اور کامیابی کی ضمانت بھی یہی تقویٰ ہے۔

انسانی اعمال میں تقویٰ کی کیفیت کا ظہور مثبت اور منفی دو جہتوں سے ہے۔ اثباتی جہت میں ان امور کو اختیار کرنا تقویٰ ہے جو اللہ کی رضا کا ذریعہ ہیں۔ اور منفی پہلو میں تقویٰ یہ ہے کہ ان کاموں کو یک قلم ترک کر دیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں جو تقویٰ مطلوب و مقبول ہے، وہ ہمہ گیر اور ہمہ جہت تقویٰ ہے جو زندگی کے ہر گوشہ اور ہر معاملہ کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ انسان کی معاشی زندگی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ انسان کی معاشی جدوجہد کو صحیح خطوط پر استوار رکھنے اور بے اعتدالیوں سے محفوظ رکھنے میں تقویٰ کا ایک نہایت موثر کردار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں حلال اور طیب قسم کی جو اشیائے رزق پیدا کی ہیں انہیں حاصل کیا جائے اور انہیں پھر اپنی احتیاجات کی تسکین کے لیے ان سے بھرپور استفادہ کیا جائے، اور جو

Marfat.com

چیزیں حرام اور غیر طیب ہیں ان کے حصول سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے۔ اکتساب رزق کے باب میں اسلام کا یہ راہ نما اصول ہے۔

''اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔'' (الجمعہ:۱۵)

اس آیت کی روشنی میں تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ

-1 ''ترک دنیا کے بجائے تلاش رزق کے لیے مقدور بھر کوشش کی جائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے امکانی حد تک اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے۔

-2 تلاش رزق کے لیے صرف اور صرف حلال اور پاکیزہ ذرائع ہی استعمال کیے جائیں۔

-3 تلاش رزق کے دوران احکامات الٰہی کو ہر لمحہ اور ہر لحظہ یاد رکھا جائے۔

-4 حصول رزق محض مادی احتیاجات کی تسکین کے لیے نہ ہو بلکہ اس کا مقصود حقیقی اخروی فلاح سے ہمکنار ہونا ہو۔''

یہ تو مثبت پہلو تھے۔ اب معاشیات میں تقویٰ کے جو منفی پہلو ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

-1 حصول رزق کے حرام بلکہ تمام مشتبہ ذرائع سے بھی اجتناب کیا جائے، مثلاً سود، سٹہ، جوا، چوری، عصمت فروشی اور بلا اجازت کسی کی املاک میں تصرف کرنا خواہ کوئی قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

-2 ضرر اور غرر کے لین دین س اجتناب کیا جائے۔

-3 ''ضرر'' سے مراد کاروبار کے وہ طریقے ہیں جن سے دوسروں کی جان، مال اور عزت وشہرت کو بالواسطہ یا بلا واسطہ نقصان پہنچے۔ اس میں گندگی، غلاظت اور آلودگی (Pollution) کا باعث بننے والے طریقے بھی شامل ہیں۔ ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، اجناس کو دانستہ تلف کرنا اور مصنوعی طور پر قیمتوں میں اضافہ کرنا بھی ضرر میں داخل ہے۔ دھوکہ، فریب اور تنازعات اور لڑائی جھگڑے کا

Marfat.com

باعث بننے والے تمام معاملات ''غرر'' میں داخل ہیں۔ جھوٹی قسموں کے ذریعے دولت پیدا کرنا اور پرفریب اشتہار بازی کے ذریعہ سادہ لوح افراد کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا بھی اس میں شامل ہے۔

4- شرف انسانی کے منافی کاموں سے اجتناب کرنا مثلاً طفیلی پن، مسخرہ پن، گداگری اور ذلیل وخوار بن کر روزی کمانے کے تمام طریقے اوز دھندے تقویٰ کے منافی ہیں۔

تبادلۂ دولت انسانی زندگی میں ایک ناگزیر عمل ہے کیونکہ کوئی بھی انسان اپنی ضرورت کی تمام اشیاء وخدمات خود پیدا نہیں کرسکتا۔ پیدائش دولت کا عمل تقسیم محنت کے اصول پر ظہور میں آتا ہے جو اشیاء وخدمات کے تبادلہ کو ناگزیر بنا دیتا ہے۔ اس بارے میں اسلام کا راہ نما اصول یہ ہے:

﴿لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (نساء:۲۹)

''اور ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تجارت ہو باہمی رضامندی سے۔''

اس آیت کی رو سے تبادلۂ دولت کے سلسلہ میں تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ

1- اشیاء کا تبادلہ باہمی رضامندی سے ہو۔
2- تبادلہ احکام خداوندی کے مطابق ہو۔
3- تبادلہ اشیاء لین دین کے مسلمہ معروف اصولوں کے مطابق ہو۔

اس بارے میں تقویٰ کے منفی پہلو حسب ذیل ہیں:

1- تبادلہ اشیاء کے سلسلہ میں جھوٹ، دھوکہ اور فریب جیسے تمام باطل طریقوں سے یک قلم اجتناب کیا جائے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من غشنا فليس منا)).

''جس نے ہم سے دھوکا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

2- ناپ تول میں کمی نہ کی جائے۔

Marfat.com

3- جھوٹی قسموں کو تبادلۂ اشیاء کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

4- تبادلہ میں ظلم اور جبر و اکراہ سے کام نہ لیا جائے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ کسب معاش اسلام میں عبادت کا درجہ رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

((طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة)) (مشکوٰۃ:ص ۲۴۲)

''فریضۂ خداوندی کی ادائیگی کے بعد کسبِ حلال کی تلاش و جستجو فرض ہے۔''

ایک روایت میں ہے

طلب الحلال واجب علیٰ کلم مسلم' (الترغیب والترہیب)

''حلال رزق کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔''

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلب حلال کو افضل الاعمال قرار دیا ہے۔ فرمایا:

((افضل الاعمال الکسب من الحلال))

''یعنی حلال طریقہ سے روزی کمانا تمام اعمال میں افضل ہے۔''

اس لیے اسلام نے جہاں نماز روزہ کی تلقین کی وہاں کسب معیشت اور ابتغاء الرزق (رزق کی تلاش) کی ترغیب بھی دی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہر فرد کو اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے لیے جدوجہد کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ یہ دنیا کا میدان عمل ہے، لہٰذا یہاں جمود و خمود موت کے مترادف ہے۔ اس کارگاہ ہستی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رزق کے سامان کے ذخیرے جمع کر دیئے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ انسان تلاش و جستجو کرے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (الجمعۃ:۱۰)

''پس جب نماز ادا ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو۔''

Marfat.com

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ﴾

(مزمل:۲۰)

''اور کتنے اور لوگ ہیں جو زمین میں پھرتے ہیں اللہ کے فضل (روزی) کو تلاش کرتے۔''

ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اذا صلیتم الفجر فلا تنوموا عن طلب ارزاقکم))

(کنز العمال:۲/۱۴۲)

''جب تم نماز فجر پڑھ لو تو تم اپنے رزق کی تلاش کے بغیر نیند (آرام) کا نام نہ لو۔''

ایک اور روایت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من الذنوب ذنوباً لایکفرھا الاالھم فی طلب المعیشة))

(معجم اوسط، حلیۃ الاولیاء)

بعض گناہوں میں سے کچھ ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ صرف طلب معیشت (روزی کی تلاش) کی فکر اور جدو جہد میں کاوش ہی سے ہو سکتی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے:

((لایقعد احدکم عن طلب الرزق)) (احیاء العلوم:۲/۵۷)

''تم میں سے کوئی شخص بھی طلب رزق کی جدو جہد میں پست ہمت ہو کر نہ بیٹھ جائے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تشریح میں سید مرتضیٰ زبیدی نے فرمایا:

''ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ معیشت کے جائز اسباب میں سے کسی ایک سبب اور وسیلہ کو ضرور اختیار کرے جس سے وہ رزق کو حاصل کر سکے۔''

(اتحاف السادۃ:۵/۴۱۷)

ابتغاء رزق اور کسب معاش کو ضروری قرار دینے کے بعد اسلام یہ چاہتا ہے کہ

Marfat.com

فرد حصول معیشت میں جو طریقہ اختیار کرے وہ ایسا نہ ہو جو نظام معیشت کو فاسد کر دے۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ کسب معیشت میں ہمیشہ دو اصول پیش نظر رکھے جائیں۔ ایک یہ کہ جو حاصل کیا جائے وہ حلال ہو، اور جن طریقوں سے وہ رزق حاصل کیا جائے وہ ''طیب'' ہوں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ان دونوں لفظوں کو استعمال کیا گیا۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ز وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (بقرہ:١٦٨)

''اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے حلال وحرام کے فرق کو بیان فرمایا ہے اور کھانے پینے کی چیزوں میں حلال وطیب ہونے کی دو شرطیں ضروری قرار دی ہیں۔ سورۃ المومنون میں رسولوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ط اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ (المومنون:٥١)

''اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو، بے شک تم جو بھی کام کرتے ہو میں اس کو خوب جاننے والا ہوں۔''

اس آیت میں تمام رسولوں کو طیب اور حلال چیزیں کھانے کا حکم دیا گیا ہے اور پاک چیزوں سے مراد حلال چیزیں ہیں، اور سب سے زیادہ حلال چیز وہ ہے جس کو انسان نے اپنے کسب اور محنت سے حاصل کیا ہو۔ حدیث میں ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے بکریاں چرائی ہیں۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ''اور آپ نے بھی؟'' فرمایا: ''ہاں میں بھی چند قیراط کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔''

(بخاری، رقم:٢٢٦٢، ابن ماجہ، رقم:٢١٤٩، شرح السنۃ:٨/٢٦٥، سنن کبریٰ بیہقی:٦/١١٨)

قیراط سے مراد درہم یا دینار کا ایک جزو ہے۔ آپ ہر بکری کو چرانے کا ایک قیراط لیتے تھے۔ (فتح الباری:٥/١٩٩)

سیدنا مقدام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی شخص نے بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔'' (بخاری، رقم:۲۰۷۲، ابن ماجہ، رقم:۲۱۳۸، مسند احمد، رقم:۱۷۳۲۲)

اس مضمون کی احادیث ترمذی اور نسائی میں بھی ہیں۔ علاوہ ازیں سنن کبریٰ بیہقی: ۷/۴۸۰، المصنف عبدالرزاق: ۹/۱۱۳، ابن حبان: ۱۰/۷۳، شرح السنہ بغوی: ۹/۳۲۸، مسند احمد: ۶/۴۲ اور المصنف لابن ابی شیبہ میں بھی احادیث موجود ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر اور اس کا گٹھا اپنی پشت پر لاد کر لائے، وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اس کو دیں یا منع کر دیں۔

(بخاری، رقم:۲۰۷۴، مسلم، رقم:۱۰۴۲، سنن نسائی، رقم:۲۵۸۴، مسند احمد، رقم:۷۳۱۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پاک اور حلال چیزوں کے کھانے کا حکم فرمایا۔ یہ حکم اس حکم کو متضمن ہے کہ ناپاک اور حرام چیزیں نہ کھائی جائیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! بے شک اللہ طیب ہے اور وہ سوائے طیب اور طاہر چیز کے اور کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ (طاہر کا معنی ہے وہ چیز جو فی نفسہ حلال ہے اور طیب کا معنی ہے وہ چیز جائز اور حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہو مثلاً چوری کا دودھ، دودھ تو فی نفسہ حلال ہے لیکن چونکہ حلال ذریعہ سے حاصل ہیں کیا گیا اس لیے وہ طاہر تو ہے لیکن طیب نہیں، اور انسان دودھ خرید کے لائے اور اس میں کوئی ناپاک چیز گر جائے تو وہ دودھ طیب تو ہے لیکن طاہر نہیں ہے) اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا ہے جس چیز کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سورۃ المومنون کی آیت نمبر 51 اور سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 172 پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو دور دراز کا سفر طے کر کے آتا ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں۔ وہ آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے: ''اے میرے رب! اے میرے رب! اس کا کھانا حرام ہوتا ہے، اس کا پینا حرام ہوتا ہے اور اس کا لباس حرام ہوتا ہے، اس کی غذا

حرام ہوتی ہے تو اس کی دعا کہاں سے قبول ہو گی؟
(مسلم، رقم: ۱۰۱۵، ترمذی، رقم: ۲۹۸۹، مسند احمد: ۲/ ۳۲۸)

عبدالوہاب بن ابی حفص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا داؤد علیہ السلام شام کو روزے سے تھے۔ افطار کے وقت ان کے پینے کے لیے دودھ لایا گیا۔ انہوں نے پوچھا: ''تمہارے پاس یہ دودھ کہاں سے آیا؟ کہا گیا: یہ ہماری بکریوں کا دودھ ہے۔ آپ نے پوچھا اس کی قیمت کہاں سے آئی؟ انہوں نے کہا: ''اے اللہ کے نبی! آپ یہ سوال کیوں کر رہے ہیں؟'' فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہم رسولوں کی جماعت کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم پاک چیزوں میں سے کھائیں اور نیک عمل کریں۔'' (شعب الایمان، بیہقی، رقم: ۵۷۶۹)

ام عبداللہ بنت شداد بن اوس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ سے تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افطار کے لیے ایک پیالہ میں دودھ بھیجا۔ اس وقت ابتدائی دن کا وقت تھا اور شدید گرمی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پیالہ واپس کر دیا اور پوچھا: ''جس بکری کا یہ دودھ ہے وہ بکری کہاں سے آئی ہے؟'' میں نے کہا: ''میں نے اپنے مال سے خریدی ہے۔'' تب آپ نے اس دودھ کو نوش فرمایا۔ دوسرے روز صبح کو ام عبداللہ بنت شداد خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: ''یا رسول اللہ!'' میں نے آپ کے پاس بہت اچھا دودھ بھیجا تھا، وہ دن بہت طویل اور سخت گرم تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ دودھ میری طرف واپس بھیج دیا تھا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''رسولوں کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ سوا طیب چیزوں کے اور کچھ نہ کھائیں اور سوا نیکی کے اور کوئی عمل نہ کریں۔'' (تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۲۷۴)

سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے طیب چیز کو کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگوں کو اپنے مظالم سے محفوظ رکھا، وہ جنت میں ہوگا۔'' (شعب الایمان، بیہقی، رقم: ۵۷۵۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کا ڈر اور اچھے اخلاق۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پھر پوچھا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو

Marfat.com

جہنم میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''شرم گاہ اور منہ۔''

(شعب الایمان، بیہقی، رقم:۵۷۵۶)

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہوگا جو اس مال سے بنا ہو جو لوگوں کا حق مار کر اور انہیں نقصان پہنچا کر حاصل کیا گیا ہو۔

(شعب الایمان، بیہقی، رقم:۵۷۵۷)

اسی سلسلہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے منہ میں مٹی ڈال لے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے منہ میں اس چیز کو ڈالے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔''

(شعب الایمان، بیہقی، رقم:۵۷۶۳)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو ان کے لیے کچھ مال کما کر لاتا تھا اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اس مال سے کھاتے تھے۔ ایک روز وہ کوئی چیز لے کر آیا۔ جس سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کچھ کھا لیا۔ پھر اس غلام نے آپ سے کہا: ''کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بتا کیا چیز ہے؟'' اس نے کہا کہ میں زمانہ جاہلیت میں کاہنوں کا کام کرتا تھا اور مجھے یہ کام اچھی طرح نہیں آتا تھا مگر میں لوگوں کو فریب دیتا تھا۔ آج مجھے ایک شخص ملا جس نے مجھے اس کام کا معاوضہ دیا، اور یہ وہی معاوضہ ہے جس سے آپ نے کھایا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنا ہاتھ حلق میں ڈالا اور ہر اس چیز کی قے کر دی جو ان کے پیٹ میں گئی تھی۔

(شعب الایمان بیہقی، رقم:۵۷۷۰)

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پاس ان کا ایک غلام طعام لے کر آیا۔ انہوں نے اس میں سے ایک لقمہ کھا لیا۔ پھر پوچھا: ''تم نے یہ طعام کیسے حاصل کیا تھا؟'' اس نے کہا: ''میں زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا پادری تھا۔ انہوں نے مجھے کچھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ آج انہوں نے مجھے یہ طعام دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''میں یہی گمان کرتا ہوں کہ تم نے مجھے

Marfat.com

اس طعام سے کھلایا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حرام کر دیا ہے۔ پھر آپ نے حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کر دی۔ پھر فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو گوشت لقمہ حرام سے بنا وہ جہنم کے زیادہ لائق ہے۔''

(شعب الایمان، رقم:۵۷۶۱)

یہ تمام احادیث ان دو آیات کی تفسیر اور تشریح میں تھیں جن میں تمام انسانوں اور رسولوں کو حلال اور طیب اشیاء کھانے کے لیے کہا گیا۔ لیکن ان آیات میں جہاں حلال اور طیب کی تاکید فرمائی وہاں اس بات کی بھی تاکید کی گئی کہ ''شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ کھانے پینے اور دیگر تمام اشیاء کے استعمال کرنے میں اور آمدنی کے تمام وسائل اور اسباب معیشت کی روح یہ ہے کہ ایک مسلمان کو ان تمام اشیاء سے اجتناب اور احتراز کرنا چاہیے جن سے شیطان خوش ہوتا ہے اور جن کی ترکیب ان عناصر سے کی گئی ہو جو جسمانی امراض کا سبب بنتے ہوں یا قوائے حیوانی کو مشتعل اور برانگیختہ کر کے ان کو اعتدال طبعی سے نکال کر روحانی اور بداخلاقی امراض کا باعث بنتے ہوں، اور ان تمام اشیاء سے بھی احتراز اور اجتناب ضروری ہے جو خود نمائی، تکبر، غرور و فخر، بے جا تعیش اور جابرانہ کبر و نخوت کا سبب بن کر مساوات اور مواسات باہمی کے رشتوں کو منقطع کر کے خود غرضی، ظلم اور بدخلاقی کی جانب دعوت دیتے ہوں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری اور لازمی ہے کہ جو شے کسب معیشت میں حاصل کی گئی ہو وہ اپنی ذات میں بھی اور حصول کے طریقوں میں بھی نفس کو پاک رکھتی اور خباثت نفس سے بچاتی ہو۔ علاوہ ازیں اس سے افراد امت کے لیے کوئی معاشی تنگی پیدا نہ ہو۔ ظلم و جبر اور سرکشی اور معاشی دست برد کے وہ جراثیم نہ پھیلتے ہوں جن سے سرمایہ دارانہ ذہنیت فروغ پاتی ہے اور عام انسانوں کو فلاکت و مسکنت کے قعر ہلاکت میں ڈالتی ہے۔ پس اگر آمدنی اور وسائل آمدنی میں ان تمام امور کا لحاظ رکھا جائے تو اس کو اسلامی نقطۂ نظر سے ''طیب'' کی یہی تفسیر کی ہے۔ چنانچہ علامہ رشید رضا نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

''طیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو اس لیے کہ نص قرآنی نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کی حرمت تو ذاتی ہے، اس

Marfat.com

لیے مضطر کے علاوہ کسی حالت میں کسی کے لیے ان کا استعمال درست نہیں، اور ان کے علاوہ جن اشیاء کی حرمت ان اشیاء کی حقیقت اور ذات میں نہیں پائی جاتی بلکہ باہر کے اسباب میں سے حرمت آتی ہے۔ ان کی ممانعت 'طیب'' کہہ کر کر دی گئی۔ پس جو شے ناحق لی گئی اور صحیح طریقہ سے حاصل نہیں کی گئی بلکہ سود، رشوت، جوا، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی گئی ہے وہ بھی حرام ہے۔ اس لیے کہ طیب نہیں ہے۔ پس ہر خبیث شے حرام ہے خواہ وہ خبث باہر کے اسباب و ذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر موجود ہو جیسا کہ کھانے پینے کی اشیاء میں سڑ کر بو آ جانا (جو کہ جسمانی مضرات کا سبب بنتا ہے)

(تفسیر المنار: ۱/ ۸۷، بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا حفظ الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ)

اسلام میں معاشی معاملات میں ایک اصول یہ مقرر کیا گیا ہے کہ تمام معاشی معاملات میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کی جائے، اور کوئی معاملہ ایسا نہ کیا جائے جو اسلام کے قانون کے خلاف ہو۔ یہ ہمہ گیر اصول اسلامی معاشیات کو وہ اعتدال اور توازن بخشتا ہے جو دنیا کے کسی نظام معیشت کو حاصل نہیں ہے۔ معاشی قوانین میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کس درجہ ضروری قرار دی گئی ہے، اس کا اندازہ سود کی حرمت والی آیت سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور بقیہ سودی لین دین کو ختم کر دو اگر تم ایمان دار ہو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے، اور اگر تم باز آ گئے تو اصل سرمایہ تمہارا حق ہے، نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم ہو۔''

(البقرہ: ۲۷۸)

یہ آیت کریمہ جب نازل ہوئی تو سودی کاروبار مملکت اسلامیہ کی حدود میں ایک فوجداری جرم بن گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مملکت اسلامیہ میں ہر جگہ یہ اعلان کروا دیا کہ جو قبیلہ یا جس قوم نے بھی اسلامی حکومت سے صلح کرنا چاہی تو صلح نامہ کی ایک

Marfat.com

دفعہ یہ قرار پائی کہ سودی کاروبار نہیں کرنا ہوگا۔ اگر کسی نے اس دفعہ کی خلاف ورزی کی تو صلح ختم ہو جائے گی اور اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے گا۔ اس شدت کی وجہ یہ ہے کہ کسی قوم یا ملک کی معاشیات کو غارت کرنے والی لعنتوں میں سے سب سے بڑی لعنت سود ہے اور اللہ جل شانہ کی عادلانہ حکومت مخلوق پر اس ہولناک ظلم کو کسی طرح برداشت نہیں کرتی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ﴾ (البقرہ:۲۷۶)

''اللہ سود کو مٹاتا ہے او رصدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔''

اسی مقام پر ایک اور آیت میں سود کی مذمت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ بیع بھی سود ہی کی طرح ہے جب کہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا۔ پھر جس شخص کے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آ جائے اور وہ سودی کاروبار سے رک جائے تو اس کے گذشتہ اعمال صاف ہو جائیں گے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو گا مگر جو پھر بھی یہ حرکت کرے گا وہ جہنمیوں کے زمرہ میں شمار ہو گا اور ہمیشہ اسی میں رہے گا۔'' (البقرہ:۲۷۵)

اس آیت کے تیور بتا رہے ہیں کہ معاشیات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور کسی بڑے سے بڑے گناہ پر جنگ کا الٹی میٹم نہیں دیا سوائے سود کے گناہ کے جو کہ ایک معاشی مسئلہ ہے۔

اصولوں پر اسلامی معاشیات کی جو عمارت تیار ہوتی ہے وہ صاف ستھری، مضبوط و مستحکم اور سادہ اور دیرپا ہوتی ہے۔ اس کے سایہ میں امیر و غریب، قوی و ضعیف، تاجر و خریدار، آجر و مستاجر اور زمین دار اور کاشت کار سبھی امن و چین کی زندگی بسر کرتے

Marfat.com

ہیں اور اپنے مقاصد زندگی اور مطمح نظر کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں۔ حکومت ان اصولوں سے مستنبط قوانین کی نگران ہوتی ہے۔ وہ اپنے ذرائع اور وسائل ایک طرف تو معاشی لوٹ کھسوٹ اور جبر وستم کو مٹانے پر لگائے رکھتی ہے اور دوسری طرف زندگی کے سلامی نقطۂ نظر پر ایمان رکھنے والوں کو ان کے مقاصد زندگی کے حصول کی طرف متوجہ رکھتی ہے، اور ان تمام چیزوں کو دور کرنے کی سعی کرتی رہتی ہے جو انسان کو دنیا پرستی کی طرف مائل کرتی ہے۔

اسلام ایک شہری کو دوسرے شہری پر کسی قسم کے ظلم وجبر اور زیادتی وتعدی کا حق نہیں دیتا۔ وہ سب کو اپنی حدود میں رکھتا ہے، اور اپنی اپنی حدود میں آزادانہ عمل کا اختیار دیتا ہے۔ اسلامی معیشت کا نظام ہر ہر فرد کے حق کی حفاظت کرتا ہے۔ اس نظام میں ایک بے اثر سے بے اثر آدمی بھی اس لیے با اثر ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس کا کوئی حق چھین نہیں سکتا۔ اسلامی نظام معیشت تمام شہریوں کی طبعی ضروریات کا کفیل ہے۔ وہ اگر معاشی مساوات کا اس حد تک علم بردار ہے کہ حکومت کی خاص، خاص آمدنیاں بلا امتیاز تمام شہریوں پر مساوی طور پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ حکومت اس بات کا خاص خیال رکھتی ہے کہ جو کچھ عوامی فلاح و بہبود اور رفاہِ عامہ کے کاموں کے سلسلہ میں اس کے خزانہ (بیت المال) میں جمع ہوا ہے اس کا حصہ سب تک ٹھیک ٹھاک پہنچ جائے۔ کسی طبقۂ گروہ یا فرد کو زیادہ نہ ملے اور نہ ایسا ہونے پائے کہ کوئی اس سے محروم رہ جائے۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنے انتظامی ڈھانچہ کو خاص انداز میں مرتب کرتی ہے۔ اسلامی نظام معیشت میں انسانی طاقت کا استعمال بھی جائز حدود میں کیا جاتا ہے۔ حکومت اپنے کارکنوں پر کوئی بوجھ ان کی طاقت سے زیادہ نہیں ڈالتی نہ وہ کسی دوسرے فرد یا طبقہ کو اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ دوسرے لوگوں کی محنت کا ناجائز استحصال کریں۔

"لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا" اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا، کا اصول صرف عبادت ہی کی حد تک نہیں ہے بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں اس کا یکساں اطلاق ہوتا ہے۔ اسلام کے ہاں جبری محنت کا طریقہ جرم ہے اور "اتوا کل ذی حق حقہ" (ہر حق دار کو اس کا حق دو) کی ہدایت اس نظریہ کی مظہر ہے۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ آج کا کوئی نظام ہو یا ہزاروں برس پہلے کا، ہر نظام میں انسانیت دو طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جس کے پاس طاقت ہوتی ہے، اس کو قانون بنانے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس کے پاس سرمایہ ہوتا ہے۔ جس کے پاس طاقت ہوتی ہے اس کو قانون بنانے کا اختیار ہوتا ہے۔ اس کے پاس سرمایہ ہوتا ہے جس سے وہ انسانی صلاحیتوں کو خرید سکتا ہے اور کاروبار کو اپنی مٹھی میں لے سکتا ہے۔ اور دوسرا طبقہ جس میں آبادی کی اکثریت شامل ہوتی ہے، حکومت اور دولت کی طاقت سے محروم ہوتا ہے۔ یہ کیفیت ابتداء سے ہر انسانی نظام میں پائی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں سرمایہ اور طاقت ہوتی ہے وہ اس طبقہ کا استحصال شروع کر دیتا ہے جس کے پاس سرمایہ اور طاقت نہیں ہوتی۔ اس طرح دو طبقے پیدا ہو جاتے ہیں جن کو اشتراکی اصطلاح میں بورژوا طبقہ اور پرولتاری طبقہ کہا جاتا ہے۔ اشتراکی مفکرین نے اس صورت حال کا علاج یہ سوچا کہ ذرائع وسائل کے اوپر سے افراد کی ملکیت ختم کر کے اسے پوری آبادی کی ملکیت میں دے دیا جائے مگر جب لوگوں سے ان کی ملکیتیں چھین لی گئیں تو اب اس کے انتظام اور ان کی دیکھ بھال کا سوال پیدا ہوا۔ یہ انتظام کمیونسٹ پارٹی کے حوالہ کر دیا گیا اور پھر وہی پہلی والی صورت پیدا ہوگئی کہ ایک طرف ایک ایسا طبقہ تھا جو حکومت کے اختیارات کے علاوہ سارے ملک کے کاروبار پر تنہا قابض تھا اور دوسری طرف عام آبادی تھی جس کے لیے زندگی کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں تھی کہ پہلا طبقہ جو انتظام کرے اس کے تحت وہ ملازمت قبول کرے۔ چنانچہ بہت جلد پھر وہی دو طبقات معرض وجود میں آ گئے جن کو مٹانے کے لیے اشتراکیت میدان میں آئی تھی۔ اس مشکل کا علاج صرف اور صرف یہ ہے:

(1) یہ حقیقت انسان کے ذہن نشین کر دی جائے کہ دنیا کی زندگی محض ایک امتحان ہے۔ اصل زندگی مرنے کے بعد شروع ہونے والی ہے جہاں اس دنیا کی کارگزاری کے مطابق ہر شخص کا مستقل بدلہ دیا جائے گا۔ وہیں کی کامیابی اصل کامیابی ہے اور وہیں کی ناکامی اصل ناکامی۔

(2) دوسرے یہ کہ معاشی معاملات کی تنظیم آدم اسمتھ اور کارل مارکس کے نظریات

Marfat.com

کے بجائے خدائی ہدایات کے مطابق کی جائے۔ کوئی شخص اتنا علم نہیں رکھتا کہ وہ انسان کی نفسیات اور اجتماعی زندگی کے پیچیدہ اور الجھے ہوئے مسائل کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔ یہ اہلیت صرف اسی کو ہے جس نے انسان کو تخلیق کیا ہے۔

جس طرح دنیا میں زندہ رہنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ فطرت کے قوانین معلوم کر کے ان پر عمل کیا جائے، اسی طرح تمدنی اور اجتماعی زندگی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ قاعدے مقرر کر دیئے ہیں اور ضروری ہے کہ ان پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جائے ورنہ زندگی کے جس معاملہ میں بھی اس سے انحراف کیا جائے گا۔ بجائے سنوار کے بگاڑ کی صورت نمودار ہو جائے گی۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ دونوں اصول معاشی مسئلہ کی اس پیچیدگی کو کس طرح حل کرتے ہیں کہ دولت ایک مخصوص طبقہ میں سمٹنے کے بجائے آبادی میں گردش کرنے لگے اور سب کی خوش حالی کا باعث ہو۔

یہ نظریہ آدمی کے اندر اور باہر دونوں طرف سے اثر کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہ ایسا ذہن بناتا ہے جس کے بعد دنیا کی اہمیت اس کی نظروں میں کم ہو جاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ روزی دینے والا اصل میں وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کے انتظام کے تحت زمین سے غلہ اگتا ہے۔ اس نے اگر صبح مجھے روزی دی ہے تو شام کو بھی ضرور دے گا۔ اور شام کو دی ہے تو صبح کو بھی وہی دینے والا ہے۔ پھر میں آخر کیوں دولت کے انبار لگاؤں۔ وہ دنیا میں اپنے آپ کو مسافر سمجھنے لگتا ہے جو موت کے بعد آنے والی زندگی کی طرف بڑھ رہا ہو۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ مسافر خانہ کے اس چند روزہ قیام کے لیے کیا سامان اکٹھا کرے۔ سامان تو دراصل آخرت کی زندگی کے لیے جمع کرنا چاہیے جہاں مستقل طور پر رہنا ہے۔ یہ نظریہ دنیا کی نعمتوں کو اس کی نظر میں بالکل ہیچ بنا دیتا ہے۔ جو کچھ اسے حاصل ہے اس کو وہ خرچ کرنے میں تامل نہیں کرتا اور جو کچھ حاصل نہیں ہے اس کے لیے کوئی حرص اس کے اندر پیدا نہیں ہوتی۔ پھر یہ نظریہ اس کو بدعنوانیوں سے بچاتا ہے کیونکہ اس کے خداوند جمہور نہیں ہوتے جن کو ساری بدعنوانیوں کے بعد محض ایک بیان کے ذریعہ مطمئن کیا جا سکتا ہو۔ وہ ایسے خدا پر یقین رکھتا ہے جو زبردست طاقتوں کا مالک

Marfat.com

ہے اور آدمی کے تمام کھلے اور چھپے حالات کو جاننے والا ہے۔ خدا کی گرفت کا ذکر اسے ناجائز نفع کمانے سے روکتا ہے اور اسے مجبور کرتا ہے کہ دوسروں کا حق مارنے کے بجائے لوگوں کا حق انہیں پہنچائے۔

دنیا کی بے ثباتی اور بے مائیگی:

سرکار دو عالم ﷺ نے عملی طور پر بھی اور اپنے ارشادات عالیہ کے ذریعہ بھی اس نظریہ کو مسلمانوں کے قلوب میں راسخ کرنے کی کوششیں فرمائی اور قرآن حکیم نے بھی اس نظریہ پر سارا زور بیان صرف کیا ہے اور بتایا کہ سکون و اطمینان، خوش حالی و فارغ البالی کی خاطر یا دولت کے انبار لگانے، عیاشی، تن آسانی کے لیے جھوٹ، فراڈ اور غلط طریقوں سے دولت اکٹھی کرنی ایک جرم ہونے کے علاوہ ایک بے حقیقت اور فرومایہ کام ہے۔ اتراف، تعیش پسندی اور تن آسانی کے لیے اپنا دن رات صرف کرنا اور دنیوی زندگی میں منہمک ہو جانا جس کو قرآن و حدیث نے اسے ''حب الدنیا'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اپنی زندگی کو فضول کاموں میں ضائع کرنا ہے کیونکہ یہ دنیا جس کے بنانے کے لیے ہم سارا دن ڈھور ڈنگروں کی طرح مصروف رہتے ہیں، صرف چند روزہ ہے۔ ادھر سانس کی ڈوری ختم ہوئی ادھر انسان کا رشتہ اس دنیا سے ایسا منقطع ہوتا ہے جیسے وہ نہ کبھی اس دنیا میں آیا تھا اور نہ کوئی تعلق اس کا اس دنیا سے رہا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے فرمایا:

''اے لوگو! دنیا ایک وسیع وعریض ساز وسامان کا نام ہے۔ اس میں سے نیک و بد دونوں کھاتے ہیں اور آخرت کا وعدہ سچا ہے۔ جس روز انصاف کرنے والا اور قادر وتوانا بادشاہ فیصلہ کرے گا، وہ حق کا اثبات کرے گا اور باطل کو غلط ثابت کر دکھائے گا۔ آخرت کے فرزند بنو دنیا کے بیٹے نہ بنو (کونو من ابناء الآخرۃ ولا تکونوا من ابناء الدنیا) کیونکہ جو جس کا بیٹا ہوگا وہ اس کے پیچھے چلے گا۔'' (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۴/۱۲۶)

Marfat.com

ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا:

((کن فی الدنیا کانک غریب اوعابر سبیل))

"دنیا میں اس طرح رہو جیسی پردیسی ہو یا راستے سے گزرنے والا مسافر ہو۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا عمل بھی اسی کے مطابق تھا۔ مشہور صحابی اور سنت نبوی کے سب سے بڑے عالم سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت ایک چٹائی پر استراحت فرما رہے تھے جس کے نشانات آپ کے پہلوؤں پر نمایاں تھے۔ میں نے (یہ نشان دیکھ کر) عرض کی: "یارسول اللہ! ہم آپ کے لیے ایک گدا نہ بنا دیں؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "میرا دنیا سے اور دنیا کا مجھ سے کیا تعلق؟" میں تو اس اونٹ کے سوار کی مانند ہوں جو کسی درخت کے نیچے ستانے کے لیے رکا اور پھر چھوڑ کر چل دیا۔" (ترمذی)

اس نظریہ کو ماننے کا نتیجہ تھا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان اپنی دن بھر کی کمائی شام کو یا تو خرچ کر دیتے تھے یا پھر اسے فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ جس نے آج دیا ہے وہی کل بھی دے گا۔ ان کی نظروں میں دنیا اتنی فرومایہ اور ہیچ ہوگئی تھی کہ اس کے سمیٹنے کو وہ وقت ضائع کرنے کے مترادف سمجھتے تھے۔ اگر ان کے پاس زیادہ دولت ہو جاتی تھی تو وہ پریشان ہو جاتے تھے کہ کہیں یہ آخرت کی طرف سے غافل نہ کرے۔ اور انہیں اطمینان اس وقت ہوتا تھا اور چین اس وقت آتا تھا جب وہ اس دولت کو دوسروں میں بانٹ کر ختم کر دیتے تھے۔ اس لیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ان کے پیش نظر تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کے نقوش ابھی تک ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئے تھے۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو بستر پر لیٹے ہوئے تھے اور نہایت بے چینی سے کروٹیں بدل رہے تھے۔ میں نے پریشانی خاطر کے باعث پوچھا تو ارشاد فرمایا:

"سات دینار کے سبب سے جو ہمارے پاس شام کو آئے تھے، رات ہوگئی ہے اور ہم انہیں خرچ نہیں کر پائے۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ لوگوں کا یہ مقدس گروہ جن کو قرآن حکیم نے "کنتم خیر امة" کا خطاب دیا اور "رضی الله عنهم و رضوا عنه" کی سند عطا فرمائی، اور جن کے بارے میں فرمایا:

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی﴾

(حجرات:۳)

"اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کا امتحان کر لیا تھا تقویٰ کے معیار پر یعنی ان کے قلوب کو پرکھ لیا تھا اور یہ اس امتحان میں کامیاب و کامران نکلے۔"

پھر انہی کے بارے میں "الراشدون" بھی کہا گیا یعنی وہ رشد و ہدایت کے پیکر تھے جن کی اتباع میں ہدایت نصیب ہوئی تھی بلکہ یہ لوگ ہدایت کی روشنی کے مینار تھے۔ ان کو دیکھ کر لوگ اپنی ہدایت کی راہیں منتخب کرتے تھے۔ پھر ان کے لیے "فوز عظیم" کا مژدہ بھی سنایا۔ اس مقدس اور راشد گروہ کا ہر فرد خود سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد گرامی کا حقیقی مصداق تھا:

"جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ فوت شدہ لوگوں کی پیروی کرے کیونکہ زندہ کو فتنہ سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ فوت شدہ حضرات اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اس امت میں سب سے افضل تھے، ان کے دل نیک تھے، ان کا علم گہرا تھا، وہ تکلف سے کوسوں دور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اس کے دین کی اقامت کے لیے چن لیا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو۔ ان کے نقش پا کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق و عادات سے سند پکڑو۔ بے شک وہ سیدھی راہ پر تھے۔"

(مشکوٰۃ: ص۳۲)

یہ لوگ حرام سے تو خیر بچتے ہی تھے مشتبہات سے بھی اپنے دامن کو آلودہ نہیں ہونے دیتے تھے، اس لیے کہ ان کے محبوب راہ نما اور معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سختی سے اس سے روک دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

Marfat.com

''حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن سے اکثر لوگ آشنا نہیں۔ پھر جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچا رہا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا، اور جو ان مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام کا شکار ہو گیا جیسے چرواہا سرکاری چراگاہ کے قریب اپنا ریوڑ چرا رہا ہو تو ہر وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ اس کے جانور چراگاہ میں چلے جائیں گے۔ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور زمین میں اللہ کی چراگاہ اس کے محرمات ہیں۔ یاد رکھو، جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو گیا تو سارا جسم درست رہتا ہے اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور یاد رکھو! وہ دل ہے۔'' (بخاری:۱/۴۱)

یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ دوسروں کی حق تلفی اور ناجائز انتفاع اور رشوت کے کسی ادنیٰ طور طریقے سے بھی سخت اجتناب واحتراز کرتے تھے کیونکہ انہیں یہ ڈر دامن گیر رہتا تھا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے اور آخرت کی زندگی میں جو مستقل اور دائمی ہے، ان کا کہیں ٹھکانا نہیں رہے گا، وہ تاجر ہوتے تھے تو دیانت دار تاجر تھے۔ وہ دوسروں کو نقصان پہنچا کر نفع کمانے کا تصور تک بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کو حکومت ملتی تھی تو وہ بڑی بڑی تنخواہیں اور الاؤنس نہیں لیتے تھے اور نہ ہی وہ ڈالروں سے جہاز بھر بھر کر باہر لے جاتے تھے اور دس پرسنٹ کے حساب سے کمیشن لیتے تھے اور نہ وہ بڑی بڑی قیمتی کاریں اپنی آمد ورفت کے لیے استعمال کرتے تھے بلکہ عام انسانوں کی طرح ان کے درمیان بالکل انہی کے انداز میں زندگی بسر کرتے تھے۔ جب انہیں کسی آبادی کا حکمران بنایا جاتا تو وہ یہ نہیں کرتے تھے کہ لوگوں سے ٹیکس وصول کر کے اپنے لیے عظیم الشان محل تعمیر کرواتے نہ گورنمنٹ ہاؤس بنواتے اور اس طریقے سے ٹیکسوں کی ساری رقم صرف کر دیتے بلکہ عوام سے وصول کی ہوئی دولت کو وہ عوام ہی طرف واپس کر دیتے تھے۔ ان واقعات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کتاب زندگی بھری پڑی ہے۔

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت مال و دولت سے نوازا تھا لیکن وہ اس کے ساتھ اقلیم سخاوت کے بھی شہنشاہ تھے۔ فقراء ومساکین اور اہل حاجت کے لیے

ان کے گھر کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ قیس بن حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش میں پیش پیش نہیں دیکھا۔ (فتح الباری: ۷/۶۶)

یہی بات سیدنا قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا۔

فما رایت اعطی الجزیل مال من غیر مسئلة منه

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۷، حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۸۸، الاصابہ: ۵/ ۲۳۵)

ایک مرتبہ آپ نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ سات لاکھ درہم میں فروخت کیا اور وہ ساری رقم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تقسیم کر دی۔ ایک مرتبہ آپ کی اہلیہ محترمہ نے فرمایا کہ ایک روز سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ گھر آئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ غم گین اور مضطرب ہیں۔ پوچھا: "کیا ہوا؟" "آپ اس قدر اداس کیوں ہیں؟" "کیا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی؟" فرمایا: "نہیں، تم تو نہایت اچھی بیوی ہو، اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس بہت سا مال جمع ہوگیا ہے، اسی کی فکر تھی کہ کیا کروں؟" میں نے کہا: "اس میں فکر کی کون سی بات ہے۔ آپ اسے غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیں۔" میرے منہ سے یہ بات سن کر اسی وقت خادمہ کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دی۔

(معجم کبیر طبرانی، رقم: ۱۹۵، حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۱۸۸، طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۷، مجمع الزوائد: ۹/ ۱۴۸)

روایات میں ہے کہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بنی تیم کے تمام تنگ دست اور قلاش خاندانوں کی کفالت فرماتے تھے اور اگر کوئی مقروض ہوتا تو اس کا قرض ادا فرماتے۔ چنانچہ صبیحہ التیمی پر تیس (30) ہزار کا قرض تھا جو آپ نے اپنی جیب خاص سے ادا کیا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۷)

آپ کے صاحبزادے موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرموت سے آپ کے پاس سات لاکھ درہم آئے۔ آپ نے پوری رات کروٹیں بدلتے گزاری۔ اہلیہ نے پوچھا: "کیا بات ہے آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟" فرمایا: "اللہ کی بندی! میں تو رات سے پریشان ہوں کیونکہ اس بندہ کے بارے میں اللہ کیا کہیں گے جس کے گھر

Marfat.com

میں رات بھر اتنا مال رہے۔'' آپ کی اہلیہ نے کہا؟ اس میں فکر کی کون سی بات ہے۔ آپ یہ مال غرباء اور فقراء میں تقسیم فرما دیں۔'' آپ نے فرمایا: ''تو بڑی نیک ہے اور نیک شخص کی بیٹی ہے۔ (آپ کی یہ اہلیہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں) تو نے تو میری پریشانی دور کر دی۔'' چنانچہ جب صبح ہوئی تو آپ نے تھال بھر بھر کر مہاجرین و انصار میں اس مال کو تقسیم کر دیا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا: ''ہمارے لیے اس مال میں سے کچھ نہیں؟'' فرمایا: ''اللہ کی بندی! تو سارا دن کہاں تھی؟ اب صرف یہی کچھ بچا ہے۔'' آپ کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ آپ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں ایک ہزار درہم تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۳۱)

بعض روایات میں ہے کہ ایک پہاڑ کے ایک طرف کنواں تھا اور وہاں کئی بکرے اور دوسرے جانور ذبح کر کے لوگوں کو کھانا کھلایا۔ کنواں خرید کر وقف کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عمل دیکھ کر فرمایا: ''انت طلحة الفیاض''

(مجمع الزوائد: ۹/ ۱۴۸، الاستیعاب: ۵/ ۲۳۵، الاصابہ: ۵/ ۲۳۲)

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی نہایت فیاض اور سخی تھے اور انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ویسے تو ہر صحابی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ میں پیش پیش تھا لیکن سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی اس صفت میں ایک خصوصیت تھی۔ آپ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، وہ روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک بہت بڑی رقم لاتے تھے، لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ اس مال میں سے آپ نے ایک حبہ بھی اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر کبھی صرف نہ کیا تھا بلکہ جو کچھ آتا وہ اسی وقت اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر دیا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنا مکان چھ لاکھ میں فروخت کیا۔ کسی نے کہا کہ آپ نے زیادہ قیمت لی ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں، اور ساری کی ساری رقم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر دی۔ (سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ۱/ ۵۷)

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے چار بیویاں چھوڑیں جن میں سے ہر ایک کو گیارہ گیارہ لاکھ ملے۔ آپ کا کل ترکہ تین کروڑ باون لاکھ تھا۔ سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا

Marfat.com

زبیر رضی اللہ عنہ کی میراث چار کروڑ تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۷۷)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک میں ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا برداشت کرنے کا ذمہ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے نوسو اونٹ ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد دیئے۔ جب یہ دینار سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھولی میں ڈالے تو راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ آپ ان دیناروں کو اپنے ہاتھوں میں اچھالتے اور خوشی اور انبساط سے فرماتے: ''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی کام نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' پھر فرمایا: ''اے اللہ! میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔'' (فتح الباری: ۷/ ۴۴، زرقانی: ۳/ ۱۶۴)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے۔ آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ مکہ مکرمہ میں بھی آپ تجارت کرتے تھے اور جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں بھی تجارت ہی کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کی برکت سے ان کے کاروبار میں بڑی برکت دی تھی۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں اگر پتھر بھی اٹھاتا ہوں تو اس کے نیچے سے بھی سونا نکل آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر بھی عطا فرمائی تھی۔ آپ نے خود بھی قابل زراعت زمین خریدی اور کاشت کاری شروع کر دی تھی۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ صرف ''جرف'' کے کھیتوں میں بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے۔ (الاستیعاب: ۲/ ۴۰۳)

اللہ تعالیٰ نے ڈھیروں دولت دی تھی اور ڈھیروں ہی انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کی جو کہ آپ کی سخاوت اور فیاضی پر دال ہے۔ ایک مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ آیا۔ اس میں سات سو اونٹوں پر صرف گیہوں، آٹا اور دوسری اشیائے خوردنی لدی ہوئی تھیں۔ (سبع مائة راحلة تحمل البر والدقيق والطعام) جب وہ عظیم الشان قافلہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوا تو پورے مدینہ میں اس کا شور مچ گیا۔ جب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کو اس قافلے کا علم ہوا تو فرمایا: ''میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((عبدالرحمن لايدخل الجنة الا حبواً))

Marfat.com

''عبدالرحمٰن جنت میں رینگتے ہوئے جائیں گے۔''

جب سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

یا امہ! اشھدک انھا باحمالھا و احلاسھا فی سبیل اللہ.

''اے اماں! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ اونٹوں کا پورا قافلہ مع اسباب و سامان بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں۔''

(مسند احمد:۶/۱۱۵، حلیۃ الاولیاء:۱/۹۸، طبقات ابن سعد:۳/۹۳، اسد الغابہ:۳/۳۱۶)

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں اپنا نصف مال چار ہزار درہم اللہ کے راستہ میں صدقہ کیے۔ پھر چالیس ہزار دینار صدقہ کیے اور پانچ سو گھوڑے مع سامان اور پانچ سو اونٹ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تقسیم کیے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کان عامة ماله من التجارة'' آپ کا اکثر مال تجارت کی وجہ سے تھا۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو چالیس ہزار دینار میں ایک قطعہ اراضی فروخت کیا اور وہ ساری رقم بنو زہرہ کے فقراء اور مہاجرین و انصار اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں تقسیم کر دی۔ مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کا حصہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ''یہ رقم کس نے بھیجی ہے؟'' عرض کیا کہ ''عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے۔'' فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: ''میرے بعد وہی لوگ تم پر مہربانی کریں گے جو صابر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ابن عوف رضی اللہ عنہ کو چشمۂ سلسبیل سے پانی پلائے۔''

(مسند احمد:۴/۱۰۴، مستدرک حاکم:۳/۳۰۱)

عروہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پچاس ہزار دینار اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی وصیت فرمائی اور ہر ایک آدمی کو ایک ہزار دینار دیا۔

زہری کہتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اصحاب بدر کے لیے وصیت فرمائی۔ اس وقت سو بدری صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ میں موجود تھے جن میں سے ہر

Marfat.com

ایک کو چار چار سو دینار ملے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ایک تھے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۱/۹۰، اسد الغابہ: ۳/۳۷۹)

ازواج مطہرات سلام اللہ علیہن کی خدمت کو اپنا سرمایۂ زندگی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ازواج مطہرات کے لیے ایک باغ کی وصیت فرمائی جو چار لاکھ میں فروخت کیا گیا۔

(مستدرک حاکم: ۳/۳۱۱، ترمذی، رقم: ۳۷۵۰)

اس سے قبل بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بڑی بڑی رقوم پیش کیں۔ ایک دفعہ ایک جائیداد ان کو پیش کی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی۔

ابونعیم نے جعفر بن برقان سے یہ روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار غلام آزاد کیے۔ (حلیۃ الاولیاء: ۱/۹۷)

اتنا کچھ اللہ کے راستہ میں دینے کے باوجود بھی آپ کے ترکہ میں حاصل ہونے والے سونے کو کلہاڑوں سے کاٹا گیا یہاں تک کہ کاٹنے والوں کے ہاتھوں کو چھالے پڑ گئے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد ان کی ہر بیوی کو ایک ایک لاکھ ملے۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فتح الباری (باب الولیمہ) میں یہ روایت نقل کی ہے کہ اس طرح ان کا ترکہ 32 لاکھ ہوا۔

خفاجی نے الشفاء کی شرح میں لکھا ہے کہ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد جب حج کیا تو سو اونٹ اور ایک ہزار بکریاں قربان کیں اور سو غلام آزاد کیے۔ ان کی گردنوں میں چاندی کے پتوں پر لکھا ہوا تھا: ''یہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی طرف سے اللہ کے لیے آزاد ہیں۔'' (نسیم الریاض: ۱/۴۰۶)

یہ صرف چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انفاق فی سبیل اللہ کے واقعات ہم نے ذکر کیے ہیں۔ اس قسم کے واقعات پر تو ایک ضخیم کتاب مرتب کی جا سکتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قلوب سے مال کی محبت نکال ہی دی ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک روز سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں سچا مومن ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تجھے کیسے پتہ چلا کہ تم سچے مومن ہو؟'' عرض کی: ''میں درہم و دینار اور پتھروں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔'' آپ نے

Marfat.com

فرمایا: ''واقعی تم سچے مومن ہو۔'' بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ڈھیروں مال کمایا لیکن ڈھیروں ہی غرباء اور فقراء پر خرچ کر دیا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مدینہ طیبہ میں کوئی شخص زکوٰۃ کو قبول کرنے والا نہیں تھا۔ یہی حال اسلامی ریاست کے دوسرے حصوں کا تھا۔

چنانچہ ایک حدیث میں سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ دفعۃً ایک شخص آیا اور اس نے بارگاہِ رسالت میں اپنی تنگ دستی اور ناداری کی شکایت کی۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے راہ زنی اور راستوں کے غیر مامون ہونے کی شکایت کی۔ ان دونوں کی شکایات سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عدی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''تم نے حیرہ دیکھا ہے؟'' سیدنا عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''دیکھا تو نہیں البتہ اس کے حالات سنے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر مکہ آئے گی اور یہاں کعبہ کا طواف کرے گی اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اس کے دل میں کسی اور کا ڈر اور خوف نہ ہوگا۔'' سیدنا عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ قبیلہ طے کے ڈاکو جنہوں نے شہروں میں لوٹ مار کی آگ لگا رکھی ہے، یہ بھلا کہاں چلے جائیں گے؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم زندہ رہے تو تم کسریٰ کے خزانے بھی فتح کرو گے۔'' میں نے ازراہِ تعجب پوچھا: ''کسریٰ بن ہرمز بادشاہ کے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے۔'' پھر فرمایا: ''اگر تم نے کچھ اور طویل زندگی پائی تو تم دولت کی فراوانی کا وہ دور بھی دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر کر سونا یا چاندی اس نیت سے لے کر نکلے گا کہ کوئی اس کو قبول کر لے لیکن کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ملے گا۔''

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ارشاد فرمودہ پیش گوئیوں سے میں نے امن کا وہ دور دورہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مقام حیرہ سے ہودج نشین عورت سفر کر کے آتی ہے اور کعبہ کا طواف کر کے واپس چلی جاتی ہے اور راستہ میں اس کو اللہ کے سوا کسی اور کا خوف نہیں ہوتا۔ اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے والوں میں تو میں خود بھی شریک تھا۔ اور اگر تمہاری عمر ہوئی یعنی جو لوگ زندہ رہیں گے وہ

تیسری بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی، وہ بھی دیکھ لیں گے یعنی مال کی وہ کثرت ہوگی کہ آدمی اپنی مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر گھر سے چلے گا تو اس کو قبول کرنے والا کوئی نہ ملے گا۔ (بخاری: ۱/۵۰۷، البدایہ والنہایہ: ۶/۱۸۸، شرح السنہ: ۵/۳۱)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال کی اس قدر کثرت والی پیش گوئی سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پوری ہوگئی۔

(الجواب الصحیح: ۴/۱۳۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو واقعات گزشتہ سطور میں ذکر کیے گئے ہیں یہ موجودہ دور میں نہایت عجیب وغریب نظر آتے ہیں کیونکہ موجودہ دور میں اور اس سے پہلے بھی جس قدر لوگ غریبوں کی حمایت میں اٹھے انہوں نے طبقۂ امراء سے دولت چھین کر غریبوں کو تو نہیں دی البتہ ان چند لوگوں کے حوالے کی جنہوں نے بعد میں بہت بڑے سرمایہ دار کی شکل اختیار کر لی، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مرضی اور خوشی سے کسی کے دکھلاوے کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی دولت دونوں ہاتھوں سے غرباء اور مساکین میں تقسیم کی اور دولت کے احتکار واکتناز کے بجائے اس کو پوری سوسائٹی میں منتشر کیا اور دولت کی گردش سے سوسائٹی میں خوش حالی اور فارغ البالی آئی یہاں تک کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ دولت کی فراوانی تو آج بھی بہت ہے لیکن یہ چند ہاتھوں میں آ کر رک گئی ہے، پھر اتنی دولت ہونے کے باوجود ابھی بھی ان کے دلوں میں سیری کے جذبات نہیں پیدا ہوئے، اور آج اگر کوئی اعلان کر دے کہ میں نے اپنی زکوٰۃ تقسیم کرنی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ بڑے بڑے سرمایہ دار جو زکوٰۃ کے قطعاً مستحق نہیں ہیں، وہ بھی زکوٰۃ لینے والوں کی قطار میں جا کھڑے ہو جائیں گے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دولت کی ہوس اور حب دنیا کا جذبہ اپنے پورے شباب پر ہے اور اتنی دولت ہونے کے باوجود بھی دلوں میں سیری پیدا نہیں ہوئی۔ حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دولت کی ہوس سمندر کا پانی پینے کے مترادف ہے۔ سمندر کا پانی نمکین ہوتا ہے جتنا پیو اتنی ہی پیاس بڑھتی ہے، پیاس بجھتی نہیں ہے۔ اسی طرح جن دلوں میں دولت کی ہوس اور حب دنیا کا جذبہ کروٹیں

Marfat.com

لیتا ہے، ان کے پاس ساری دنیا کے خزانے آجائیں پھر بھی کم ہیں۔ان کی سیری نہیں ہوتی۔شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل درست فرمایا

گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاک گور

وجہ یہی ہے کہ دلوں کی دنیا سنوری نہیں۔وہ اپنے مالوں میں صرف اپنا حق سمجھتے ہیں، غرباء اور مساکین کا ان میں کوئی حق نہیں سمجھتے جب کہ قرآن حکیم کہتا ہے:

﴿كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾

(الذاریات:۱۷-۱۹)

''جولوگ رات کو بہت کم سوتے ہیں، اوقات سحر میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، جن کے مالوں میں سائل کا بھی حق ہے اور اس کا بھی جو محروم ہے۔(مگر سوال نہیں کرتا)''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

''جو یتیم، مسکین اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ایسی حالت میں جب کہ کھانا خود ان کو محبوب و مطلوب ہوتا ہے (وہ خود ضرورت مند ہوں اور یہ ہو کہ) ہم صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھانا کھلاتے ہیں۔تم سے (بھوکوں اور ضرورت مندوں سے) نہ اس کا کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔'' (الدھر:۱۹)

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ بخل اور سخاوت فطرت انسانی کی دو خصلتیں اور دو وصف ہیں۔ان کی کچھ خصوصیات اور کچھ لوازم و تاثیرات ہیں۔بخل کے لیے حرص، طمع، تنگ نظری، خود غرضی، بزدلی، بے رحمی اور سنگ دلی لازمی صفات ہیں جن کے نتیجہ میں ذخیرہ اندوزی، چور بازی، رشوت، خیانت اور سود و قمار ایسے زہریلے انسانیت کش جراثیم پیدا ہوتے ہیں جو عوام کی خوش حالی اور انسانیت کو ڈستے ہیں اور ان میں بے اطمینانی اور پریشانی کا زہر پھیلا دیتے ہیں۔بخل کے مقابلہ میں سخاوت اور فیاضی ہے جو

دل کی بہادری اور حوصلہ کی بلندی چاہتی ہے۔ طبیعت میں بے نیازی پیدا کرتی ہے۔ دوسروں کی ضرورتوں کا احساس، ان کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا سخاوت اور جود و کرم کی اصل روح ہے۔ یہ روح جب کارفرما ہوتی ہے تو ہمدردی، غم خواری، رحم اور خدمت خلق کے جوہر جلوہ گر ہوتے ہیں یعنی انسانیت کا جوبن نکھرتا ہے، شرافت کا جھنڈا بلند ہوتا ہے، میل ملاپ اور محبت کی فضا ہموار ہوتی ہے۔ سخاوت اگر کارفرما ہو تو طبقاتی جنگ کی نوبت ہی نہیں آتی کیونکہ دولت مند طبقہ غرباء اور مساکین ہم درد و غم گسار ہوتا ہے اور غریب و نادار اس کے وفادار اور جان نثار ہوتے ہیں، اور اسی طرح ایک ایسا نظم قائم ہو جاتا ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہوتا ہے اور جو معاشرہ اور سماج کو اطمینان اور سکون کی دولت بخشتا ہے جس سے ایک دوسرے سے نفرت اور بغض نہیں بلکہ محبت اور باہمی اعتماد کی نعمت میسر آتی ہے، اور جب محبت اور اعتماد و تعاون کی کلیاں گلستان انسانیت میں چٹختی ہیں تو معاشرہ اور سماج رواداری اور شریفانہ اخلاق کا گلدستہ بن جاتا ہے۔ اسلام ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ جس طرح بخل کے نتائج یعنی ذخیرہ اندوزی، افراط زر کی ہوس اور سود وغیرہ انسانوں کی خوش حالی کو ڈستے ہیں تو اس کا اثر یہی ہو گا کہ وہ سرمایہ جو بخل کا معمل ہے خود ایک اژدہا بن جائے گا جو صاحب دولت کے گلے کا طوق بن کر اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا: ''میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیری دولت۔''

دولت کے سمٹاؤ کا اصل محرک یہ ہے کہ آدمی زندگی کی کامیابی اسی کو سمجھتا ہے کہ اس کے پاس کوٹھی، جائیداد اور بنک بیلنس ہو۔ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کا کوئی مصرف اس کے سوا اسے معلوم نہیں ہوتا کہ دنیا کی لذتیں حاصل کرنے میں اسے لگایا جائے۔ اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ کسی کے پاس سرمایہ اکٹھا ہو جاتا ہے تو اس کے خرچ کرنے کو وہ نقصان کا باعث سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک فائدہ کی صورت صرف یہ ہے کہ سرمایہ کو مزید سرمایہ اکٹھا کرنے کا ذریعہ بنائے۔ اس طرح سے تقسیم دولت کا توازن بگڑ جاتا ہے اور دولت کی گردش رک جاتی ہے۔ جو محروم رہ جاتا ہے وہ دن بدن اور زیادہ محروم ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ کچھ لوگوں کے پاس تو بے حساب دولت اکٹھی ہو جاتی ہے اور اکثر و بیشتر آبادی کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ زندگی کی معمولی ضروریات

Marfat.com

بھی فراہم نہیں کر سکتی۔

دولت کے سمٹاؤ کو صرف یہ نظریہ روک سکتا ہے کہ آدمی اس دنیا کے بعد آنے والی زندگی پر یقین کرے اور اس احساس کے ساتھ زندگی گزارے کہ یہ دنیا اکٹھا کرنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ آخرت کے لیے خرچ کرنے کی جگہ ہے۔ اسلامی تاریخ اس قسم کی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جن ملکوں میں اسلامی نظام قائم ہوا وہاں سے غریبی اور ناداری کا نام ونشان مٹ گیا یا کم از کم غریبی کا احساس مٹ گیا۔

موجودہ نظام معیشت:

موجودہ زمانہ میں اسلام کے نظام کے بالکل برعکس پوری دنیا میں جو نظام رائج ہے، اس میں انسان ایک درندہ کی شکل میں نظر آتا ہے جو دوسروں کا خون نچوڑنے کے لیے اپنے دانت تیز کر رہا ہے۔ اس کے دل میں ہمدردی اور رواداری کے جذبات بالکل نہیں ہیں بلکہ اس نظام کے تحت انسان ان جذبات و احساسات اور اس کو معاشی اور حیوانی انسان سمجھتے ہوئے معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس میں پیدائش دولت کے آلات و وسائل افراد کی ذاتی ملکیت ہوتے ہیں اور جو اشیاء و خدمات پیدا کی جائیں ان کی تقسیم و تبادلہ کا کام بھی ان ہی ہاتھوں سے انجام پاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس نظام میں لوگوں کی معاشی جدوجہد بجز حکومتی قوانین کے ہر قسم کی اخلاقی قیود سے آزاد ہوتی ہے۔ اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ نظام:

1- ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت

2- ذاتی منافع کے محرک

3- اور اخلاقی حدود و قیود کی عدم موجودگی سے مرکب ہے۔

ان فکری بنیاد پر جو نظام معیشت تشکیل پائے گا، یقینی بات ہے کہ اس میں افراد معاشرہ کے مابین وسائل معاش کو حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مسابقت کو مہمیز لگا کر تیز کر دے گا بلکہ اس کا رخ بالا دست طبقات کے حق میں بھی کر دے گی اور افادیت پسندی ان بالا دست طبقات کی استحصالی جدوجہد کو اخلاقی اعتبار سے سند جواز فراہم کر دے

Marfat.com

گی۔ان عناصر کی موجودگی میں سرمایہ دارانہ نظام معیشت استحصال (Exploitation) کے سم قاتل سے کسی صورت بھی پاک نہیں ہوسکتا۔

آج کل دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر جو کچھ امریکا اور اس کے اتحادی گزشتہ کئی برسوں سے کر رہے ہیں وہ دراصل سرمایہ دارانہ ایجنڈے کی تکمیل ہے نہ کہ دہشت گردی کا استیصال واختتام، کیوں کہ اس سے دہشت گردی بڑھ رہی ہے کم نہیں ہورہی وجہ یہ ہے کہ دہشت گردی پیدا ہوتی ہے غربت وافلاس اور عدل وانصاف سے محرومی کے باعث۔انسانی تاریخ میں ایسے معاشرے تو آپ کو بے شمار ملیں گے جہاں غربت اور فاقہ کشی ہولیکن معاشرہ میں عدل اور امن ہو۔مگر ایسے معاشروں کا فقدان ہے جہاں عدل نہ ہو اور اس کے باوجود امن وسکون پایا جائے۔جب بھی کسی قوم کو عدل و انصاف کی برکات سے محروم کیا جائے گا تو اس میں شدت پسندی، دہشت گردی اور انتہا پسندی وغیرہ فطری عمل کے طور پر پیدا ہوگی۔

سوویٹ یونین کے خاتمہ کے بعد امریکا پوری دنیا کا چوہدری بن گیا جو کہ سرمایہ دارانہ نظام کا قائد ہے۔اس کا مقصد ہے کہ کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ دنیا کو سرمایہ دارانہ نظام کی گرفت میں جکڑ لیا جائے۔چنانچہ وہ دنیا کے ہر ملک میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر دہشت گردی پھیلا کر دنیا کو سرمایہ داری نظام کی گرفت میں جکڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوا ہے۔سرمایہ دارانہ نظام کی اصل بنیاد کوپ جمنی (Copgemini) کی جون 2006ء کی ایک سروے رپورٹ ہے جو شائع ہوئی ہے، اس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ دنیا میں 87 لاکھ افراد ایسے ہیں جن کی دولت کروڑوں ڈالر بنتی ہے۔گزشتہ سال ان دولت مندوں اور مال داروں کی تعداد میں پانچ لاکھ افراد کا اضافہ ہوا ہے۔ان 87 لاکھ افراد میں 26 لاکھ 70 ہزار کا تعلق امریکا سے ہے۔ 7 لاکھ 67 ہزار کا تعلق جرمنی سے، 45 لاکھ 48 ہزار کا برطانیہ سے، تین لاکھ 20 کروڑ کا چین سے، ایک لاکھ نو ہزار کا برازیل سے، ایک لاکھ تین ہزار کا روس سے، ایک لاکھ 46 ہزار کا آسٹریلیا سے، 2 لاکھ 32 ہزار کا کینڈا سے اور 83 ہزار کا بھارت سے ہے۔

Marfat.com

فاربس میگزین کی ایک رپورٹ کے مطابق سنہ 2005ء میں دنیا میں ارب پتی افراد کی فہرست میں 194 امیر ترین اشخاص میں بل گیٹس پہلے نمبر پر، وارن بفے دوسرے، بھارت کے لکشمی میتل تیسرے نمبر پر اور سعودی عرب کے الولید طلال السعود پانچویں نمبر پر ہیں۔

مال کو مال اس لیے کہتے ہیں کہ دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے (ما یمیل الیہ القلب) اس سرمایہ داری نظام نے اب ان ملکوں کو بھی مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا ہے جو کسی زمانہ میں سرمایہ دارانہ نظام کے سخت مخالف اور کمیونزم اور سوشلزم کے علم بردار تھے بلکہ پوری دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے کا عزم صمیم کیے ہوئے تھے۔ لیکن اب وہ بھی سرمایہ دارانہ نظام کے اس بہتے دھارے میں چھلانگ لگا چکے ہیں۔ چنانچہ 27 جون 2006ء کو واشنگٹن پوسٹ کے شمار میں سٹیون مفسن کی ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ روس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کی تیل اور گیس کی سب سے بڑی کمپنی Dao Rosneft جس کی مالیت 60 بلین ڈالر سے زیادہ بتائی جاتی ہے، اپنے حصص لندن اسٹاک ایکسچینج میں فروخت کرے گی، اور ان کی مالیت 6ء11 بلین ڈالر ہوگی، اس لیے امریکہ اور یورپی بنک ان کو خریدنے کے لیے سرمایہ کا انتظام کر رہے ہیں۔ اسی طرح چین کی پارلیمنٹ نے 1949ء کے انقلاب کے بعد اب مارچ 2004ء میں اپنے آئین میں ترمیم کر کے پہلی بار نجی ملکیت کے تحفظ کے بارے میں ایک قانون کی منظوری دی ہے۔ اس ترمیم کے ذریعہ چین میں کمیونزم کی یہ بنیادی شرط ختم ہوگئی ہے کہ پیداوار کے ذرائع عوامی ملکیت میں ہوں گے۔ گویا اس وقت سرمایہ دارانہ نظام اپنے پورے عروج پر ہے۔ (اب یہ عراق اور افغانستان کی جنگ کے بعد روبزوال ہونا شروع ہوگیا ہے۔)

امریکہ میں فنانس کی ماہر انتونیا جو باز کی ایک کتاب ''دی بش ایجنڈا'' کے مطابق پوری دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کی مکمل اور سخت گرفت امریکا کے مفاد میں ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ صدر بش کی پالیسیوں کی وجہ سے امریکا کی 29 بڑی تیل کمپنیوں نے 2003ء میں 43 ارب ڈالر منافع کمایا جب کہ 2004ء میں 68 ارب ڈالر کا منافع

حاصل کیا۔ اس کتاب کے مطابق امریکا اپنے اس سرمایہ داری نظام کو بڑھانے اور اس کی گرفت مضبوط کرنے کے لیے مشرق وسطیٰ کے تیل اور گیس کے ذخائر پر اپنی کمپنیوں کے ذریعہ کنٹرول کر کے وہاں کی مارکیٹوں میں امریکی مصنوعات کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں مڈل ایسٹ فری ٹریڈ ایریا کے نام سے ایک آزادانہ تجارتی زون کام کر رہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ امریکا عسکری اور معاشی غلبہ حاصل کر کے دنیا میں امن قائم رکھ سکے۔

پاکستان اور نائیجریا بھی اب امریکا کے اس ایجنڈے کے پیروکار ہو گئے ہیں کہ دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کو فروغ دیا جائے اور دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے اور ساری دنیا کے غریب اور نادار لوگ ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے جائیں۔ ورنہ یہ بات ہر صاحب عقل و خرد کی سمجھ سے بالا بلکہ باہر ہے کہ کوئی ملک اپنے اور اپنے غریب عوام کے سرمایہ سے بنے ہوئے ادارے اونے پونے میں فروخت کر دے جو اسے ہر سال اربوں روپے منافع کما کر دے رہے ہیں جیسے پی ٹی سی ایل، حبیب بنک، مسلم کمرشل بنک وغیرہ۔ اور اسٹیل ملز کی تو قسمت اچھی تھی کہ اس کو سپریم نے بچا لیا وگرنہ وہ تو بالکل مفت میں جا رہی تھی۔ یہ ادارے حکومت کے لیے نہایت منافع بخش تھے لیکن سرمایہ دارانہ نظام کو مضبوط کرنے کے لیے بڑی بے دردی سے انہیں ذبح کر دیا گیا۔

آج بش اور اس کے حلیفوں نے دہشت گردی کا ایک ٹوپی ڈرامہ رچایا ہوا ہے اور اس کی آڑ میں یہ دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر کر رہے ہیں تاکہ دنیا کے تمام پیداواری وسائل کو اپنے من پسند اداروں کی گرفت میں دے کر کرۂ ارض کے انسانوں کی تقدیر سے کھیل سکیں۔ اس جنگ میں کتنے بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں اس کی انہیں کوئی پروا نہیں۔ بش اور اس کے حواری ممالک کے لیے دہشت گردی ختم کرنے کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ تمام دنیا کے انسانوں کو ان کا جائز حق زندگی دے دیا جائے نہ کہ بارود کی طاقت سے انہیں کچل دیا جائے۔

سرمایہ دارانہ نظام سے تو دنیا پہلے ہی تنگ آ چکی ہے۔ بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔ دنیا میں اس وقت اثاثہ جات کے لحاظ سے پہلے نمبر پر جو کمپنی ہے اس کا نام وال مارٹ ہے۔ اس کمپنی کے بڑے بڑے

Marfat.com

ڈیپارٹمنٹل اسٹورز ہیں جن میں ہر قسم کی مصنوعات ملتی ہیں۔ اس کمپنی کے اثاثہ جات (Assests) 2لاکھ 15ہزار 8سو 12ملین ڈالر ہیں۔ دوسرے نمبر پر جو کمپنی ہے اس کے اثاثے 1لاکھ 91ہزار 581ملین ڈالر ہیں۔ تیسرے نمبر پر جنرل موٹرز ہے جو موٹر گاڑیاں بنانے والی کمپنی ہے۔ اس کے اثاثے ایک لاکھ 77ہزار 260ملین ڈالرز ہیں۔ امریکہ کی اے ٹی اینڈ ٹی ٹیلی فون کی کمپنی کے اثاثہ جات 59ہزار ایک سو 42ملین ڈالرز ہیں۔ سٹی گروپ ایک لاکھ 12ہزار 22ملین ڈالرز، بنک آف امریکا گروپ 52ہزار 641ملین ڈالرز، مرک کے 47ہزار 715ملین ڈالرز کے اثاثے ہیں۔

یورپ میں جرمنی کی کمپنی ڈیملر کرسلر پہلے نمبر پر ہے اور اس کے اثاثوں کی مالیت ایک لاکھ 50ہزار 69ملین ڈالرز ہے۔ اس کے علاوہ برطانوی کمپنی رائل ڈچ شیل گروپ دوسرے نمبر پر ہے۔ اس کے اثاثہ جات کی مالیت ایک لاکھ 49ہزار 146ملین ڈالرز ہے۔ برطانوی کمپنی بی پی کے اثاثوں کی مالیت ایک لاکھ 48ہزار 62ملین ڈالرز ہیں۔ فرانس کی کمپنی ٹوٹل کے اثاثے ایک لاکھ پانچ ہزار 869ملین ڈالرز ہیں۔ جرمن کمپنی فاکس ویگن 78ہزار 851ملین ڈالرز، جرمن کمپنی سیمنز 74ہزار 858ملین ڈالرز، ڈوچے بنک 67ہزار ایک سو 33ملین ڈالرز، فرنچ کمپنی کیرفور 59ہزار 878ملین ڈالرز، سوئٹزرلینڈ کی کریڈٹ سوئس 58ہزار 315 ملین ڈالرز، اٹلی کی فیٹ کمپنی 53ہزار 190ملین ڈالرز اور سوئٹزرلینڈ کی کمپنی نیسلے 48ہزار 224ملین ڈالرز کے اثاثہ جات رکھتی ہے۔

ایشیا کی بڑی کمپنیوں میں 21 کا مالک جاپان ہے جب کہ تین چین اور ایک جنوبی کوریا کی ہے۔ ایشیا کی 25 کمپنیوں میں جاپان کی کمپنی مستوبشی پہلے نمبر پر ہے۔ اس کے اثاثوں کی مالیت ایک لاکھ 26ہزار 579 ملین ڈالرز ہے، ٹیوٹا موٹرز ایک لاکھ 21ہزار 416ملین ڈالرز، نسان موٹرز 55ہزار 77ملین ڈالرز، توشیبا 53ہزار 828ملین ڈالرز، فیوجی ناسو 49ہزار 927ملین ڈالرز، چین کی سینوپک 45ہزار 3سو 45ملین ڈالرز، چائنا نیشنل پٹرولیم 48ہزار 68ملین ڈالرز اور جنوبی کوریا کی سام سنگ الیکٹرانکس کے 38ہزار 490ملین ڈالرز کے اثاثے ہیں۔

Marfat.com

یہ صرف چند کمپنیوں کے اثاثوں کا ذکر کیا گیا ہے وگرنہ بے شمار کمپنیاں ایسی ہیں جن کے اثاثے بھی بلین ڈالرز کے ہیں۔ گویا اس وقت دنیا میں دولت کے دریا بہہ رہے ہیں لیکن سرمایہ دارانہ نظام نے دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز کر کے غریبوں کے جسموں سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا ہے، اور اب حالت یہ ہے کہ غریب مالک یا تو بھوک اور غربت کے شکار ہیں یا پھر ان سرمایہ دار ملکوں کے مقروض ہو کر اپنے عوام کا خون سود کی شکل میں نچوڑ نچوڑ کر ان سرمایہ داروں کو دے رہے ہیں۔ دولت کے ان بہتے دریاؤں اور نہروں سے غریبوں کو ہاتھ دھونے کی بھی اجازت نہیں، پانی پینا تو بہت بڑی بات ہے۔

Marfat.com

اسلام میں مال کی اہمیت

اسلام میں مال کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اس پر دنیوی زندگی کا سارا دارومدار ہے۔ مال کے بغیر کئی عبادات سے آدمی عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے اسلامی نظام معیشت میں انفرادی ملکیت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے بلکہ اس کا پورا ڈھانچہ انفرادی ملکیت پر قائم ہے۔ اگر انفرادی ملکیت کو قبول نہ کیا جائے تو نہ صرف اسلام کے معاشی قوانین بے کار ہو کر رہ جائیں بلکہ دین اسلام کا ایک رکن زکوٰۃ بھی عملاً غیر ضروری قرار پائے گا، اسی طرح دوسرا رکن حج بھی کروڑوں افراد کے لیے عملاً ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں معاشی قوانین کا عظیم الشان مسئلہ بھی باقی نہ رہے گا۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے معاشی قوانین انفرادی ملکیت کی اساس پر قائم ہیں۔ اس لیے انفرادی ملکیت پر الگ سے کسی دلیل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ زکوٰۃ اور میراث سے متعلق آیات، انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں آیات قرآنیہ، قرض اور خرید و فروخت کے متعلق آیات، خلع اور مسئلہ رضاعت کے احکام پر مشتمل آیات، نیز کثیر التعداد احادیث سب کی سب انفرادی ملکیت کے دلائل و براہین ہیں۔ اسی طرح کم ناپنے اور تولنے کی ممانعت، چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا، اور اس طرح کے بیسیوں مسائل جو آیات و احادیث میں موجود ہیں، وہ سب انفرادی ملکیت کے دلائل و براہین ہیں۔ مختصر بات یہ ہے کہ اس دنیوی اور دینی زندگی کے قوانین کا ڈھانچہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا اور اسلام نے اپنے بندوں سے جس نوع کی زندگی بسر کرنے کا مطالبہ کیا ہے، وہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک اس کی حاصل کی ہوئی چیزوں پر اس کے مالکانہ حقوق تسلیم نہ کیے جائیں۔

Marfat.com

فی الواقع انفرادی ملکیت کے حق کی نفی اس نقطۂ نظر کی نفی ہے جو اسلام نے زندگی کے بارے میں عطا کیا ہے۔نیز اس بات میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں کچھ ایسی احتیاجات رکھ دی ہیں جن کی تسکین و تکمیل کے لیے وہ ہر وقت بے قرار رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ جس نے یہ احتیاجات انسان کی فطرت میں رکھی ہیں اس نے خارج میں ایسے وسائل اور انسان کے داخل میں ایسے قوائے علم وعمل پیدا فرما دیئے ہیں جن سے کام لے کر وہ اپنی ان احتیاجات کی تسکین و تکمیل کا سامان پیدا کرتا ہے۔اس وجہ سے پیدائش کا عمل انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ ایک مسلمان معاشی اعتبار سے آسودہ حال رہے۔اور وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر وسائل کائنات سے استفادہ کرنے کے لیے جدوجہد کرے تو وہ انہیں رزق اور دولت سے نوازتا ہے۔اگر تلاش رزق کرنے والے یہ ہاتھ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے ہوں تو اللہ رب العزت کی رزق رسانی کی سنت کامل ترین انداز میں ظاہر ہوتی ہے۔چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

"یعنی اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ کی روش پر گامزن رہتے تو ہم آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے ان پر کھول دیتے،لیکن انہوں نے تکذیب کی (اور اللہ کے پیغمبروں کو جھٹلایا) پس ہم نے ان کے (برے) اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑا۔" (الاعراف:۹۶)

اسلام علوم وفنون میں ایک مسلمان کی دلچسپی اور ترقی کرنے کو نہ صرف نظر استحسان سے دیکھتا ہے بلکہ اس پر بڑا زور دیتا ہے۔اس جدوجہد کا ایک مقصد تو معرفت الٰہی کا حصول ہے،دوسرا مقصد یہ ہے کہ انسان ان وسائل و آلات تک رسائی حاصل کر لے جو زور پیداواری اور کثیر پیداواری کا باعث بن کر اس کی نہ صرف ضروریات کو پورا کرے بلکہ اس کی احتیاجات کی لذتوں سے بھی اسے شاد کام کرے۔انسان کا اپنے علوم وفنون اور اپنی جسمانی اور ذہنی کدوکاوش کو ذریعہ معاش بنانا اسلام میں عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے

((طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة))

''یعنی کسب حلال کی طلب فرض عبادات کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔''

اس کی خاطر نماز تہجد جیسی عظیم عبادت میں تخفیف کر دی گئی ہے۔

انسان یہ سب جدوجہد اس وجہ سے کرے گا کہ جو کچھ وہ اپنی محنت سے کمائے وہ اس کی ملکیت میں ہو۔ اگر اس کی محنت کا نتیجہ اور ثمرہ کوئی دوسرا لے جائے تو وہ کبھی بھی محنت و کاوش میں دلچسپی نہیں لے گا۔ اس وجہ سے اسلام نے فرد کو حق ملکیت عطا کیا ہے، لیکن وہ ایسا حق ملکیت نہیں ہے جو سرمایہ دارانہ نظام نے دیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملکیت ہے کیا اور ملکیت کسے کہتے ہیں؟ ملکیت سے مراد کسی مال یا شے پر کسی فرد کا قبضہ اور اس شے یا مال کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرنے کا حق ہے۔ علامہ مقدسی کے مطابق ملکیت انسان اور شے کے مطابق وہ خصوصی تعلق ہے جو شرعاً دوسروں کے لیے اس شے یا مال سے استفادہ میں رکاوٹ اور اس انسان کے تصرف اور استعمال کے لیے وجہ جواز بنتا ہے۔ البتہ اگر کوئی مانع ہو تو یہ الگ بات ہے جیسے جنون وغیرہ۔ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''ملکیت کسی شے میں تصرف پر وہ قدرت اور حق ہے جو کسی انسان کے لیے شارع علیہ الصلوٰۃ السلام کے ثابت کرنے سے ابتدائی طور پر ثابت ہوتا ہے مگر یہ کہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں یہ حق ملکیت حقیقی ہے لیکن اسلام میں یہ حق ملکیت عارضی ہے کیونکہ اسلام میں کائنات کی ہر چیز کا مالک درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں جیسا کہ قرآن حکیم کی مختلف آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (بقرہ:۲۸۴)

''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے۔''

اس آیت میں اور قرآن حکیم کی دوسری آیات کی رو سے اصل مالک تو ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کو اشیاء کے حقوق ملکیت اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اور اس کی حیثیت ایک مقدس امانت کی ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ان اشیاء میں تصرف کا حق رکھتا ہے، لیکن اس سلسلہ میں اسے مالک حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی رضا اور اس کا منشاء ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔

Marfat.com

ایک نائب خدا ہونے کی حیثیت سے انسان کے ذمہ دنیا وآخرت کی فلاح و صلاح کا حصول ہے اور اس کائنات کی ہر شے کا مقصد وجود انسان کو اپنے مقصد اور تگ و تاز زندگی میں کامیابی کے مواقع فراہم کرنا ہے، اس لیے حق ملکیت کا حصول انسان کا مقصد زندگی نہیں بلکہ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَمۡوَالَكُمُ الَّتِىۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِيٰمًا﴾ (النساء:۵)

''(اگر یتیم کم عقل ہوں تو ان کم عقلوں کو) وہ مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے (اسے کام کا پیدا کیا ہے کہ ان کو) تمہارے (سب کے) لیے مایۂ زندگی بنایا ہے۔''

آیت کے اس ٹکڑے میں ایک طرف تو مال کی اہمیت بتائی اور واضح کیا کہ انسانی معاش میں اس کا بڑا دخل ہے لہٰذا اس کی حفاظت کا داعیہ قلوب میں پیدا کیا گیا۔ نہ صرف حفاظت کا داعیہ پیدا کیا گیا بلکہ اس کی حفاظت کو ضروری قرار دیا گیا اور اس کا ضیاع گناہ قرار دیا۔ اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے اگر کوئی شخص مقتول ہو جائے تو وہ شہید ہے۔ جیسا کہ جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہونے پر شہادت کا اجر موعود ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے جو شخص مقتول ہو جائے وہ شہید ہے۔''

(بخاری:۱/۳۳۷، مسلم:۱/۸۱)

ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نیک آدمی کے لیے اس کا اچھا اور پاکیزہ مال بہترین متاع حیات ہے۔'' (مشکوٰۃ: ص۳۲۶)

چونکہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی وحدت کی اکائیاں ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی چند افراد یا کسی ایک طبقہ کی ملک نہیں ہونی چاہئیں بلکہ تمام افراد انسانی کو استفادہ کا موقع ملنا چاہیے اور محروم افراد کے ساتھ ہمدردی اور اخوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں بھی اس مال سے استفادہ کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے پسندیدہ شخص وہ

Marfat.com

ہے جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔'' (مشکوٰۃ: ص۳۲۴)

انسان کو اگر چہ مال اور دیگر اشیاء پر ملکیت کے اختیارات دیئے گئے ہیں لیکن یہ اختیارات بطور آزمائش اور امتحان دیئے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ آزمائش اسی صورت میں ہوتی ہے جب انسان کو اختیار اور اپنی پسند و ناپسند کے مطابق عمل کی آزادی حاصل ہو۔ البتہ اس اختیار کو اس طرح محدود کیا گیا کہ اس کی آزادیٔ ملکیت سے دوسرے افراد کی آزادی مجروح نہ ہو اور اس آزادی سے معاشرہ فساد اور فتنہ برپا نہ ہو۔ قرآن و سنت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اموال و املاک پر افراد کو نجی ملکیت کا حق حاصل ہے ورنہ قانون وراثت، نظام زکوٰۃ، عشر و صدقات، نظام نفقات اور قانون وصیت وغیرہ سب بیکار ہو جائیں کیونکہ ان تمام احکام پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اموال و املاک انسان کی ذاتی ملکیت میں ہوں۔ تاہم یہ مالکانہ حقوق مطلق نہیں بلکہ مشروط ہیں۔

اسلام نے ایک فرد کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ بعض حدود کے اندر رہتے ہوئے مال جمع کر سکتا ہے۔ مال کو جمع کرنا اسلام میں اسی صورت میں ناپسند کیا گیا ہے جب اس سے سرمایہ دارانہ ذہنیت پیدا ہو یعنی آدمی بخل اور شح سے کام لے، مال کی ہوس پیدا ہو جائے، دوسروں کے حقوق کو پامال کرے اور ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے مال اکٹھا کرنے لگے۔

اسلام نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ اپنی اور اپنے عزیز و اقارب کے مستقبل کی ضروریات کے لیے یا اچھے مقاصد کے لیے، یا اپنے ورثاء کے لیے ترکہ چھوڑنے کی غرض سے مال جمع کرے، خواہ وہ پراپرٹی کی صورت میں ہو یا زر نقد کی صورت میں، وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اپنے اہل و عیال کے لیے مال چھوڑ کر مرنا اس سے بہتر ہے کہ آدمی ان کو مفلس اور بے سہارا چھوڑ کر مرے۔'' (بخاری)

معلوم ہوا کہ ورثاء کے لیے ترکہ چھوڑ جانا ایک اچھی بات ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں جو سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی:

Marfat.com

''یارسول اللہ! میں نے توبہ کرتے وقت یہ بھی طے کیا ہے کہ میں اپنے سارے مال سے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے صدقہ کے طور پر دست بردار ہو جاؤں گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے مال کا ایک حصہ اپنے پاس روک لو کیونکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا۔'' عرض کیا: ''مجھے خیبر میں جو حصہ ملا ہے اسے میں روک لیتا ہوں۔''

(بخاری، باب لاصدقة الاعن ظهر غنى:۱/۲۴۶)

بعض روایات میں ہے کہ حضرات صحابہ میں مال جمع کرنے کے خلاف کچھ انتہا پسندانہ رجحانات پیدا ہو گئے تھے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ دنیا چونکہ ایک عارضی قیام گاہ ہے لہٰذا اس میں مال جمع کرنے کا کیا فائدہ؟ چنانچہ ان کو اعتدال کی تلقین کی گئی جیسا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں روایت نقل کی ہے کہ ایسے لوگوں کی طرف سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خط لکھا کہ

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ عطا کیا ہوا ہے اسے سنبھال کر رکھو کیونکہ زندگی کا یہ معاملہ کافی مدت کی گنجائش رکھتا ہے۔'' (الادب المفرد: ص ۶۹)

اسلام کے مال جمع کرنے کی اسی اجازت کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات پر بہت سا مال چھوڑا جو ان کے وارثان میں شریعت کے مطابق تقسیم کیا گیا۔ بخاری میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ میں سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے اپنی واجب الاحترام خالہ سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی خدمت کرنے کے لیے بہت سا مال بھیجا، لیکن خالہ محترمہ اپنی عادت کے مطابق اس مال کو خرچ کر ڈالتی تھیں کیونکہ خالہ کو وہی شان نبوی پسند تھی کہ ایک وقت کھائیں اور دوسرے وقت فاقہ کریں۔ ایک روز سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ دیا: ''خالہ! یہ غیر معمولی خیرات بند کریں ورنہ میں اس پر قانونی پابندی لگا دوں گا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب معلوم ہوا کہ بھانجے نے یہ کہا ہے تو قسم کھالی کہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بات نہیں کروں گی۔''

Marfat.com

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خالہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کی یہ بات سنی تو سخت بے چین ہوئے اور معافی کی درخواست کی لیکن سیدہ رضی اللہ عنہا نے درخواست رد کر دی۔ بالآخر باثر بزرگوں کو درمیان میں ڈال کر منت سماجت کی اور معافی ہوئی اور خالہ رضی اللہ عنہا نے بھی قسم ختم کر دی۔ قسم تو ختم ہو گئی لیکن اس کے ساتھ سیدہ رضی اللہ عنہا کو ایک عجیب پریشانی لاحق ہو گئی کیونکہ قسم میں انہوں نے جو الفاظ کہے تھے، وہ یہ تھے:

لله علی نذر لا اکلم ابن الزبیر. (بخاری: ۲/۸۹۷)

''اللہ کے لیے میرے ذمہ نذر ہے کہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بات نہیں کروں گی۔''

یہ الفاظ مبہم تھے۔ نذر کی تصریح نہیں تھی کہ نذر کس بات کی؟ اس کے لیے چالیس غلام آزاد کر دیئے۔ پھر بھی روتی تھیں کہ خدا جانے کہ اس غیر معین نذر کا کفارہ ادا ہوا یا نہیں۔

انسان کو جو ملکیت کا اختیار دیا گیا ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ محدود ہے۔ مالک حقیقی تو حق تعالیٰ شانہ ہیں۔ انہوں نے انسان کو جو ملکیت کا اختیار دیا ہے، وہ چند حدود و قیود کا پابند ہے۔

﴿ وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰکَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَکَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ﴾ (قصص: ۷۷)

''اور یہ جو مال اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر (بنانے) کی فکر کر اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ فراموش نہ کر، جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اوروں کے ساتھ احسان کر، اور ملک میں فساد (برپا کرنے) کا خواہاں نہ ہو۔''

اسلام نے جہاں فرد کو حق ملکیت دیا وہاں اس کے استعمال اور تصرف کے حدود بھی مقرر کر دیئے۔ چنانچہ اسلام نے اس کے پانچ حدود مقرر کیے۔

Marfat.com

1_ مال کو ضائع کرنے کی ممانعت:

اسلام نے جہاں فرد کو ملکیت کا حق دیا وہاں اسے اپنی ملکیت کو ضائع کرنے کی ممانعت بھی فرمادی کیونکہ مالک حقیقی چونکہ حق تعالیٰ ہیں اور یہ مال انسان کے پاس ان کی امانت ہے اور ایک امین کو امانت میں خیانت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں مال کے ضیاع کو فساد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں اس لیے دوڑ دھوپ کرتا پھرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ و برباد کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔" (البقرہ: ۲۰۵)

بعض حضرات نے "تولی" کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے اس کا معنی حکومت کیا ہے۔ اس معنی سے مطلب یہ ہوگا کہ جب اس کو ملک میں اقتدار حاصل ہوتا ہے تو وہ اس بات کی سعی و کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔

حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراحت سے فرمادیا: "مال کو ضائع کرنا ممنوع ہے۔" (الادب المفرد: ص ۴۵)

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے:

قیل و قال، واضاعة المال، و کثرة السوال

قیل وقال کرنا، مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا

محدثین نے مال کو ضائع کرنے کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

"اضاعت مال سے مراد مال کو غیر شرعی طور پر صرف کرنا اور بے جا تلف کرنا ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاشرہ میں بگاڑ اور فساد پیدا کرنے کے مترادف ہے اور حق تعالیٰ شانہ فساد کرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ علاوہ

Marfat.com

ازیں جب کوئی شخص اپنا مال ضائع کردے گا تو پھر وہ کسی دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔" (نووی شرح مسلم)

جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

"تمہارے مال جن کو اللہ نے تمہاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔" (النساء:۴)

معلوم ہوا کہ مال ایک نہایت مفید شے ہے۔ اس سے بہت سے دینی کام ہو سکتے ہیں۔ مفید اشیاء کو ضائع اور تلف کرنا انسانیت کا مشترکہ نقصان ہے، اس لیے مال کے ضائع کرنے سے سختی سے منع کیا گیا۔ اس وجہ سے جنگ کے موقع پر بھی تلف مال سے سختی سے روکا گیا، لیکن اگر حالت جنگ میں دشمن کی طاقت توڑنے کے لیے مال تلف کرنا ضروری اور ناگزیر ہو جائے تو پھر اس کی اجازت دی گئی ہے۔

2__ غیر شرعی مصارف میں صرف کرنے کی ممانعت:

اسلام نے مال کمانے پر بھی پابندی عائد کی ہے اور مال خرچ پر بھی پابندی لگائی ہے۔ چنانچہ ہر وہ کام جو معاشرہ اور اخلاق کے لیے تباہ کن ہو وہاں مال خرچ کرنے سے روکا گیا، اس لیے شراب خوری، زنا کاری، جوا بازی، سٹہ بازی اور دوسرے تمام محرمات میں مال خرچ کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ ان کاموں میں مال صرف کرنے کو قرآن حکیم میں "تبذیر" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور جائز مقاصد میں حد اعتدال سے زیادہ صرف کرنے کو "اسراف" کہا گیا ہے۔ اور ان دونوں کی اسلام میں ممانعت کی گئی لیکن تبذیر کی ممانعت زیادہ شدید اور سخت ہے کیونکہ تبذیر کا مطلب ہے "انفاق فی غیر حق۔"

3__ اسراف کی ممانعت:

اسلام نے "اسراف" سے بھی روکا ہے۔ اسراف کا اطلاق ہر ایسے طرز عمل پر ہوتا ہے جو انسانی اور اسلامی طرز عمل سے ہٹا ہوا ہو۔ اس کا مطلب مفسرین اور محدثین نے یہ بھی کیا ہے کہ جس غرض کی تکمیل مال کی ایک مخصوص مقدار صرف کر کے کی جا سکتی ہے اس پر دانستہ اور بلا مزید فائدہ کے زائد مقدار میں صرف کرنا اسراف ہے۔ اس بات کو

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ''اسراف'' نام ہے ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے مقدار یا معیار کے اعتبار سے زائد از ضرورت مال صرف کرنے کا۔ سہولت، آرام، زیب و زینت کے لیے مال صرف کرنا ''اسراف'' نہیں بشرطیکہ اعتدال ملحوظ رکھا جائے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو، بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

ایک مقام پر فرمایا:

''(اللہ کے بندے وہ ہیں) جو خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔'' (الفرقان:۶۷)

قرآن حکیم نے اپنی جائز اور حلال کمائی خرچ کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ ایک ''اسراف'' اور دوسری ''تبذیر۔''

علامہ ماوردی نے اسراف اور تبذیر کے باہمی فرق پر فرمایا ہے:

''کمیت یعنی مقدار خرچ میں حق سے تجاوز کرنا اسرف ہے۔ یہ ثبوت ہے ان عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا جو اس کے ذمہ ہیں، اور کیفیت یعنی مواقع صرف میں حد سے تجاوز کا نام ''تبذیر'' ہے، اور یہ شہادت ہے ان مواقع صرف سے نادان بننے کی جو صحیح اور حق مواقع ہیں۔'' (تفسیر روح المعانی: ۵۹/۱۵)

حدیث میں بھی جناب رسول ﷺ نے اسراف کی مذمت اور ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''کھاؤ پیو اور صدقہ کرو مگر اس میں اسراف اور گھمنڈ نہ ہو۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسراف اور گھمنڈ سے احتراز کرتے ہوئے جو جی چاہے کھاؤ اور جو جی چاہے پہنو۔'' (بخاری، ابن ماجہ)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد گرامی نقل فرمایا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

Marfat.com

"قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک لوگ ایسے مکان نہ بنانے لگیں جن کو منقش کپڑوں کی مثل (آراستہ) کریں گے۔" (الادب المفرد: ص ٦٧)

اسی کتاب میں ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام خلافت میں اپنے گورنروں کو ایک خط لکھا:

ان لا تطیلوا بنائکم فانہ من شر ایامکم. (الادب المفرد: ٦٦)

"بلند و بالا عمارتیں نہ بناؤ کیونکہ یہ طرز بود و باش تمہارے بدترین زمانہ کی نشانی ہے۔"

معلوم ہوا کہ اسراف کی ممانعت کا مقصد انسان کو صرف مال میں ایک معتدل اور متوازن طرز زندگی قائم رکھنا ہے۔ مختصر یہ کہ مال کے صرف کرنے میں اسراف اور تبذیر معیشت فاسد کی علامات ہیں، اس لیے اقتصاد اور میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے، عام حالات میں خرچ آمدنی سے بڑھنا نہیں چاہیے، ایسا نہ ہو کہ ضرورت اور حاجت کے وقت دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے بلکہ حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ ان تمام حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ جو "غنی" ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کیے ہیں۔ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کے لیے کچھ نہ کچھ پس انداز ہونا چاہیے۔ نیز بخل اور تقتیر کو بھی کام میں نہیں لانا چاہیے کیونکہ خود اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے حق تعالیٰ کی عطاء کے باوجود معیشت کو تنگ کرنا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

((الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة)) (کنز العمال عن ابن عمر)

"(آمد و صرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوش گواری کا نصف حصہ ہے۔"

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے "والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا" کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اسراف" اور "تقتیر" کے بارے میں مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں، ان میں سب سے قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ معیشت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں، نہ بے جا

Marfat.com

غلو کرتے ہیں اور نہ بے محل بخل برتتے ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں دوسری جگہ سرکار دو عالم ﷺ کو اس طرح مخاطب کیا: ''اور آپ اپنے ہاتھ کو نہ اپنی گردن کے ساتھ ہی باندھ لو (یعنی بخل نہ کرو) اور نہ بالکل ہی کھول دو (یعنی اسراف نہ کرو) اور آیت ''وکان بین ذالک قواماً'' میں قوام سے اعتدال اور میانہ راہ مراد ہے یعنی میانہ روی ان کا شعار ہے۔''

4۔ عیش کوشی کی ممانعت:

اسلام نے انسان کو حق ملکیت دینے کے ساتھ ساتھ اس پر جو پابندیاں لگائیں، ان میں ایک یہ ہے کہ تنعم اور عیش کوشی کی زندگی بسر نہ کرے کیونکہ ایک بامقصد اور ذمہ دارانہ زندگی میں اس طرز عمل کی گنجائش نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ اعتدال سے تجاوز کے بعد عیش و آرام اور اس کی خاطر کسب مال ہی عملاً زندگی کا مقصد بن جاتا ہے اور قرآن وسنت کی رو سے مال و دولت قیام حیات کے لیے ہیں، مگر خود قیام حیات کے بھی کچھ مقاصد ہیں اور وہ مقاصد بہت بلند ہیں، لہٰذا آدمی کو فاضل مال واملاک کو ان مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہیے نہ یہ کہ اپنی دولت کو عیش کوشی اور لذت اندوزی میں صرف کر کے اصل مقاصد زندگی کو گلدستۂ طاق نسیان بنا دے۔ اسی وجہ سے اسلام نے ایسی زندگی بسر کرنے سے روکا ہے جو لذات دنیا میں منہمک، مبالغہ کی حد تک آرام وسہولت کی طلب اور عیش وعشرت میں غرق ہو جانے والی ہو۔ چنانچہ حدیث میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تو فرمایا:

((ایاک والتنعم، فان عباد الله لیسوا بالمتنعمین))

''خبردار! عیش وعشرت اور تنعم کی زندگی سے اجتناب کرنا کیونکہ اللہ کے اچھے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔'' (مشکوٰۃ، باب فضل الفقراء، مسند احمد: ۵/۲۴۳)

ایک بار سرکار دو عالم ﷺ نے دیکھا کہ ان کے کمروں میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو اتار دیا اور فرمایا:

((ان الله لم یأمرنا ان نکسوا الحجارۃ والطین)) (مسلم، ابوداؤد)

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ پتھر اور مٹی کا کپڑے پہنائیں۔''

بات دراصل یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں میں انہماک ایک انسان کو آخرت کی زندگی سے غافل اور اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں سے بے پروا بنا دیتا ہے۔ اسی وجہ سے جو شخص عیش کوشی اور تنعم کی زندگی میں محو اور مستغرق ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی دولت مقاصد زندگی میں خرچ نہیں کرتا بلکہ ادھر ادھر خرچ کر کے مال کو ضائع کرتا ہے۔ اسلام میں اگرچہ ہر لذت کی گنجائش ہے، لیکن اسی حد تک کہ وہ انسان کو اخروی اور دنیوی ذمہ داریوں سے یک قلم غافل نہ بنا دے، بلکہ ان مقاصد اور ذمہ داریوں کے حصول میں مددگار اور معاون ثابت ہو۔ آرام و آسائش، تزئین و آرائش اور جمال آفرینی انسان کے مزاج اور اس کے اخلاق و عادات پر اچھا اثر ڈال سکتی ہیں بشرطیکہ ان امور میں اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔ اگر آدمی حد اعتدال سے تجاوز کر گیا تو پھر دنیا و آخرت دونوں کی ذمہ داریوں کے بارے میں سبک دوش ہونے سے محروم ہو گیا۔

مختصر یہ کہ اسلام ہم سے ترک لذات کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اعتدال و توازن کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن بعض اشیاء جو فی نفسہ جائز نہیں ہے۔ ان کے استعمال سے نہایت سختی سے روکا جیسے ریشم کے کپڑوں اور سونے کے زیورات کا استعمال اسلام میں مردوں کے لیے جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی شراب، شہوانی موسیقی اور رقص و سرود کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا۔ ایسے ہی مردوں کے لیے شوخ رنگین اور بھڑک دار کپڑوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ریشم و دیباج کے کپڑے مت پہنو، سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو، نہ ان سے بنے ہوئے بڑے بڑے پیالوں میں کھانا کھاؤ۔ یہ سب دنیا کی زندگی میں ان دنیا پرستوں کے لیے ہے۔'' (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

5۔ ملکیت کے نقصان دہ استعمال کی ممانعت:

انفرادی ملکیت کے ایسے استعمال سے بھی اسلام نے روکا ہے جس سے دوسرے افراد یا معاشرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

((لاضرر فی الاسلام)) (کتاب الخراج یحییٰ بن آدم قرشی: ص ۶۸)

''اسلام میں مضرت رسانی جائز نہیں ہے۔''

اور ابن ماجہ وغیرہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

((لاضرر ولا ضرار فی الاسلام)) (ابن ماجہ، موطا مالک)

''مضرت رسانی جائز نہیں ہے نہ ابتداءً نہ جواباً۔''

ایک اور روایت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((ملعون من ضار مومنًا اومکریه))

''جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کو دھوکہ دے، وہ ملعون ہے۔''

مضرت رسانی صرف منقولہ جائداد ہی میں نہیں ہو سکتی بلکہ غیر منقولہ املاک سے بھی ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر ایک شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مکان کی تعمیر میں اس بات کا لحاظ رکھے کہ اس سے پڑوسیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو، کیونکہ شریعت مطہرہ میں پڑوسی کا بہت زیادہ حق بتایا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ! پڑوسی کا کیا حق ہے؟'' آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اسے قرض دو، تم سے مدد کا طلب گار ہو تو اس کی مدد کرو، ضرورت مند اور محتاج ہو تو اسے کچھ دو، بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت کرو، مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ، اگر اسے کوئی فائدہ ہو تو اس کی تمہیں بھی خوشی ہو اور تم اسے مبارک باد دو، اس پر کوئی مصیبت آن پڑے تو تمہیں بھی دکھ ہو اور تم اس کی تعزیت کرو، اسے اپنی ہنڈیا کی خوشبو سے پریشان کرو مگر یہ کہ اس پکوان میں سے اس کے لیے بھی حصہ نکالو، اپنی عمارت اس کے مقابلہ میں اتنی اونچی نہ بناؤ کہ اس کے گھر میں جھانک سکو، نہ اپنی عمارت سے اس کے گھر کی ہوا روکو مگر یہ کہ تم نے اس سے اجازت حاصل کر لی ہو، اگر تم نے کوئی پھل خریدا ہو تو اس میں سے اس کو بھی تحفہ بھیجو ورنہ چھپا کر

Marfat.com

لاؤ، ایسا نہ ہو کہ اس میں سے تمہارے بچے کچھ لے کر باہر نکلیں اور ان کے بچوں کو احساس محرومی کی وجہ سے غم و غصہ میں مبتلا کریں۔ میں جو بات تم سے کہہ رہا ہوں اسے تم پوری طرح سمجھ رہے ہو؟ پڑوسی کا حق بس تھوڑے ہی لوگ ادا کر سکیں گے جن پر اللہ نے رحم فرمایا ہو۔"

((لن یودی حق الجار الا القلیل من رحم اللہ)) (تفسیر القرطبی: ۵/ ۱۸۸)

امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس ضمن میں بڑی پتے کی باتیں لکھی ہیں۔ فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ ہر آدمی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ اپنی ملکیت میں اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق ہر قسم کا تصرف کر سکے جب تک کہ ان سے دسروں (یعنی پڑوسیوں وغیرہ) کو کھلا ہوا نقصان نہ پہنچ رہا ہو۔ چنانچہ اس کے لیے جائز ہے کہ اپنے گھر میں حمام تعمیر کرے کیونکہ اس سے پڑوسیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

"اگر وہ اپنے گھر میں روٹی تیار کرنے کے لیے اسی طرح کا تنور گاڑنے کا ارادہ کرے جیسا کہ دکان میں ہوتا ہے، یا آٹا پیسنے کی چکی لگائے، یا دھوبیوں کے لیے گھاٹ بنائے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس سے پڑوسیوں کو کھلا ہوا ضرر پہنچے گا۔ (ضرراً جاھراً فاحشاً) قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہو کیوں کہ یہ سب مالکانہ تصرف میں داخل ہے، لیکن اس معاملہ میں مصالح کی رعایت سے استحسان کے طور پر قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے۔"

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۴/ ۱۹۶)

Marfat.com

رزق حلال کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ چونکہ افضل الانبیاء والرسل تھے، اس لیے آپ ﷺ کی تعلیمات بھی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہیں۔ ایک مسلمان کی دینی اور دنیوی زندگی کو اطمینان بخش اور خوش حال بنانے کے لیے اسلام نے سب سے زیادہ زور رزق حلال پر دیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب کوئی اسلام کا نام لیوا حلال اور طیب رزق کھائے گا تو اس کے جسم میں پاکیزہ خون پیدا ہوگا اور اسے نیک اعمال کی توفیق ہوگی۔ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں ایک شعر ہے ؎

لیس التقی بمتق لالٰہہ حتی یکون شرابہ وطعامہ

''یعنی کوئی شخص اس وقت تک متقی اور پرہیزگار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا کھانا پینا حلال اور پاکیزہ نہ ہو۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں تمام لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا﴾ (البقرہ:۱۶۸)

''اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں، انہیں کھاؤ۔''

اس آیت میں کھانے پینے کی چیزوں میں حلال وطیب ہونے کی شرطیں عائد کی ہیں۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ط اِنِّیْ

Marfat.com

بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾ (مومنون:۵۱)

''اے رسولو! تم حلال و پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو اور نیک اعمال کیا کرو، میں تم سب کے کیے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں۔''

افسوس یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمان ہوا و ہوس کا غلام بن گیا اور مال کی خواہش و چاہت میں ایسا گرفتار ہوا ہے کہ حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی ہے۔ اور عیش و عشرت اور راحت و آرام سے شب و روز گزارنا اس کا مقصد زندگی ہو گیا ہے۔ پیٹ بھرنا چاہے حلال سے ہو یا حرام سے ہو، اس کو صرف مال چاہیے۔ وہ مال خواہ ہیروئین سے حاصل ہو یا شراب کی خرید و فروخت سے دستیاب ہو، خواہ رشوت و سود سے کمایا ہو، خواہ کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ سے ہو یا ناپ تول میں کمی سے حاصل کیا گیا۔ مال کو اسی وجہ سے فتنہ کہا گیا۔ مال کی ہوس آدمی کو رشوت اور خیانت، غبن، چوری، احتکار و ذخیرہ اندوزی اور حصول دولت کے دوسرے مجرمانہ ذرائع پر آمادہ کرتی ہے۔ مال کی اسی ہوس نے آجر و مستاجر، کلرکوں اور افسروں کے دلوں سے حلال و حرام کی تمیز اٹھا دی ہے۔ چنانچہ حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((یاتی علی الناس زمان لایبالی المرء ماأخذ منه أمن الحلال أم من الحرام)) (بخاری: ۲/۶۱۳)

''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جب ایک شخص بالکل اس کا خیال نہ کرے گا کہ یہ چیز حلال طریقہ سے ملی ہے یا حرام سے۔''

لیکن اس وقت بہت سے لوگ اپنے اہل و عیال کی تفریحات اور فضول خرچیوں کے لیے حرام ذریعوں سے دولت کماتے ہیں، اپنی بیویوں کے میک اپ اور شاپنگ کے لیے ناجائز طریقوں سے دولت حاصل کرتے ہیں۔ کس قدر حماقت ہے کہ دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی عاقبت برباد کی جا رہی ہے جب کہ قیامت کے روز بیوی بچے، والدین اور بہن بھائی سب ساتھ چھوڑ جائیں گے اور اپنے حرام کمانے کا حساب خود دینا پڑے گا اور حرام خوری کا حساب تو سب ہی کو دینا پڑے گا۔

وہ ایسا ہولناک دن ہوگا جس کا نقشہ قرآنِ حکیم نے یوں کھینچا ہے:

Marfat.com

﴿یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ، وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ، وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ، لِکُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ﴾ (عبس:۳۴۔۳۷)

''(پس جب کانوں کو بہرا کرنے والی قیامت آجائے گی) اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا، اور اپنی ماں اور باپ سے، اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے، اس روز ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی جو اس کو دوسروں سے بے نیاز کردے گی۔''

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْئًا﴾ (الدخان:۴۱)

''اس دن کوئی دوست کسی دوست کے بالکل کام نہیں آئے گا۔''

بتایا یہ کہ ان اعزاء واقرباء کے بھاگنے کا سبب یہ ہوگا کہ اس روز ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہوگی یعنی اس کا دل ودماغ صرف اپنے تفکرات سے بھرا ہوگا اور اس میں کسی اور کی بالکل گنجائش نہیں ہوگی۔

آج کل کی اس مادی دنیا میں ہم قیامت کے اس دن کی ہولناکیوں کو بالکل گلدستۂ طاقِ نسیان بنائے ہوئے ہیں اور حرص وہوس نے ہمیں آخرت کی ہولناکیاں بھلا کر درہم ودینار کا غلام بنا دیا۔ اور اب ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ قرآن کہتا ہے:

﴿وَتَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ اَکْلًا لَّمًّا، وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ (الفجر:۱۹۔۲۰)

''یعنی اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔''

مطلب یہ کہ میت کے مال میں بعض مال حلال ہوتا ہے، بعض مال مشتبہ ہوتا ہے اور بعض مال حرام ہوتا ہے لیکن تم بغیر تمیز کے سارے کا سارا مال کھا جاتے ہو اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو اور تم مال کو اکٹھا کرنا چاہتے ہو اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ مال حلال ذرائع سے آرہا ہے یا حرام ذرائع سے۔ تمہاری نظر صرف دینار پر ہے اور قیامت کے دن سے تم نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اور اب ہماری حالت یہ ہے

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

حالانکہ یہ جملہ کافروں کا جملہ ہے مسلمانوں کا نہیں کیونکہ عالم بھی دوبارہ آئے گا اور عیش کوشی کا حساب بھی ہوگا۔ ترمذی میں اس بارے میں ایک حدیث ہے کہ کوئی شخص قیامت کے روز اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گا جب تک اللہ تعالیٰ کو پانچ سوالوں کا جواب نہ دے لے۔ وہ سوال یہ ہیں:

1- عن عمرہ فیما افناہ — اس نے اپنی عمر کن کاموں میں فنا کی
2- عن شبابہ فیما ابلاہ — اپنی جوانی کس شغل میں برباد کی
3- وعن مالہ من این اکتسبہ — اپنا مال کہاں سے کمایا
4- وفیما انفقہ — اور اس مال کو اس نے کہاں خرچ کیا
5- وعن علمہ ماذا عمل فیہ — اور یہ کہ اپنے علم پر اس نے کہاں تک عمل کیا

(ترمذی، تاریخ بغداد: ۱۱/۴۴۲)

اس حدیث میں اسلام کے پورے نظام کو دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ دنیا میں اس وقت دو نظام چل رہے ہیں۔ ایک سرمایہ دارانہ نظام معیشت اور دوسرا اشتراکی نظام معیشت۔ ان دونوں نظاموں نہ تو مال کمانے پر پابندی ہے اور نہ ہی مال خرچ کرنے پر۔ اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام دونوں میں یہ کہا گیا کہ مال کماؤ خواہ شراب فروخت کر کے یا نائٹ کلب کھول کر، یا رقص و سرود سے یا سود اور قمار بازی سے۔ ان سب ناجائز طریقوں سے مال اکٹھا کرنا ان دونوں نظاموں میں جائز ہے، لیکن جب آدمی مال کمالے تو اس کو وہ اپنی مرضی سے جس طرح چاہیے خرچ کرے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں، لیکن اسلامی نظام معیشت میں مال کمانے پر بھی پابندی لگائی اور مال خرچ کرنے پر بھی قدغن عائد کی گئی۔ ایک مسلمان نہ اپنی مرضی سے کما سکتا ہے اور نہ ہی اپنی مرضی سے خرچ کر سکتا ہے۔ کمانے کے لیے وہ کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کر سکتا جس کو اسلام نے ناجائز کیا ہے۔ وہ منشیات فروخت کر کے مال نہیں کما سکتا، وہ چوری اور فراڈ یا بلیک مارکیٹ سے مال حاصل نہیں کر سکتا۔ اور عورتوں کو برہنہ یا نیم برہنہ نچا کر نائٹ کلب سے روزی نہیں کما سکتا، وہ معاشرہ میں کوئی ایسا کام کر کے مال حاصل نہیں کر سکتا جس سے معاشرہ میں

بے حیائی اور فحاشی کے جراثیم پیدا ہوں۔ بلکہ اس کے مال کمانے کے یے کچھ حدود مقرر کیں۔ ان میں رہتے ہوئے تجارت کرسکتا ہے۔ سٹہ اور سود سے کمائی ہوئی دولت جائز نہیں ہے۔ جب وہ اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں سے مال کما لے تو اب اپنی مرضی سے وہ اسے خرچ بھی نہیں کرسکتا۔ ایک تو مال خرچ کرنے میں اسے ''اسراف'' اور ''تبذیر'' سے بچنا ہوگا۔ اسے حرام کاموں میں مال خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ سینما کی کمائی اس کے لیے جائز نہیں۔ سٹہ، سود جوا میں بھی وہ اپنا مال صرف نہیں کرسکتا۔ اس طرح مال کمانے اور مال خرچ کرنے سے جو معاشرہ تشکیل پائے گا وہ نہایت پاکیزہ اور عدل وانصاف پر مبنی ہوگا۔ اس میں اگرچہ غریب بھی ہوں گے کیونکہ غریبوں کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن غریبوں میں احساس غریبی اور احساس محرومی نہیں ہوگا۔ اس طرح سے ملک میں عادلانہ معاشی نظام وجود میں آئے گا۔ دولت اور پیدائش دولت اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت ہوگی۔ اسی لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة)) (مشکوٰۃ: ۲۴۲/۱)

''فریضہ خداوندی کی ادائیگی کے بعد حلال روزی کی تلاش وجستجو فرض ہے۔''

اگر کوئی شخص اسلام کے ارکان وفرائض کی ادائیگی کے بعد حلال روزی تلاش کرنے سے غفلت اور کوتاہی برتے گا تو اس بات کا خطرہ اور اندیشہ ہے کہ وہ حرام روزی سے پیٹ بھرے اور آخرت میں اس کا انجام جہنم ہو۔ (اعاذ نا اللہ منہا)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کسی فریضہ کو ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شمار ہوتا ہے اور عبادت پر بندہ اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے، لہٰذا کسب حلال کی فکر اور اس کے لیے جدوجہد کرنا عین عبادت میں شمار اور دین سمجھا جاتا ہے اور موجب اجر وثواب ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسب حلال کا ہر طالب خواہ وہ آجر ہو یا مستاجر، زمیندار ہو یا کاشت کار، مشین پر کام کرنے والا ہو یا ہاتھ سے کام کرنے والا مزدور اللہ تعالیٰ کی طرف اجر وثواب کا مستحق ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ حدیث میں صرف روزی کمانے والے کے لیے اجر وثواب کی بشارت نہیں بلکہ کسب حلال یعنی حلال روزی تلاش کرنے والے اور اس کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے لیے یہ خوش خبری

Marfat.com

ہے۔ اور یہ خوش خبری اور بشارت اس لیے دی گئی ہے تا کہ لوگ حرام سے اجتناب کریں کیونکہ حرام کمائی باعث دخول جہنم ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کے علاوہ حدیث میں بھی کسب حلال کی ترغیب دی گئی، اور مسلمانوں پر یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ حلال روزی کما کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالیں کیونکہ حرام کا لقمہ پیٹ میں جانا نہ صرف یہ کہ ایمان کا نور پیدا نہیں کرتا بلکہ پیدا شدہ نور کو بھی بجھانے کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ کو بھی قریش کی بکریاں چرایا کرتے تھے اور سیدنا داؤد علیہ السلام اور دوسرے کئی انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھوں کی کمائی سے گزراوقات کیا کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے بہت سے بزرگان دین کا ذریعہ معاش ان کے ہاتھ کی کمائی ہوتا تھا۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ما اکل احد طعاماً قط خیراً من ان یاکل من عمل یدیه، وان نبی الله داؤد علیه السلام کان یاکل من عمل یدیه)) (بخاری:۲/۲۱۵)

''کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھانا کہ وہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کما کر کھائے، چنانچہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔''

معلوم ہوا کہ کسب معاش کے بہت سے ذرائع ہیں لیکن ان میں سب سے بہتر ذریعہ معاش کی سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ سے کام کر کے اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرے اور اس کی مثال میں فرمایا کہ سیدنا داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے زرہیں بناتے تھے اور اس طرح روزی کما کر اپنی ضروریات زندگی پوری کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ دست کاری اور ذاتی محنت کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔ چنانچہ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی کمائی زیادہ پاک اور اچھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((عمل الرجل بیدیه و کل بیع مبرور)) (مسند احمد:۴/۱۴۱)

''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر وہ تجارت جو پاک بازی اور ایمان داری پر مبنی ہو۔''

اس حدیث میں دست کاری کے علاوہ سچائی، دیانت اور ایمان داری پر مبنی تجارت کو بھی بہترین کمائی قرار دیا گیا۔ ہاتھ سے روزی کمانا بھی وہی باعث اجر وثواب ہے جو ایمان داری پر مبنی ہو۔ اگر ایک مزدور مالک سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں آٹھ گھنٹے کام کروں گا اور اتنی مزدوری لوں گا لیکن وہ کام چھ گھنٹے کرتا ہے اور دو گھنٹے فضول باتوں یا فضول کاموں میں صرف کر دیتا ہے تو وہ بھی اس بشارت نبوی کا مستحق نہیں۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجوں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح و سالم واپس لوٹو اور دشمن کو شکست دینے کے بعد تمہیں مال غنیمت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں مال و دولت کا اچھا عطیہ ملے......
میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! میں نے اسلام مال و دولت حاصل کرنے کے لیے قبول نہیں کیا بلکہ میں نے اسلام کو محبت اور رغبت کے باعث قبول کیا ہے تاکہ آپ کی معیت و رفاقت مجھے میسر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمرو! اللہ کے صالح بندے کے لیے جائز اور پاکیزہ مال و دولت اچھی چیز ہے۔'' (نعم المال الصالح للمرء الصالح)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ کو جائز اور حلال طریقہ سے اگر مال و دولت نصیب ہو جائے اور اس مال کو صحیح مصارف میں خرچ کرنے کی توفیق حاصل ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اسی فضل خداوندی سے حصۂ وافر ملا تھا۔ انہوں نے تجارت میں مال کمایا تھا اور پھر اللہ کی راہ میں اسے بے دریغ خرچ بھی کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے اگر اس کو حاصل کرنے اور خرچ کرنے کے ذرائع درست اور صحیح ہوں۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کسب حلال اور جہاد فی سبیل سے بھی زائد سمجھتے تھے اور قرآن حکیم سے اس کی یہ دلیل دیتے تھے:

﴿وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

Marfat.com

وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (مزمل:۲۰)

''اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہوئے اور کچھ دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کر رہے ہوں گے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کا اور حلال روزی کے حصول کے لیے سفر کرنے والوں کا ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے لے گیا اور محض ثواب کی نیت سے یہ سفر کیا اور اس چیز کو مروج قیمت کے مطابق فروخت کیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا شہداء میں شمار ہوگا۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حلال روزی کمانے والے صحابی کی تحسین فرمائی اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ چنانچہ حدیث مرفوع میں ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مصافحہ فرمایا تو ان کے ہاتھوں میں سختی محسوس فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھوں کی سختی کی وجہ دریافت فرمائی۔ عرض کی: ''اپنے اہل وعیال کی روزی کے لیے بیلچہ اور کسلہ چلاتا ہوں۔ یہ سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھوں کو چوما اور فرمایا: ''ان ہتھیلیوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ حلال روزی کمانے والوں کو پسند کرتا ہے اور انسان کسب حلال سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نہایت سرعت اور عجلت کے ساتھ کسی کام کو جا رہا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! اگر اس کی یہ تیزی اور عجلت اللہ کی راہ میں ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر یہ شخص اپنے بچوں کے لیے روزی کمانے کے لیے جا رہا ہے تو اس کی یہ کوشش اور عجلت و سرعت اللہ ہی کی راہ میں ہے۔ اور اگر اپنے بوڑھے ماں

Marfat.com

باپ کے لیے نکلا ہے پھر بھی اللہ کی راہ میں ہے۔ اور اگر یہ شخص اپنے لیے کمانے کے لیے نکلا ہے تا کہ سوال کی ذلت سے بچے تو یہ بھی اللہ کی راہ میں ہے۔ ہاں اگر ریا کاری اور تفاخر کے لیے نکلا ہے تو پھر یہ شیطان کی راہ میں ہے۔" (لواقح الانوار: ص۲۹۳)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص محنت اور مزدوری سے تھک کر شام کرتا ہے تو اس کی وہ شام مغفرت کی شام ہوتی ہے۔" (معجم اوسط طبرانی: ۸/ ۲۵۷)

طبرانی ہی کی ایک اور روایت میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان اللہ تعالیٰ یحب المومن المحترف)) (معجم اوسط، طبرانی: ۹/ ۴۳۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ پیشہ ور مسلمان کو دوست رکھتا ہے۔"

ایک اور حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان اللہ یحب ان یریٰ عبدہ تعباً فی طلب الحلال))

(زین الحلم شرح عین العلم: ۱/ ۲۴۹)

"بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندے کو طلب حلال میں تھکا ہوا دیکھیں۔"

اسی سلسلہ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لایقعد احدکم عن طلب الرزق. (احیاء العلوم: ۱/ ۵۷)

"تم میں سے کوئی شخص بھی طلب رزق کی جدوجہد میں پست ہمت ہو کر نہ بیٹھے۔"

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی احیاء العلوم کی شرح میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی شرح میں فرماتے ہیں:

"ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائز اسباب معیشت میں سے کسی سبب

Marfat.com

اور وسیلہ کو اختیار کرے جس سے وہ رزق کو حاصل کر سکے۔''

(اتحاف السادۃ المتقین: ۵/ ۲۱۷)

اس سلسلہ میں علامہ یوسف القرضاوی نے نہایت اچھی بحث کی ہے۔ علامہ لکھتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے کسی ایسے نبی کو مبعوث نہیں فرمایا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ! آپ نے بھی؟'' فرمایا: ''ہاں میں نے بھی چند قیراریط کے عوض بعض اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔'' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بکریاں چراتے تھے اور اس سے بڑی بات یہ کہ وہ بکریاں خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتی نہ تھیں بلکہ اہل مکہ کے بعض لوگوں کی تھیں جو مقررہ اجرت پر آپ چراتے تھے، اور آپ اپنے پیروکاروں سے اس کا تذکرہ اس لیے فرماتے تھے کہ آپ ان کو تعلیم دیں کہ فخر کام کرنے والوں اور محنت کشوں کے لیے ہے نہ کہ بیکار اور آرام طلب و آرام پسند لوگوں کے لیے۔

قرآن حکیم نے ہمارے سامنے سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان کیا ہے کہ آپ نے سیدنا شعیب علیہ السلام کے پاس آٹھ سال اس شرط پر ملازمت کی کہ وہ اپنی دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی ان کے نکاح میں دے دیں گے۔ اور آپ ان کے پاس ایک بہترین ملازم اور بہترین مزدور کی حیثیت سے رہے۔ اور سیدنا شعیب علیہ السلام شیخ کبیر کی صاحبزادی کی فراست درست اور صحیح ثابت ہوئی جب ان دونوں میں سے ایک لڑکی کہنے لگی:

''اے ابا! آپ اس شخص کو نوکر رکھ لیجیے کیونکہ اچھا نوکر جس کو آپ رکھنا چاہیں، وہ شخص ہے جو قوی اور امین ہو۔ (القصص: ۲۶)

اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام زرہیں بنایا کرتے تھے اور سیدنا آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے، اور سیدنا نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے اور سیدنا ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے تھے۔ اور قرآن حکیم

Marfat.com

ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہم انبیائے کرام علیہم السلام کے طریقہ کا اتباع کریں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔﴿اولئک الذین هداهم الله فبهداهم اقتده﴾ پس رزق حلال کی کشائش اور اپنے اہل وعیال اور متعلقین کی آسائش کے لیے مشروع طور پر کوشش کرنا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔''

(الحلال والحرام فی الاسلام: ص ۱۲۹)

اس سلسلہ میں ایک شاعر نے بڑے نفیس انداز میں روزی کمانے کو بیان کیا ہے ۔

توکل علی الرحمن فی الامر کله
ولا ترغبن فی العجز یوماً عن الطلب
الم تران الله قال لمریم
هذی الیک الجذع یساقط الرطب
فلو شاء أن تجنیه من غیر هزه
جنته ولکن کل رزق له سبب

''یعنی اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ پر توکل کر اور ایک دن بھی رزق حلال کی تلاش سے درماندہ نہ ہو۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم سے فرمایا تھا کہ کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تو تجھ پر تروتازہ کھجوریں گر پڑیں گی۔ پس اگر حق تعالیٰ شانہ چاہتے تو سیدہ مریم کو بغیر ہلائے کھجوریں دے دیتے، لیکن ہر رزق کے لیے ایک سبب ہوتا ہے۔'' (المستطرف: ۶۴/۲)

اسلام نے روزی کمانے کی ترغیب دی اور اس کے ساتھ دو شرطیں لگا دیں کہ روزی حلال بھی ہو اور طیب بھی ہو۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ نجات تین چیزوں پر منحصر ہے:

(1) حلال کھانا (2) فرائض کی ادائیگی اور (3) سنت نبوی کا اتباع

اس سے بھی پتہ چلا کہ رزق حلال انسان کی نجات کا باعث ہے اور فرائض کی ادائیگی اور سنت نبوی کا اتباع بھی حلال اور پاکیزہ کھانے سے ہوتا ہے۔ اگر انسان کا کھانا پینا پاک نہ ہوگا تو اول تو کتاب وسنت کی ادائیگی مشکل ہوگی اور اگر ہوگی بھی تو وہ بارگاہ

الوہیت میں قابل قبول نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی نفیس بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''اسلام نے پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرنے کو حرام فرمایا اور اس کے بدل کے طور پر دعائے استخارہ عطا فرمائی۔ سود کو حرام کیا تو اس کے عوض نفع بخش تجارت کو جائز کیا، جوئے کو حرام کیا اور اس کے بجائے اس مال کا جانا جائز کر دیا جو گھوڑے، اونٹ اور تیروں کے ان مقابلوں کے ذریعہ حاصل ہو جو شرعاً سفید خیال کیے گئے ہیں۔ ریشم مردوں پر حرام کیا گیا لیکن اس کے عوض اون، کتان اور روئی کے انواع و اقسام کے لباس فاخرہ سے نوازا۔ زنا اور لواطت کو حرام ٹھہرایا اور ان کے بجائے نکاح کو حلال ٹھہرایا، منشیات کو حرام کیا لیکن اس کے نعم البدل کے طور پر لذیذ مشروبات عطا کیے جو روح اور بدن دونوں کے لیے مفید ہیں۔ کھانے کی چیزوں میں جہاں ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا وہاں پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا۔''

اگر ہم اسلام کے جملہ احکام کا تتبع کریں تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوگی کہ اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں پر اگر ایک جانب سے تنگی پیدا کی ہے تو دوسری جانب سے وسعت کا دروازہ بھی کھول دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مشقت اور سختی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا بلکہ ان کے لیے آسانی پیدا کرنا اور ان کو خیر، ہدایت اور رحمت سے نوازنا چاہتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ، وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلاً عَظِيْمًا، يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (النساء:۲۶۔۲۸)

''اللہ تمہارے لیے وضاحت سے احکام بیان کرنا چاہتا ہے اور تمہیں ان (نیک) لوگوں کے راستوں پر چلانا چاہتا ہے جو تم سے

پہلے گزر چکے ہیں اور تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے، اور اللہ خوب
جاننے والا بہت حکمت والا ہے۔ اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا
ہے، اور جو لوگ خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ تمہیں سیدھی
راہ سے بہت دور ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ اللہ تم سے (مشکل احکام کا)
بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا۔"

اسلام نے جہاں ظاہری وسائل کو حرام کیا جو محرمات کا باعث ہوں وہاں اس نے ان خفیہ ذرائع اور شیطانی حیلوں کو بھی حرام قرار دیا جن کے پس پردہ حرام کو حلال کیا جا سکتا ہے۔ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کے لیے جو حیلہ بازیاں کی تھیں اسلام نے ان کی سخت مذمت کی ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لاترتکبوا ما ارتکب الیهود ولا تستحلوا محارم الله بادنی الحیل))

(اغاثۃ اللہفان:۱/ ۳۴۸)

"یہودیوں نے جن چیزوں کا ارتکاب کیا ان کا تم ارتکاب نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کی
حرام کردہ چیزوں کو معمولی حیلوں کے ذریعہ حلال کرنے لگو۔"

یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز شکار کرنا حرام قرار دیا تھا لیکن انہوں نے حیلہ کر کے حرام کو حلال کر لیا۔ چنانچہ وہ جمعہ کے روز خندقیں کھودتے تاکہ سبت (ہفتہ) کے روز مچھلیاں ان میں جمع ہو جائیں اور اتوار کے روز ان کو پکڑ سکیں۔ ان حیلہ بازوں کے نزدیک ایسا کرنا جائز تھا لیکن فقہائے اسلام کے نزدیک حرام ہے کیونکہ یہ بات حکم خداوندی کے خلاف ہے۔ جن کا منشاء ہی ان کو شکار سے روکنا تھا۔

علماء نے لکھا ہے کہ آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر آسانی کر کے ضرورت کے وقت باندیوں سے نکاح کرنا ان کے لیے جائز قرار دے دیا۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسان احکام مشروع کیے ہیں۔ ایسے سخت اور مشکل احکام کا ہم کو مکلف نہیں کیا جیسے مشکل احکام کا بنی اسرائیل کو مکلف کیا تھا۔ ہمارے لیے تمام روئے زمین پر نماز پڑھنے کو جائز کر دیا اور خصوصاً مسجد میں نماز پڑھنے کا مکلف نہیں کیا۔ پانی نہ ملنے پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے تیمم کو جائز کر دیا۔

Marfat.com

قربانی کو کھانا اور مالِ غنیمت ہمارے لیے حلال کر دیا۔ گناہ کے لیے استغفار اور توبہ رکھی، بنو اسرائیل کی شریعت کی طرح یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو تو تمہاری توبہ ہو گی۔ سفر اور بیماری میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی نیز سفر میں چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کر دیا۔ غرض گزشتہ شریعتوں میں جو مشکل احکام تھے وہ ہمارے آسان کر دیئے۔

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:۷۸)

''اور اللہ نے دین میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

اسی سلسلہ میں مختلف احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے دین کی آسانی کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔'' (بخاری، رقم:۲۲۰، ترمذی، رقم:۱۴۷)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ آسان کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (شمائل ترمذی، رقم:۳۴۸)

اسلام میں آسانی تو ہے لیکن کسی حرام چیز کا نام یا اس کی صورت بدل دینا جب کہ اس کی اصل حقیقت اپنی جگہ برقرار ہو، ناجائز قسم کا حیلہ یہی ہے۔ صرف نام کی تبدیلی یا صورت کی تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر لوگ نئی نئی صورتیں ایجاد کرنے لگیں اور سود جیسی ناپاک چیز کے لیے حیلہ بازی پر اتر آئیں یا شراب کا کوئی خوب صورت نام رکھ کر پینا جائز کر لیں تو ایسی صورت میں ان کی حرمت اور گناہ میں کوئی فرق واقع نہیں ہو گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

((یستحلن طائفة من امتی الخمر یسمونها بغیر اسمها))

(مسند احمد:۵/۳۱۸)

''میری امت کا ایک گروہ شراب کا نام بدل کر اس کو حلال کرے گا۔''

Marfat.com

ایک اور روایت میں سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((یاتی علی الناس زمان یستحلون الربا باسم البیع))

(اغاثۃ اللہفان:۱/۳۵۲)

''ایک زمانہ ایسا آئے گا جب لوگ سود کو بیع کے نام سے حلال کرلیں گے۔''

وائے نیرنگی زمانہ اب تو صرف سود اور شراب ہی کا نام نہیں بدلا جارہا بلکہ اب تو ہر برائی کا نام تبدیل کر کے یورپ کی تقلید میں اس کو جائز کیا جارہا ہے۔ اب تو ناچنے اور گانے والیوں کو بھی آرٹسٹ اور فن کار کا نام دے کر اس کی نہایت عزت وتکریم کی جاتی ہے۔ یہ احساس زیاں کے چلے جانے کا آخری درجہ ہے۔

اسلام میں ہر عمل کے لیے نیت کو بہت بڑا دخل ہے۔ اور یہ ایک فطری مسئلہ ہے کہ نیک نیت سے کام کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اس کی ایک عام فہم مثال یہ ہے کہ آپ کا بچہ کوئی شرارت کرتا ہے تو آپ اسے مارتے ہیں، لیکن مارنے میں آپ کی نیت اس کی اصلاح کی ہے، اس کے برعکس اگر آپ کا پڑوسی کسی شرارت پر آپ کے بچے کو زدوکوب کرتا ہے تو اس کی نیت انتقام کی ہے۔ کام ایک ہی ہے یعنی بچے کو زدوکوب کرنا لیکن نیت کے تبدیل ہونے سے اس کی نوعیت اور نتیجہ بدل گیا ہے۔ اسی طرح نیک نیتی کی بنا پر مباح اور عادات کے قبیل کے کام طاعت اور تقرب الی اللہ کے کام بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جو شخص اس نیت سے کھانا کھائے کہ بقائے حیات اور تقویت بدن کے اس ذریعہ سے وہ اپنے رب کے عائد کردہ فرائض اور اپنی ملی ذمہ داریوں کو ادا کرسکے تو اس کا یہ کھانا پینا عبادت میں شمار ہوگا۔ اسی طرح جو شخص اس نیت پر دوکان چلاتا ہے کہ اپنے اہل وعیال کے لیے حلال روزی کمائے تو اس کا تجارت اور دوکان داری کرنا بھی عبادت میں شمار ہوگا۔

اسی طرح جو شخص اپنی بیوی سے اولاد حاصل کرنے کے لیے یا پاک دامنی کی خاطر مباشرت کرتا ہے تو اس کا یہ فعل بھی عبادت ہے جس پر وہ اجر وثواب کا مستحق ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

((وفی بضع احدکم صدقۃ، قالوا: "ایاتی احدنا شھوتہ یا رسول

Marfat.com

اللہ! ویکون لہ فیھا اجر؟" قال: "ألیس ان وضعھا فی حرام کان علیہ وزر؟" فکذالک اذا وضعھا فی حلال کان لہ اجر))

(بخاری، مسلم)

"تم میں سے کسی کا اپنی بیوی سے مباشرت کرنا بھی صدقہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول! کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرے گا اور اسے بھی اجر ملے گا؟" فرمایا: "اگر وہ حرام مباشرت کا مرتکب ہوتا تو کیا اسے گناہ نہ ہوتا؟ اسی طرح وہ جائز مباشرت کرنے پر اجر کا مستحق ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

((من طلب الدنیا حلالاً تعففاً عن المسألة وسعیاً علٰی عمالہ وتعطفاً علٰی جارہ لقی اللہ ووجہ کالقمر لیلة البدر)) (طبرانی)

"یعنی جو شخص دنیا کی جائز چیزوں کا طلب گار ہو اپنی خودداری کو باقی رکھنے، اپنے اہل وعیال کا نفقہ ادا کرنے اور اپنے پڑوسی پر مہربان ہونے کی غرض سے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔"

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ہر جائز کام جو حسن نیت کی بنا پر ایک مومن انجام دیتا ہے وہ عبادت بن جاتا ہے، لیکن حرام، حرام ہی رہتا ہے خواہ وہ کام کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ کیوں نہ کیا جائے اور کتنا ہی اعلیٰ مقصد پیش نظر کیوں نہ ہو۔ اسلام اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ ایک اعلیٰ مقصد کا ذریعہ کسی حرام کام کو بنایا جائے۔ اسلام اعلیٰ مقصد کے حصول کے لیے ذرائع بھی پاکیزہ چاہتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس نیت سے سود، رشوت، جوا اور دوسرے حرام ذرائع سے روپیہ کماتا ہے کہ وہ کوئی مسجد، مدرسہ یا کوئی اور رفاہی خدمت انجام دے گا تو اس کے مقصد کی یہ پاکیزگی حرمت کو رفع نہیں کرتی کیونکہ اسلام میں مقاصد اور نیتیں حرام پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

((ان اللہ طیب لایقبل الاطیباً)) (مشکوٰۃ: ۱/۲۴۱)

Marfat.com

''بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیزوں ہی کو قبول کرتا ہے۔''

لہٰذا حرام مال بارگاہِ الوہیت میں قبول نہیں ہوتا خواہ اس کے خرچ کرنے کا مقصد کتنا ہی اعلیٰ اور پاکیزہ کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((لایدخل الجنۃ لحم نبت من السحت، وکل لحم نبت من السحت کانت النار اولیٰ بہ)) (مشکوٰۃ:۱/۲۴۲)

''وہ گوشت اور جسم جنت میں نہ جا سکے گا جس کی نشوونما حرام مال سے ہوئی ہو، اور ہر وہ گوشت اور جسم جو حرام مال سے نشوونما پایا ہے وہ دوزخ کا زیادہ مستحق ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص حرام کی کمائی کھاتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ آج کل یہی ہو رہا ہے کہ ہر شخص مال کمانے کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تمیز اٹھ چکی ہے۔ انگریزوں کے اس ملک میں منحوس قدم آنے سے قبل قریباً ہر شخص حلال اور حرام میں تمیز کرتا تھا اور حرام مال سے اس طرح بچتا تھا جیسے لوگ آگ سے بچتے ہیں، لیکن اس زمانہ میں ہر شخص جائز وناجائز طریقے سے دولت کمانے کی فکر میں ہے تاکہ راتوں رات امیر ہو جائے، اور اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ دولت کمانے کا اس کا یہ طریقہ حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز۔ بخاری کی روایت میں پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں پیش گوئی فرمائی تھی کہ

''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو اس کی کوئی پروا نہ ہو گی کہ وہ جو مال کما رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔'' (بخاری:۲/۲۱۳)

مسند رزین کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ''اس وقت لوگوں کی دعائیں قبول نہ ہوں گی'' اس سے معلوم ہوا کہ مستجاب الدعوات ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی کا کھانا پینا حلال اور جائز ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ان چیزوں سے بھی پرہیز اور اجتناب کرتے تھے جو مشتبہات میں سے تھیں۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں کہ آیا وہ حلال ہیں یا حرام۔ لہٰذا جو شخص اپنے

Marfat.com

دین اور اپنی آبرو کو بچانے کے لیے ان سے احتراز و اجتناب کرے گا، وہ سلامتی میں رہے گا، لیکن جو شخص ان میں سے کسی چیز میں مبتلا ہو گا تو اس کا حرام میں مبتلا ہونا بعید نہیں ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے جانور ممنوعہ چراگاہ کے ارگرد چراتا ہے تو اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ وہ اس میں داخل ہو جائے۔ غور سے سنو! ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے،

الا وان حمی الله محارمه. (بخاری:۱/۴۱)

''اور سنو! اللہ کی ممنوعہ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔''

لوگ حرام مال اکٹھا تو کر لیتے ہیں لیکن ان کو اس کے انجام کا پتہ نہیں کہ قیامت کے روز ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔ قیامت کے روز یہی حرام مال ان کے گلے کا ہار بنے گا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ کسی ناجائز طریقہ سے مال کمائے اور اس میں سے اللہ کی راہ میں صدقہ بھی کرے تو اس کا صدقہ قبول ہو، اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں اللہ کی طرف سے برکت ہو۔ اور جو شخص مرنے کے بعد حرام مال چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ ہو گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی۔'' (مسند احمد:۱/۳۸۵)

موجودہ زمانہ میں سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں رزق حلال حاصل کرنا تو ناممکن تو نہیں البتہ مشکل ضرور ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ عصر حاضر حلال میں رزق ملنا ناممکن ہے لہٰذا حرام سے بچا نہیں سکتا۔ اس پر ایک شاعر نے خوب لکھا ہے ؎

یقول لی الجهول بغیر علم
دع المال الحرام و کن قنوعاً
فلما لم یجد مالاً حلالاً
ولم آکل حراماً مت جوعاً

Marfat.com

''یعنی جاہل و نادان بغیر علم کے کہتے ہیں کہ مال حرام کو ترک کر کے قناعت اختیار کر۔ پس جب مجھے حلال میسر نہ ہو اور حرام کھانا بھی چھوڑ دوں تو کیا بھوک سے مر جاؤں۔''

اس سلسلہ میں ایک اور شعر نے ایک شعر لکھا ہے ؎

وشیئان معدومان فی الارض درهم
حلال وخل فی الحقیقة ناصح

یہ غلط ہے کہ رزق حلال نہیں ملا، لیکن اگر آدمی کوشش کرے تو رزق حاصل ملنا مشکل نہیں۔ کیونکہ اکثر لوگوں کی کمائی میں سود، جوا، بلیک مارکیٹ، سمگلنگ اور دیگر تجارتی خرابیاں پائی جانے کی وجہ سے ان کی کمائی حرام ہے۔ اب جوان کا کام کر کے محنتانہ لے گا وہ بھی حرام کی کمائی میں سے دیا جائے گا لہٰذا وہ مزدوری بھی حرام ہو گی۔ یہ دراصل ایک مغالطہ ہے جس سے اکثر و بیشتر لوگ مسائل سے واقف نہ ہونے کی وجہ پریشان ہوتے ہیں۔ اس بات کو ایک مثال سے اس طرح سمجھایا جا سکتا ہے کہ رنڈی کی کمائی بالکل حرام ہوتی ہے لیکن جو دھوبی اس کے کپڑے دھوتا ہے اس کو وہ اسی کمائی سے مزدوری دیتی ہے لیکن دھوبی کی مزدوری بالکل جائز اور حلال ہے جب کہ اس کا دلال یا بھڑوا جو اس کے لیے گاہک ڈھونڈتا ہے اس کی کمائی حرام ہے۔

لیکن پھر بھی موجودہ زمانے میں رزق حلال بہت مشکل ہے۔ لوگ اپنے کام میں جو حلال کمائی ہوتی اس کو بھی بے ایمانی اور فراڈ کر کے حرام بنا دیتے ہیں۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ بہر حال کچھ کام ایسے ہیں جو صریحاً حرام ہیں اور ان کے ذریعہ جو مال کمایا جاتا ہے وہ بھی حرام ہوتا ہے۔ بلکہ حرام مال سے نیکی کرنی نہ تو اللہ کے ہاں مقبول ہے بلکہ وہ ایک گناہ ہے اور بعض دفعہ یہ گناہ کفر پر منتج ہوتا ہے۔

حافظ منذری سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں سات سو گنا زیادہ خرچ کرنے کی مثل ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں، امام طبرانی معجم اوسط میں اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام احمد کی اسناد حسن ہیں۔

Marfat.com

اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حج میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثل ہے۔ایک درہم سات سو گنا زیادہ ہے۔'' (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

اسی ضمن میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب حج کرنے والا پاکیزہ کمائی لے کر نکلتا ہے اور اپنا پاؤں رکاب میں ڈالتا ہے (یعنی سواری پر سوار ہوتا ہے) اور اللھم لبیک، اللھم لبیک سے ندا کرتا ہے تو آسمان سے ایک منادی کہتا ہے: لبیک وسعدیک، تمہارا سفر خرچ حلال، تمہاری سواری حلال، تمہارا حج مبرور (مقبول) اس میں گناہ نہیں ہے۔ اور جب وہ حرام مال سے حج کے لیے روانہ ہوتا ہے تو اپنا پاؤں رکاب میں ڈالتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے تمہارا لبیک کہنا مقبول نہیں، تمہارا زادِ راہ حرام ہے، تمہارا خرچ حرام ہے، تمہارا حج گناہ ہے مقبول نہیں۔''

(معجم اوسط للطبرانی، الترغیب والترہیب: ۲/۱۷۹۔۱۸۱)

Marfat.com

رشوت

رشوت معاشرے کا ایک ایسا گھناؤنا جرم ہے جو پورے معاشرے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ جب صدر مملکت سے لے کر چپڑاسی تک اور کارکنان حکومت سے لے کر ارباب اقتدار تک اس مرض میں مبتلا ہوں اور اس جرم کے مجرم ہوں تو اس معاشرے کا پھر اللہ ہی حافظ ہے۔ اس زمانے میں غریبوں کی کمائی لٹ جاتی ہے، ملک میں انصاف بکتا ہے۔ بیوروکریسی کا مقصد ملک چلانا نہیں بلکہ روپے ڈھالنا رہ جاتا ہے۔ کلرک سے لے کر افسر تک سارا دن لوگوں کی جیبوں پر دھیان رکھتے ہیں۔ فائلوں کو ایک میز سے دوسری میز تک لے جانے کے لیے ریڑو اور پہیے لگانے پڑتے ہیں۔ پھر جب فائل نیچے سے اوپر پہنچتی ہے تو اس کی طفیل ہر متعلقہ افسر فیض یاب ہو چکا ہوتا ہے۔ ایسی حالت ایک ملک کے لیے تباہ کن ہوتی ہے اور غریب کے لیے اس میں سندیسہ ہوتا ہے اس کی غربت کے احساس کا، اور امیروں کے ظلم و ستم سے وہ جان بلب ہو جاتا ہے، لیکن اس کی شنوائی کسی جگہ نہیں ہوتی۔ بالآخر وہ دم گھٹ کر مر جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے اس کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے، اور رشوت لینے والا، رشوت دینے والا اور ان دونوں کے درمیان سودا کرانے والا تینوں کو جہنم کی خوش خبری سنائی ہے۔

رشوت کی تعریف:

رشوت کا لفظ "رشـــا" سے مشتق ہے اور رشاء ڈول کی رسی یا صرف رسی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں: "ارشـت الـدلو" میں نے ڈول میں رسی لگائی۔ ابن الاعرابی کہتے

Marfat.com

ہیں: "ارشی الرجل" یعنی اونٹنی کے بچے کی سرین کو کھجلایا تاکہ وہ تیز دوڑے۔ اور اونٹنی کے بچے کو بھی "رشی" کہتے ہیں۔ منذری نے ابوالعباس سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رشوت کا لفظ "رشاء الفرح" سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب چوزہ گردن بڑھا کر اپنا سر ماں کی طرف لے جاتا ہے تاکہ وہ اس کو چوگا دے۔ "رشوہ" را کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے۔ "رشاہ رشوۃ" اس کو رشوت دی۔ "ارتشی منہ رشوۃ" جب کوئی شخص رشوت لے۔ اس کی جمع رشا آتی ہے۔ (تہذیب اللغۃ: ۱۱/۴۰۶)

رشوت کا ہم معنی لفظ "ہرطیل" ہے (بمعنی رشوت اور) ایک سخت گول لمبا پتھر جو بولنے والے کے منہ میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کو بات کرنے اور بولنے سے روکے رکھے۔ اور عربی میں ایک ضرب المثل ہے "البراطیل تنصر الاباطیل" رشوت باطل کاموں کے لیے معاون اور مددگار ہوا کرتی ہے۔

(حاشیہ ابن عابدین: ۵/۳۶۲، السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی والرعیۃ: ص ۵۰)

علامہ سید زبیدی رشوت کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کوئی شخص حاکم یا کسی اور کو کوئی چیز دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کردے یا حاکم کو اپنی منشاء پوری کرنے پر ابھارے۔"

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: "کچھ پیسے دے کر اپنی حاجت پوری کرانا یہ رشوت ہے۔"

علامہ زبیدی نے مزید لکھا کہ رشوت اصل میں رشاء سے ماخوذ ہے اور "رشاء" ڈول کی اس رسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے۔ اور راشی وہ شخص ہے جو کسی شی کو حاصل کرنے کے لیے کسی کی مدد کرتا ہے۔ اور مرتشی رشوت لینے والے کو کہتے ہیں، اور رائش اس شخص کو کہتے ہیں جو رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے کے درمیان معاملہ طے کراتا ہے۔ اور جو چیز حق کو حاصل کرنے کے لیے دی جائے یا ظلم کو دور کرنے کے لیے دی جائے وہ رشوت نہیں ہے۔ اور ائمہ تابعین سے منقول ہے کہ اپنی جان اور مال کو ظلم سے بچانے کے لیے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(تاج العروس: ۱۰/۱۵۰)

Marfat.com

رشوت کے اصطلاحی معنیٰ:

یہ تو رشوت کے لغوی معنی تھے۔ رشوت کے اصطلاحی معنی مختلف لوگوں نے مختلف کیے ہیں۔

(ملاحظہ ہو الاصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیہ: ص ۳۳۰، عون المعبود فی شرح ابی داؤد: ۹/۴۹۶، المحلی لابن حزم: ۹/۱۵۷ وغیرہ)

بعض حضرات نے رشوت کی تعریف یہ کی ہے:

''رشوت وہ چیز ہے جو اپنے حق میں فیصلہ لینے کے لیے یا اپنے موافق کرنے کے لیے کسی حاکم وغیرہ کو پیش کی جائے۔'' (الاکلیل علیٰ مدارک التنزیل: ص ۱۸۹)

علامہ یوسف القرضاوی نے رشوت کی تعریف یہ کی ہے:

''رشوت وہ چیز ہے جو کسی حکمران یا سرکاری ملازم کو اس بنا پر پیش کی جائے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے یا اس کی منشاء کے مطابق اس کے مخالف کے خلاف فیصلہ دے دے یا اس کو فوراً پورا کرے، یا اس کے فریق مخالف کے معاملہ کو تاخیر میں ڈال دے وغیرہ۔'' (الحلال والحرام فی الاسلام: ص ۳۲۰)

بعض حضرات نے رشوت کی تعریف یہ کی ہے:

الرشوۃ مایعطی لابطال حق و لاحقاق باطل. (التاج: ۳/۵۶)

''رشوت وہ چیز ہے جو کسی حق کے باطل کرنے یا کسی باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے دی جائے۔''

مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے رشوت کی یہ تعریف کی ہے:

''رشوت کی شرعی تعریف یہ ہے کہ جس کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو مثلاً جو کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہے اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہو، اس پر کسی فریق سے معاوضہ لینا جیسے حکومت کے افسر اور کلرک سرکاری ملازمت کی رو سے اپنے فرائض ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں، وہ صاحب معاملہ سے کچھ لیں تو یہ رشوت ہے، یا لڑکی کے ماں باپ اُس کی شادی کرنے کے

Marfat.com

ذمہ دار ہیں، کسی سے اس کا معاوضہ نہیں لے سکتے۔ وہ جس کو رشتہ دیں اس سے کچھ معاوضہ لیں تو وہ رشوت ہے۔'' (معارف القرآن:۳/۱۵۱)

لیکن سب سے اچھی اور جامع مانع تعریف علامہ ابن عابدین نے کی ہے کہ ''رشوت وہ چیز ہے جو آدمی کسی حاکم یا غیر حاکم کو اس مقصد کے تحت دیتا ہے کہ فیصلہ اس کے حق میں ہو یا اس کے من پسند منصب پر اسے فائز کرے۔'' (حاشیہ ابن عابدین:۵/۳۶۲)

اس تعریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رشوت حاکم یا غیر حاکم کو کسی کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو رشوت عام ہوگی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مال ہو یا اس شخص سے حاصل ہونے والی کوئی منفعت ہو یا اس کی خاطر کسی کے کام کی ادائیگی ہو اور حاکم سے مراد یہاں قاضی ہے۔ اور غیر حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس سے رشوت دینے والے کو غرض اور مفاد پورے ہونے کی توقع ہو، خواہ وہ حکومت کا والی ہو یا کسی محکمہ کا ملازم ہو یا کوئی مخصوص کام اس کے سپرد ہو جیسے تاجروں یا کمپنیوں کا ایجنٹ ہو یا زمینداروں اور جاگیرداروں کا گماشتہ ہو وغیرہ۔ اور رشوت دینے والے کے حق میں فیصلہ کرنے یا رشوت دینے والے کی مرضی کے مطابق رشوت لینے والے کو برانگیختہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رشوت دینے والے کی مرضی اور اس کے مقصد کو دینے والا پورا کرے اور اس سے کوئی بحث نہ کرے کہ وہ مرضی یا مقصد حق ہے یا باطل۔

رشوت کی اس تعریف کی روشنی میں رشوت کے تین اجزاء ہیں:

(1) رشوت وہ مال یا منفعت ہے جو رشوت دینے والا خرچ کرتا ہے تاکہ رشوت لینے والا مذکورہ غرض یا مفاد کو پورا کر سکے۔

(2) مرتشی وہ شخص ہے جو کسی دوسرے شخص سے مال کا تقاضا کرتا ہے یا اس سے کسی نفع کا حصول چاہتا ہے تاکہ اس کے عوض اس کی غرض پوری کر دے جس کی ادائیگی اس کے لیے ضروری ہو، یا اس کا کوئی غیر شرعی کام انجام دے دے۔ کام انجام دینے کا مطلب دونوں سے ہے یعنی کام کر دینا یا کام کرنے سے رک جانا ہو۔

(3) راشی وہ شخص ہے جو یہ سارا مال خرچ کرتا ہے یا مفاد بہم پہنچاتا ہے تاکہ اس کی غرض پوری ہو سکے۔

Marfat.com

رشوت کی مختلف صورتیں:

رشوت کی مختلف قسمیں اور صورتیں ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

(1) حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے رشوت دینا:

شریعت کی نگاہ میں حرام نہایت ناپسندیدہ چیز ہے کیونکہ اس سے ایک بندۂ مومن کا شیشہ قلب داغ دار ہو جاتا ہے، اس لیے ہر ایسا وسیلہ اور ذریعہ بھی شریعت میں حرام ہے جس کے ذریعہ حق کے خلاف باطل کو غلبہ مل رہا ہو، اور رشوت ان وسائل میں سے ایک ہے جس کی وجہ سے حق کو باطل اور باطل کو حق ٹھہرایا جاتا ہے، اس لیے اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے، اور اس سے پیدا شدہ گناہ جس طرح رشوت لینے والے کو ہوگا رشوت دینے والا اور ''الرائش'' یعنی درمیانی ایجنٹ بھی اس گناہ میں اتنا ہی ملوث ہوگا۔ جو مال حاکم کے علاوہ کسی اور کو اپنی نفسانی اغراض کے لیے روپیہ بطور رشوت دیا جائے تو یہ حرام رشوت کی ایک بدترین مثال ہوگی کیونکہ رشوت اسی غرض کے تحت دی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعہ باطل کو حق اور حق کو باطل ثابت کیا جائے، یا اس کے حق کو غصب کر لیا جائے جس نے اس کی طرح رشوت نہیں دی۔

جو حاکم حق کو باطل ثابت کرنے کے لیے رشوت لیتا ہے اس کی اس حرکت سے اس کا فسق دو طرح سے ثابت ہو جاتا ہے۔

(1) ایک اس طرح سے کہ اس نے رشوت لینے کا ارتکاب کیا جو سراسر باطل کی اعانت کے لیے صرف ہو رہی ہے، اور وہ حرام ہے، لہٰذا اس کے عوض جو چیز لی جائے گی وہ بھی حرام ہوگی اور اس کا کرنے والا فاسق ہوگا۔

(2) دوسرے رشوت لے کر وہ ناحق فیصلہ کرے گا جو قطعی حرام ہے جس کا ارتکاب کرنے والا فاسق ہے۔ یا تو اسے معزول کر دیا جائے گا یا وہ معزول کیے جانے کے قابل ہے۔ (احکام القرآن، جصاص: ۴/۸۶)

رشوت دینے والا بھی دو وجہ سے فاسق کہے جانے کا مستحق ہے۔

ایک اس لیے کہ اس نے اپنا مال رشوت میں خرچ کیا۔

Marfat.com

دوسرے اس لیے کہ اس نے اپنے اور دوسرے کے حق میں ظلم کیا۔

اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جو چیز فسق کا سبب ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے۔ لہٰذا رشوت بالاتفاق حرام ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی: ۶/۱۸۳، احکام القرآن، جصاص: ۴/۸۴، عون المعبود: ۹/۴۹۶)

کسی حق کو حاصل کرنے اور ظلم وضرر کے دفعیہ کے لیے رشوت دینا:

موجودہ زمانے میں بعض لوگوں کا حق مارا جا رہا ہوتا ہے، یا ظلم وجور سے بچنے کے لیے انہیں چار و ناچار رشوت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اگرچہ ان صورتوں میں افضل ترین صورت یہ ہے کہ صبر سے کام لیا جائے تا کہ حق تعالیٰ شانہ غیب سے اس کے حق کے حصول کی راہ آسان کر دے یا اس پر ہونے والے ظلم کو دفع کر دے، لیکن ہر شخص نہ ہی اس قدر صابر ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں اس قدر حوصلہ ہوتا ہے، لہٰذا وہ رشوت دے کر اپنا حق حاصل کر لیتا ہے اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا دفعیہ کر لیتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گنہ گار کون ہوگا؟ آیا رشوت لینے والا تنہا مجرم ہے یا لینے اور دینے والا دونوں مجرم ہیں؟ اس سلسلہ میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ لینے والا تنہا گنہ گار ہوگا، رشوت دینے والا گنہ گار نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

> "جس شخص کی حق تلفی ہو رہی ہو اور بجز رشوت کے کوئی اس کے حصول کی صورت نہ ہو، یا اس پر ظلم کیا جا رہا ہو اور سوائے رشوت دینے کے اس کا دفعیہ ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں افضل یہ ہے کہ صبر سے کام لیا جائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے رفع ظلم اور حصول حق کی بہتر صورت پیدا فرما دے، لیکن اگر اس مجبوری کی بنا پر اسے رشوت دینا پڑے تو گناہ رشوت لینے والے کے سر ہوگا بشرطیکہ اس نے دوسرے تمام ذرائع سے کام لیا ہو اور وہ بے سود ثابت ہوئے ہوں۔ نیز وہ رشوت دے کر ظلم کو دور کرنا یا اپنا حق وصول کرنا چاہتا ہو نہ کہ دوسروں کی حق تلفی کرنا۔" (الحلال والحرام فی الاسلام: ص ۶۷)

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح القدیر: ۵/۳۵۵، حاشیہ ابن عابدین شامی: ۵/۳۶۲، احکام القرآن جصاص: ۴/۸۲، عون المعبود: ۹/۴۹۶، البنایہ شرح الهدایہ: ۳/۲۶۸، المحلی لابن حزم: ۹/۱۵۷)

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت آپ سرزمین حبشہ پہنچے تو ان سے کچھ سامان چھینا گیا۔انہوں نے اس سامان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے دیے۔پھر ان کو چھوڑ دیا گیا۔اس وقت آپ نے فرمایا تھا:

ان الاثم علی القابض دون الدافع.

''یعنی لینے والا گنہ گار ہے دینے والا نہیں۔''

(تفسیر قرطبی:۶/۱۵۳،عون المعبود:۹/۴۹۶،سنن کبریٰ بیہقی:۱۰/۱۳۹)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ظلم دفع کرنے کے لیے رشوت دی اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے سے گناہ ان پر نہ ہوگا،اور صحابی کا فعل لائق سماعت ہے بشرطیکہ کسی حدیث سے معارض نہ ہو۔اور یہ واقع کسی صحیح حدیث کے معارض نہیں۔

ملازمت کے حصول کے لیے رشوت دینا:

اس زمانہ میں ملازمت کا حصول بڑا مشکل ہے۔ملازمت دینے والے افسران کو رشوت کی چاٹ لگی ہوئی ہے،حالانکہ شرعی طور پر سچے،امانت دار،مستقل مزاج،مقتدر اور بے نیاز افراد کو سرکاری کاموں کی ذمہ داری سونپنا ایک اہم دینی فریضہ ہے،لیکن اس زمانہ میں رشوت کے ذریعہ لوگ پچھلے دروازوں سے اعلیٰ عہدوں اور بلند مرتبوں پر فائز ہو جاتے ہیں،اس لیے اسلام نے رشوت لینے والے،رشوت دینے والے اور درمیانی ایجنٹ (الرائش) کو جہنم کی بشارت دی ہے۔(ردالمختار:۴/۳۰۶)

اس قسم کی رشوت کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(النساء:۵۸)

''بے شک تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

علماء نے لکھا ہے اور بعض احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی منصب یا

ملازمت کے حصول کے لیے رشوت دینا درحقیقت امانت کو نااہلوں کے سپرد کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے حکم خداوندی کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اس لیے کسی بھی منصب یا ملازمت کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا حرام ہے۔

امام ابویعلی موصلی نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ ''جس شخص نے دس آدمیوں پر کسی شخص کو کارگزار بنایا اور اسے معلوم ہے کہ اس گروہ میں اس سے بہتر بھی کوئی شخص ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت مسلمین کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہوگا۔'' (الدرایہ فی تخریج البدایہ: ۲/۱۶۵)

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سند متصل کے ساتھ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر وہ حکمران جو مسلمانوں کی جماعت کی نگہداشت کرتا ہے اگر وہ اس حال میں مرے کہ اس نے لوگوں کے ساتھ فریب اور دھوکہ کیا (یا ٹیلی ویژن پر قوم کے سامنے جھوٹ بول کر اس سے دھوکہ کیا ہو) تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔'' (فتح الباری: ۱۶/۲۴۶، السیاسۃ الشرعیہ لابن تیمیہ: ص۱۴)

اس سلسلہ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول بھی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہوا پھر اس نے کسی شخص کو باہم دوستی اور قرابت داری کی بنیاد پر کسی عہدہ یا منصب پر فائز کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔''

(السیاسۃ الشرعیہ: ص۱۰)

غیر اہل کو عہدہ دینا دراصل امانت میں خیانت کا مرتکب ہونا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ سائل نے پوچھا: ''امانت کیسے ضائع ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی منصب کسی نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔'' (بخاری، رقم: ۵۹)

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا ایمان نہیں اور جو وضو نہ کرے اس کا ایمان نہیں۔''

(شعب الایمان بیہقی، رقم: ۵۲۵۴)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس امت میں سے جو چیزیں سب سے پہلے اٹھائی جائیں گی وہ حیاء اور امانت ہیں۔ سو تم اللہ جل شانہ سے ان کا سوال کرو۔'' (شعب الایمان، رقم: ۵۲۵۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کسی شخص کی نماز اور روزے سے تم دھوکے میں نہ آنا۔ جو چاہے نماز پڑھے اور جو چاہے روزے رکھے، لیکن جو امانت دار نہیں ہے وہ دین دار نہیں ہے۔'' (شعب الایمان، رقم: ۵۲۷۹)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت افراد کے بارے میں سوال ہو گا۔ حاکم نگہبان ہے اس سے اپنے عوام کے متعلق جواب طلبی ہو گی۔ اور مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے اور اس سے اپنے اہل کے بارے میں جواب طلبی ہو گی، نوکر اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال ہو گا۔ اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں جواب طلبی ہو گی۔ اور تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا نگہبان ہے اور اس سے اس چیز کے بارے میں جواب طلبی ہو گی۔

(بخاری، رقم: ۸۹۳، مسلم، رقم: ۱۸۲۹، ابوداؤد، رقم: ۲۹۲۸، ترمذی، رقم: ۱۱۷۱، مسند احمد: ۲/۵)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا امیر بنایا حالانکہ اس کی جماعت میں اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بردار بندہ تھا، تو بنانے والے نے اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت مسلمین سے خیانت کی۔ (مستدرک حاکم: ۴/۹۲)

اسی سلسلہ میں ایک اور روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس آدمی نے کسی شخص کو مسلمانوں کا عامل

Marfat.com

بنایا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس سے بہتر شخص موجود ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ جاننے والا ہے، تو اس آدمی نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔'' (کنزالعمال: ۶/۷۹)

مندرجہ بالا دونوں احادیث کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔ اور جس شخص نے اپنے بھائی کی راہ نمائی کسی چیز کی طرف کی حالانکہ اس کو علم تھا کہ اہلیت اور صلاحیت اس کے غیر میں ہے تو اس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی۔ (سنن ابی داود، رقم: ۳۶۵۷)

مختصر یہ کہ ایک بندۂ مومن کے لیے تمام مخلوق کی امانت کو ادا کرنا، اس میں یہ امور داخل ہیں اگر کسی شخص نے کوئی امانت رکھوائی ہے تو اس کو واپس کرنا، ناپ تول میں کمی نہ کرنا، لوگوں کے عیوب بیان نہ کرنا، حکام کا عوام کے ساتھ عدل کرنا، علماء کا عوام کے ساتھ عدل کرنا بایں طور کہ ان کی صحیح راہ نمائی کرنا، بیوی کا اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں اس کی عزت اور مال کی حفاظت کرنا، اور جس شخص کا گھر میں آنا اسے ناپسند ہو اس کو نہ آنے دینا، تاجر کا ذخیرہ اندوزی نہ کرنا، بلیک مارکیٹ نہ کرنا، نقلی دوائیں بنا کر لوگوں کی جان سے نہ کھیلنا، کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ نہ کرنا، اسمگلنگ کر کے کسٹم ڈیوٹی بچانا، ٹیکس میں ہیرا پھیری نہ کرنا، سودی کاروبار نہ کرنا، منشیات اور مضر صحت اشیاء کو فروخت نہ کرنا، بیوروکریٹس کا رشوت نہ لینا، سرکاری افسران کا اپنے محکمہ سے ناجائز مراعات حاصل نہ کرنا، ڈیوٹی پر پورا وقت نہ دینا، دفتری اوقات میں غیر سرکاری کام نہ کرنا، پاسپورٹ یا مختلف لائیسنس اور ٹھیکیداروں کے بل رشوت کے بغیر پاس نہ کرنا کیونکہ ان کاموں کا کرنا ان کی سرکاری ڈیوٹی اور اسی کی انہیں تنخواہ ملتی ہے یہ سب چیزیں امانت میں خیانت کرنے کے مترادف ہے اور یہ سب رشوت میں شمار ہوتا ہے اور رشوت کی سزا جہنم ہے۔ آج کل اسمبلی کے ممبران ایک پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہوتے ہیں لیکن اسمبلی میں جا کر اپنے مفادات کے لیے یا حکومت سے رشوت لے کر پارٹی بدل لیتے ہیں۔ یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔ حکومت کے ارکان، صدر، وزراء جو قومی خزانے سے غیر ملکی دوروں پر غیر ضروری افراد کو

Marfat.com

اپنے ساتھ لے جا کر باہر عیاشیاں کرتے ہیں اور مہنگے ہوٹلوں میں جا کر قیام کرتے ہیں، یہ بھی امانت میں خیانت کرنا ہے۔ اسی طرح سفارش یا رشوت لے کر نااہل لوگوں کو مختلف آسامیوں پر تقرر کرنا اور میرٹ کا خیال نہ کرنا یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔ کسی دنیوی یا ذاتی غرض سے نااہل کو ووٹ دینا بھی خیانت ہے۔ مختصر یہ کہ موجودہ دور میں اور خصوصی طور پر پاکستان میں ہمارے پورے معاشرے میں خیانت کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔

رشوت اور ہدیہ:

بعض حضرات ہدیہ کے نام سے رشوت لیتے اور دیتے ہیں۔ بعض دینے والا ہدیہ دیتا ہے لیکن لینے والے کے لیے وہ رشوت ہوتا ہے۔ ہدیہ شریعت میں جائز ہے بلکہ محبت کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "تھادوا تحابوا" ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔ ہدیہ کیا ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک ہدیہ کی تعریف یہ ہے کہ "کسی شرط کے بغیر ایک آدمی دوسرے کو جو مال دیتا ہے، اس کو ہدیہ کہتے ہیں۔" بعض حضرات کہتے ہیں: "ہدیہ وہ مال ہے جو دلی محبت کے اظہار، الفت کے حصول اور ثواب کی غرض سے عزیزوں، دوستوں، علماء، مشائخ اور صالحین کو دیا جائے جس کے بارے میں اس کو حسن ظن ہو۔ (تعریب السیاسۃ الشرعیہ فی حقوق الراعی وسعادۃ الرعیۃ: ص ۵۰)

یہ ہے ہدیہ کی حقیقت۔ شریعت میں یہ ایک مستحب اور پسندیدہ امر ہے کیونکہ حدیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایک دوسرے کو ہدیے دو اس سے دل کا کینہ ختم ہو جاتا ہے، اور کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے ہدیہ کو حقیر نہ جانے اگرچہ بکری کا ایک کھر ہی ہدیہ میں کیوں نہ دے۔" (النہایہ فی غریب الحدیث والاثر لابن اثیر: ۳/۴۶۹)

ہدیہ کا مقصد حدیث میں یہی بتایا گیا ہے کہ لوگوں میں محبت عام ہو، لیکن ہدیہ کا یہ لین دین اسی شخص کے لیے ہے جو مسلمانوں کے لیے کسی کام کا نگران اور ذمہ دار نہ ہو، جس

Marfat.com

شخص کو ریاست کی کوئی ذمہ داری نہ سونپی گئی ہو جیسے قاضی، صدر، گورنر، وزیر، صوبائی اور وفاقی سیکریٹری یا حکومت کا کوئی چھوٹا یا بڑا عہدے دار ہو۔ ایسے لوگوں کو ہدیہ قبول کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ خصوصاً ایسے لوگوں کو تو ان ہدیوں کو بالکل نہیں قبول کرنا چاہیے جنہیں منصب پر فائز ہونے سے قبل ہدیہ یا تحفہ نہیں ملا کرتا تھا۔ کیونکہ گاہے گاہے تحفہ دینے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا حربہ بنالیا جاتا ہے اور پھر اس کے بعد اپنی ضرورت پوری کی جاتی ہے اور وہ کام کرایا جاتا ہے جو ملازم پر ہدیہ لیے بغیر بھی فرض ہوتا ہے۔ اب اگر اسی کے فرض کو انجام دلانے کے لیے اسے تحفہ دیا گیا تو یہ بھی ایک قسم کی رشوت ہے۔ (المبسوط، سرخسی: ۱۶/۸۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''امور مملکت سے متعلقہ کام کا جو شخص ذمہ دار ہوگا اس کے لیے کسی قسم کا ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ گورنروں اور کارکنان حکومت کا تحفہ اور ہدیہ خیانت اور کھوٹ ہے اور کسی حاکم کو خاص طور پر اس کی اجازت نہ ہوگی۔ ہاں اس منصب پر فائز ہونے سے قبل جس کسی سے اس کا یارانہ اور میل ملاپ ہوگا، اس سے تحفہ اور ہدیہ قبول کرنا مستثنٰی ہوگا۔

ابن التین فرماتے ہیں کہ گورنروں کو ہدیہ دینا رشوت ہے۔ اس کو ہدیہ اور تحفہ کہا بھی نہیں جا سکتا، اس لیے کہ اگر وہ شخص گورنر نہ ہوتا تو کون اسے تحفہ اور ہدیہ دیتا۔ اسی طرح قاضی اور جج کو ہدیہ دینا نہایت قبیح اور حرام ہے، وہ اس کا مالک بھی نہ ہوگا۔ (عمدۃ القاری: ۱۱/۴۰۷)

امام طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ امام کو تحفہ دینا خیانت ہے۔ (کنز العمال: ۶/۶۵، فیض القدیر: ۶/۳۵۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گورنروں کے تحفے اور ہدیے اول تو قبول نہیں فرماتے تھے، اور اگر قبول فرماتے تو انہیں بیت المال میں داخل فرما دیتے تھے۔ کوئی کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحفہ اور ہدیہ قبول فرماتے تھے تو آپ جواب میں فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں وہ ہدیہ ہوتا لیکن آج رشوت ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے

تزود حکمة منی — وحل القیل والقالا
فساد الدین والدنیا — قبول الحکم المالا

Marfat.com

''یعنی مجھ سے حکمت کی بات سنو اور اس کو اپنے لیے زادراہ بنالو۔ (وہ حکمت کی بات یہ ہے کہ) حاکم کا مال قبول کرنا دین و دنیا کی خرابی کا باعث ہے۔''

ایک حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنو اسد کے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ جب وہ صدقات وصول کر کے واپس آیا تو کہنے لگا: ''یہ آپ لوگوں کے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔'' یہ سن کر سرکار دو عالم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''ان تحصیل داروں کو کیا ہو گیا ہے جنہیں ہم وصول یابی کے لیے بھیجتے ہیں، جب وہ واپس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ''یہ آپ کا ہے اور یہ ہمارا ہے۔'' بھلا یہ اپنے ماں باپ کے گھروں میں بیٹھے رہیں تو پھر دیکھیں کہ کیا کوئی انہیں تحفے تحائف لا کر دیتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ جو چیز لے کر قیامت کے روز آئیں گے اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اگر وہ اونٹ ہو گا تو بلبلاتا ہو گا، گائے ہو گی تو چلاتی ہو گی، اور بکری ہو گی تو ممیارہی ہو گی، پھر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ بلند فرمائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بغل کی سفیدی میں نے دیکھ لی۔ پھر فرمایا سنو! کیا میں نے پہنچا نہیں دیا؟ یہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔''

(فتح الباری:۱۶/ ۲۸۷، مسلم مع نووی:۲۱/ ۲۱۸)

اگر کوئی شخص گورنر یا کسی اور بڑے افسر کے پاس کسی کی سفارش لے کر جائے تاکہ وہ گورنر اس پر توڑے جانے والے مظالم کا سد باب کرے یا اس کا حق اس تک پہنچائے یا اسے کسی عہدہ پر فائز کرے یا فوج میں اس کو بھرتی کرا دے، اور وہ شخص اس سب کی اہلیت رکھتا ہے تو ان سفارشات میں ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں ہو گا اگرچہ ہدیہ دینے والا اپنے حق کو وصول کرنے یا ظلم کو رفع کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ خرچ کرے۔''

(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ:۱۳/ ۲۸۶)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے اپنے بھائی کے لیے کوئی سفارش کی اور اس نے اسے کوئی ہدیہ دیا

اور لینے والے نے اس کو قبول کرلیا تو اس نے سود کے ایک بڑے دروازے میں گھسنے کا ارتکاب کیا۔" (کنز العمال: ۶/۶۵، مجموع الفتاویٰ: ۱۳/۲۸۶)

رشوت اور یہود:

قرآن حکیم اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا کہ رشوت لینا یہود کی ایک بری خصلت تھی۔ خصلتیں تو ان میں اور بھی بہت بری تھیں لیکن ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ رشوت کھاتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اکالون للسحت﴾ یعنی یہ سحت کھانے کے عادی ہیں۔ سورۃ المائدہ کی اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں۔ اس کو تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا، اس کے بعد فرمایا: وہ "سحت" بہت زیادہ کھاتے ہیں۔ "سحت" کا مطلب کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑنا ہوتا ہے۔ عرب سر مونڈنے والے کے متعلق کہتے ہیں "اسحت" اس نے بال جڑ سے اکھاڑ دیئے۔ مال حرام کو بھی "سحت" کہتے ہیں کیونکہ وہ عبادت کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "سحت" رشوت ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حاکم کو رشوت دینا "سحت" کہلاتا ہے۔

مسروق بیان کرتے کہ میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا "سحت" کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: فیصلہ کرنے میں رشوت لینا۔

(مسند ابی یعلی، رقم: ۵۲۶۶، معجم کبیر طبرانی، رقم: ۹۱۰۰، مجمع الزوائد: ۴/۲۰۰، المطالب العالیہ لابن حجر، رقم: ۲۱۳۵، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۱۳۹)

طبری نے اپنی تفسیر میں روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے "سحت" کے بارے میں پوچھا گیا۔ انہوں نے فرمایا: "ایک شخص کسی سے اپنی حاجت طلب کرے۔ وہ اس کی حاجت پوری کرے۔ پھر وہ اس کو ہدیہ دے جس کو وہ قبول کرے۔

رشوت کی حرمت قرآن سے:

شریعت اسلامیہ لوگوں کے اموال کی حفاظت کو شدت سے چاہتی ہے اور

Marfat.com

رشوت ستانی جیسے حرام اور باطل طریقے سے کسی کا مال کھانے سے سختی سے روکتی ہے۔ اسلام نے حکام اور ان کے معاونین کے لیے رشوت ستانی کو حرام ٹھہرایا ہے۔ نہ رشوت دینے کی اجازت دی اور نہ ہی اس کو قبول کرنے کی۔ اسی طرح ان دونوں کے درمیان واسطہ بننا (الرائش) بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ سماج میں رشوت کا عام ہونا ظلم و فساد کے عام ہونے کے مترادف ہے۔ رشوت دے کر خلاف حق فیصلے کیے جاتے ہیں اور جن کا کام بعد میں ہونا چاہیے ان کا پہلے اور جن کا پہلے ہونا چاہیے ان کا بعد میں کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں فرائض کی انجام دہی کی روح پیدا ہونے کے بجائے مفاد پرستی کی روح پیدا ہوتی ہے۔ (الحلال والحرام فی الاسلام: ص ۳۲۰)

قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۸۸)

"اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں کے پاس (رشوت کے طور پر) پہنچاؤ تاکہ تم جان بوجھ کر لوگوں کا کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ۔"

اس آیت میں باطل طریقے سے مال کھانے کو منع کیا گیا اور مال کو باطل طریقے سے کھانے کی ایک صورت رشوت ستانی ہے جس کے ذریعہ سے حکام کو انصاف کے راستہ سے برگشتہ کیا جاتا ہے۔ کسی شے کی مخالفت اس کی حرمت کو چاہتی ہے، اس لیے رشوت حرام ہے۔ شریعت مال کھانے کے ہر ایسے طریقے کو حرام قرار دیتی ہے جو غیر معتبر ہو، اور کسی ناقابل لحاظ چیز کے عوض اس کا لین دین ہوا ہو۔ (تفسیر المراغی: ۲/۸۰)

اور اگر اس طریقے سے مال کا دینے والا رضامندی کا جھوٹا مظاہرہ بھی کرے تب بھی اس کا شمار رشوت میں ہوگا۔ (تفسیر قرطبی: ۲/ ۲۳۸) اور اگر دینے والے کی رضا شامل نہ رہی یا غیر حقیقی یا غیر مفید جگہ اس کو خرچ کیا کہ اللہ نے اس کا کھانا غیر مباح قرار نہیں دیا تب بھی اس کا شمار حرام ہوگا۔ (تفسیر المراغی: ۲/۸۰، تفسیر طبری: ۲/۱۰۶)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے ''آپس میں ایک دوسرے کا مال'' اس لیے کہا تاکہ امت کی وحدت کا احساس رکھا جائے۔ باہمی تعاون اور مشترکہ ذمہ داری کا تصور عام ہو اور یوں دلوں میں یہ یقین اجاگر ہو کہ غیروں کے مال کا احترام اور اس کی حفاظت کرنا ایسا ہے جیسا اپنے مال کا احترام کرنا اور اس کی حفاظت کرنا، اور اگر دوسرے کے مال پر دست درازی کی یا اس کو غصب کیا تو یہ پوری امت کے مال پر ظلم و زیادتی کے برابر ہوگی اجس کا وہ خود ایک فرد اور شجر امت کی ایک ڈال ہے، اور جس معاشرہ میں ایسا کوئی گناہ عام ہو گا اس کے اثرات سے وہ خود بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا کیونکہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جتنی بے باکی سے وہ دوسروں کا مال کھائے گا دوسرے بھی اتنا ہی بے ڈر اور بے باک ہو کر اس کا مال ہڑپ کرنے کے درپے ہوں گے اور حکام کو رشوت کی شکل میں مال انہیں باطل طریقے سے مال کھلانا ہے۔ (تفسیر المراغی: ۸۱/۲)

اور ''تدلوا بها الى الحكام'' کی تفسیر یہی ہے کہ حکام کو راہ سے بے راہ کرنے اور انصاف سے ہٹانے کے لیے انہیں مال نہ کھلاؤ، اور نہ ہی اپنا کام نکالنے کے لیے انہیں رشوت دو۔ (المراغی: ۸۱/۲، تفسیر قرطبی: ۲۴۰/۲)

''تدلوا'' ارسال دلو سے ماخوذ ہے جس کے معنی ڈول ڈالنے کے ہیں۔ اور رشوت ''رشا'' سے ماخوذ ہے یعنی ڈول کی رسی۔ گویا اس رسی کے ذریعے ڈول کو اس لیے ڈالا جاتا ہے تاکہ اس سے حاجت اور ضرورت پوری کی جا سکے۔

ایک اور مقام پر حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ الآية﴾ (مائدہ: ۴۲)

''(اے پیغمبر!) یہ لوگ جھوٹ باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرنے والے (اور رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں۔''

اس آیت میں یہود کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ جھوٹی باتیں سنتے ہیں اور حرام مال کھاتے ہیں اور جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ ان تینوں چیزوں کی مذمت ان کی حرمت کو چاہتی ہے کیونکہ حرام کھانا ان کے اندر پیوست ہوتا ہے۔ یہاں لفظ ''سحت'' استعمال کیا گیا ہے۔ لغت میں ''سحت'' کے کئی معنی ہیں۔ ان میں سے ایک معنی ہلاک کرنا ہے۔ (طٰہٰ ۶۱)

اور ''سحت'' کے معنی کسی شے کو جڑ سے اکھاڑنے کے ہیں۔ حرام مال کو بھی ''سحت'' کہتے ہیں کیونکہ وہ عبادات کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سحت رشوت ہے۔ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حاکم کو رشوت دینا سحت ہے۔

امام احمد بن علی تمیمی روایت کرتے ہیں کہ مسروق کہتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا: ''سحت کسے کہتے ہیں؟'' انہوں نے فرمایا کہ ''فیصلہ کرنے میں رشوت لینا۔'' فرمایا: یہ کفر ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدہ:۴۴)

''اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔''

(مسند ابی یعلی موصلی، رقم: ۵۲۶۶، معجم کبیر طبرانی: ۹۱۰۰، مجمع الزوائد: ۴/ ۲۵۸، وقال الہیثمی سندہ صحیح، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/ ۱۳۹، المطالب العالیہ، رقم: ۲۱۳۵)

مسروق نے کسی شخص کے کسی کام میں سفارش کی۔ اس شخص نے ہدیہ میں انہیں باندی پیش کی۔ اس پر مسروق سخت غضب ناک ہوئے اور کہا: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسا کرو گے تو میں تمہارے کام کی سفارش نہ کرتا اور آئندہ کسی کام میں تمہاری سفارش نہیں کروں گا۔ میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حکم دلانے کے لیے سفارش کرے یا کسی سے ظلم دور کرنے کے لیے سفارش کرے۔ پھر اس کو ہدیہ دیا جائے جس کو وہ قبول کر لے تو یہ سحت ہے۔ ان سے کہا گیا: ''اے ابوعبدالرحمٰن! ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ فیصلہ کرنے پر کچھ لینا سحت ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''فیصلہ کرنے پر لینا کفر ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر وہ گوشت جس کو سحت (مال حرام) نے بڑھایا ہو، اس کے لیے جہنم کی آگ زیادہ لائق ہے۔'' آپ سے پوچھا گیا: ''یا رسول اللہ! سحت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: ''حکم میں رشوت دینا۔'' (جامع البیان: ۶/ ۳۲۶)

یہود میں حرام کھانا ان کی طبیعت میں پیوست ہو گیا تھا، رشوت بھی حرام کمائی میں داخل ہے اس لیے رشوت کا لین دین حرام ہے۔ یہ لعنت یہود میں بڑی حد تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی زندگی اسی ڈگر پر گھومتی تھی کہ وہ فیصلوں میں انصاف کے راستے سے گریز کرتے تھے۔ ان کے اندر رشوت کا عام چلن تھا، اس کی وجہ سے ان کے معاملات بگڑ چکے تھے۔ عفت اور پاک دامنی کے بجائے حرص وآز اور ہوس و لالچ کا ہر طرف دور دورہ تھا، اور یہود اور سردارانِ یہود بلکہ راہبان یہود بھی رشوت اور حرام چیزوں کے رسیا تھا۔ کمینہ پن اور بے حیائی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اور جس لعنت میں قوم یہود مبتلا تھی، بگاڑ اور پستی کے دنوں میں کم وبیش ہر قوم کا یہی انجام ہوتا ہے۔ آج بھی گاہے گاہے یہود کی زیر ملکیت عالمی کمپنیوں کے بارے میں ہم آئے روز سنتے رہتے ہیں کہ ان کے اعلیٰ حکام دنیا میں پھیلے ہوئے بڑے بڑے عہدہ داروں اور تاجروں کو طرح طرح سے رشوت دیتے ہیں۔ ان کے منہ روپوں سے اس لیے بند کرتے ہیں تاکہ عالمی ضمیر میں فساد آئے، گرے ہوئے اور نکمے طریقہ سے ان کی تیار کردہ مصنوعات کا رواج اور چلن ہو اور عالمی منڈی ان کے ہاتھوں سے نکلنے نہ پائے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے حکام کا یہ حال تھا کہ فریقین میں سے کوئی جب ان کے پاس آتا تو رشوت کو اپنی آستین میں رکھ لیتا اور حاکم کی توجہ اپنی آستین کی طرف مبذول کراتا، پھر اپنی ضرورت کا اظہار کرتا۔ حاکم رشوت پر فریفتہ ہو کر اس کی طرف اس طرح مائل ہوتا تھا کہ اس کی باتیں تو سنتا تھا اور اس کے فریق مخالف کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ اس طرح یہ حکام رشوت کھاتے تھے اور جھوٹی باتیں سنتے تھے۔ (تفسیر کشاف، زمخشری: ۱/۶۱۴)

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ آیت میں لفظ ''سحت'' استعمال کیا گیا ہے۔ سحت یعنی سخت حرام مال جس کا حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ برکت کو ختم کر دیتا ہے۔ سحت ہر وہ حرام مال ہے جس کا ذکر کرنا بھی برا معلوم ہو یا ایسی کمائی جو حرام اور بری ہو جس کا ذکر کرنا شرم ناک ہو۔ ''سحت'' بہت زیادہ کھانے پینے والے کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ''رجل مسحوت الجوف والمعدۃ شرہ'' یعنی بہت زیادہ

Marfat.com

کھانے والا آدمی جس کی سب سے بڑی حرص والی چیز خود اس کا معدہ ہے۔ مسحوت وہ شخص ہے جس کا معدہ انواع واقسام کے کھانوں کا حریص ہو جو کبھی آسودہ نہ ہوتا ہو۔

(تاج العروس:۱۱/۵۵۱،تہذیب اللغۃ:۴/۲۸۴)

''سحت'' کی اصل کلب الجوع ہے یعنی کتے کی سی شدید بھوک۔ کہا جاتا ہے کہ ''فلان مسحوت المعدۃ اذا کان اکولاً لا یلغی ابداً الا جائعاً'' یعنی فلاں شخص بھوکا پیٹ ہے جتنا زیادہ کھاتا ہے اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ رشوت کو''سحت'' اس کے ساتھ تشبیہ کی غرض سے کہا جاتا ہے، گویا رشوت خور رشوت لے کر اس قدر حریص ہو جاتا ہے کہ اس کی رشوت لینے کی بھوک نہیں مٹتی جیسے بہت زیادہ حریص اور لالچی آدمی کی بار بار کھانے کے باوجود بھوک نہیں مٹتی۔ (تفسیر قرطبی:۶/۱۸۲،تفسیر طبری:۶/۱۵۶)

اس طرح غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ سحت اور رشوت میں کلی مناسبت پائی جاتی ہے اور رشوت اسی کا جزو ہے کیونکہ سحت اس حرام اور گھٹیا چیز کو کہتے ہیں جس میں برکت نہیں ہوتی۔ اس کے لینے والے کے اندر مروت اور شرافت کا دور دور تک پتہ نہیں ہوتا۔ اس کے حصول میں ننگ و عار پنہاں ہوتا ہے جس کی وجہ سے لینے والا اسے چھپائے چھپائے پھرتا ہے، اور یہ سبھی لوگ جانتے ہیں کہ رشوت کا حال بھی یہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رشوت حرام ہے۔ (تفسیر القاسمی:۲/۹۹۲)

اسی وجہ سے رشوت کو حدیث میں اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سحت کہا گیا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی:۶/۱۸۳)

ابن قدامہ نے سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سحت رشوت ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر قاضی رشوت قبول کر لے تو وہ کفر کا مرتکب ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم اتارا ہے یہ اس کی خلاف ورزی کے درپے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔''

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو المغنی والشرح الکبیر:۱۱/۴۳۸،الاحکام السلطانیہ لابی یعلی: ص ۵۶،نیل الاوطار:۸/۲۷۸،تفسیر القاسمی:۶/۹۹۲)

Marfat.com

رشوت کے حرام ہونے پر یہ تو قرآن حکیم سے استدلال تھا۔ حدیث میں بھی رشوت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کے لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔
چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔
(جامع الاصول: ۱۵/ ۵۴۸، کنز العمال: ۶/ ۶۰، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی: ص ۵۶، الفتح الربانی: ۱۵/ ۲۱۲، احکام القرآن، جصاص: ۴/ ۸۵، مسند احمد، رقم: ۹۰۴۴، سنن کبریٰ: ۱۰/ ۱۳۹)
ایک اور روایت میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔
(مجمع الزوائد: ۴/ ۲۵۷، مسند ابی یعلی، رقم: ۴۶۰۱، کشف الاستار، رقم: ۱۳۴۵)
اسی طرح سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
((لعن الله الراشي والمرتشي في الحكم))
''فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔'' (مجمع الزوائد: ۴/ ۱۲۵۷، اخرجہ الطبرانی فی الکبری: ۲۳/ ۳۹۸ ورجالہ ثقات)
لعنت رحمت خداوندی سے دوری کو کہتے ہیں اور یہ دوری اور مجہوری کسی بڑی نافرمانی میں ہوا کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رشوت بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نافرمانی ہے، اس لیے وہ حرام ہے۔
سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
((الراشي والمرتشي في النار))
''رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔''
(مجمع الزوائد: ۴/ ۲۵۷، کشف الاستار، برقم: ۱۳۵۵)
ایک اور روایت میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''جس قوم میں سود زیادہ ہو جاتا ہے وہ لوگ قحط سالی میں گرفتار کیے جاتے

Marfat.com

ہیں، اور جس قوم میں رشوت ستانی عام ہو جاتی ہے انہیں مرعوبیت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔'' (فتح الربانی: ۱۵/۲۱۲)۔

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے رشوت لینے والے اور دینے والے اور ان دونوں کے درمیان سودا کرانے والے پر۔

(مجمع الزوائد: ۴/۲۵۶، طبرانی معجم کبیر، رقم: ۱۴۱۵، زوائد المسند، رقم: ۲۰۳۴، کشف الاستار: ۱۳۵۳)

ان احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جن سے رشوت کے گناہ کبیرہ اور حرام ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

رشوت کی اقسام:

فتاویٰ قاضی خان میں رشوت کی چار قسمیں مرقوم ہیں:

(1) منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا۔ اس رشوت کا لینا دینا دونوں حرام ہیں۔ اسی وجہ سے فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ رشوت کے ذریعہ کسی شخص کو منصب قضاء پر فائز کرنا باطل ہے۔ اگر کسی نے اس منصب پر فائز ہونے کے لیے رشوت دی اور اس کی تقرری عمل میں آ گئی تو وہ شخص قاضی تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی تقرری باطل ہوگی۔

(فتاویٰ ہندیہ: ۳/۲۱۴، بنایہ شرح الہدایہ: ۳/۲۶۸، معین الحکام: ص ۸، ردالمختار: ۵/۳۶۲، فتح القدیر: ۵/۴۵۵ وغیرہ)

یہ تو رشوت دے کر قاضی بننے کا حکم ہے، اسلام میں تو رشوت کے بغیر بھی امارت طلب کرنے سے منع فرمایا گیا، اور رشوت دے کر اس کو حاصل کرنا اور بھی قابل ممانعت ہے، اور نہی کے بعد ممنوعہ شے اگر لی گئی تو فاسد ہوگی۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر جب دو آدمیوں نے آپ سے امارت طلب کی گئی، فرمایا تھا:

((انا لا نؤتي هذا من سالہ ولا من حرص عليه))

''ہم یہ معاملہ کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو اس کا سوال کرے یا اس کے دل

Marfat.com

میں اس کی حرص ہو۔'' (فتح الباری:۱۶/۲۴۴، عون المعبود:۹/۴۹۵)

(2) رشوت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے۔ یہ رشوت لینا دینا دونوں حرام ہے۔ (یہ فیصلہ اس قاضی کے فرائض میں سے ہے اس کو اسی بات کی تنخواہ ملتی ہے۔ للہٰذا وہ رشوت لینے کا مجاز نہیں۔

(3) اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا۔ یہ رشوت صرف لینے والے کے لیے حرام ہے، دینے والے کے لیے حرام نہیں، اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے (جیسے کوئی افسر کام کا بل اس وقت تک پاس نہیں کرتا جب تک اسے رشوت نہ دی جائے) بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

اسی وجہ سے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے، یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور اپنے مال سے ظلم اور ضرر دور کرنے کے لیے دی جائے بلکہ رشوت وہ ہے جس میں رشوت دینے والا اس وقت گنہگار ہوتا ہے جب تم اس چیز کے لیے رشوت دو جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ بیہقی:۱۰/۱۳۹)

(4) کسی شخص کو اس لیے رشوت دی جائے کہ وہ اس کو حاکم تک پہنچا دے۔ اس کو رشوت دینا جائز ہے لیکن لینا حرام ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیہ: ۲/۳۶۲، فتح القدیر: ۷/۲۳۶، ردالمحتار شامی: ۴/۳۰۳، بنایہ علی الہدایہ: ۷/۸ وغیرہ)

Marfat.com

شراب نوشی

شراب نوشی اسلام میں ایک بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ انسان کی عقل مار دیتی ہے اور انسان انسان سے حیوان بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چودہ سو سال قبل ام الخبائث (تمام برائیوں کی جڑ) کہا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

((اجتنبوا الخمر فانها ام الخبائث))

''شراب سے بچو یہ تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔''

(رواہ ابن حبان، رقم: ۵۳۴۸، والبیہقی فی شعب الایمان، رقم: ۵۱۹۷، نسائی: ۵۶۶۶)

شراب ہر زمانہ ہی میں پی جاتی رہی ہے لیکن موجودہ زمانہ میں اس کا چلن بہت ہے، اور یورپ اور امریکہ میں تو یہ پانی کی طرح بلکہ پانی کے بجائے پی جاتی ہے۔ طبی اور اجتماعی لحاظ سے یہ ایک مسلم امر ہے کہ شراب ایک بے فائدہ بلکہ نہایت مضر شے ہے اور اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ اس سے عقل میں نقصان پیدا ہوتا ہے بلکہ بعض کی تو عقل ہی ماری جاتی ہے۔ صحت خراب ہوتی ہے اور بانجھ پن اور ضعف نسل پیدا ہوتا ہے۔ شرافت اور مال ضائع ہوتا ہے۔ اسلام نے اسی وجہ سے چودہ سو سال قبل شراب کو نہ صرف حرام قرار دیا بلکہ اس کے پینے پر سزا جاری کر دی تھی۔ اب بیسویں صدی میں دنیا نے یہ گواہی دی ہے کہ اسلام نے جو کچھ کہا تھا وہ حق ہے بلکہ اب تو سائنس نے بھی یہ بتا دیا کہ شراب ام الخبائث ہے، اس وجہ سے ہر سمجھ دار شخص شراب کے ترک کی دعوت دیتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

Marfat.com

﴿یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (بقرہ:۲۱۹)

"(اے پیغمبر!) آپ سے پوچھتے ہیں شرب اور جوئے کے بارے میں، آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے، مگر ان دونوں کا گناہ ان کے فائدہ سے بہت زیادہ ہے۔"

دنیا میں صحت کے مشہور ماہر پروفیسر ہرش (Hirsch) نے اس موضوع پر لکھی گئی اپنی ایک کتاب میں کہا ہے:

"شراب پر پابندی جو مہذب دنیا کا سب سے بڑا ملک امریکہ پندرہ سال تک لاگو نہ کر سکا وہ اسلام نے گذشتہ چودہ صدیوں میں لاگو کر رکھی ہے، اور اس طریقہ سے اس نے تہذیب وتمدن اور انسانیت کو بہت پہلے سے بچا رکھا ہے۔"

قرآن حکیم میں شراب پر پابندی تین سورتوں میں آتی ہے۔ ان میں سے ایک سورۃ بقرہ ہے جس میں سے اوپر آیت نقل کی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے شراب پر پابندی بتدریج ذکر کی ہے جب کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سورتیں بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں اگرچہ بظاہر ان کے بیانات الگ الگ محسوس ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت اصل معانی کے نقطۂ نظر سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اکثر حضرات اسی نظریہ کے قائل ہیں، اس لیے کہ شراب کی اجازت ان تینوں سورتوں میں کہیں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی قرآن حکیم میں کسی اور جگہ اس قسم کی کوئی اجازت دی گئی ہے۔ ان تینوں سورتوں میں اپنے اپنے انداز اور طریقوں میں بیان کیا گیا ہے۔ موجودہ زیرِ نظر آیت (بقرہ: ۲۱۹) بطور خاص شراب کی خرابیاں مادی پہلو سے بھی بیان کرتی ہے، لہٰذا اس قرآنی آیت کا سائنسی علم کے تناظر میں جائزہ آئندہ سطور میں بیان کیا جا رہا ہے۔

اس سے قبل کہ شراب کے انسانی صحت پر زہریلے اثرات کا پوری طرح سے جائزہ لیا جائے، اس کے کیمیائی اجزاء کے بارے میں تھوڑا سا ادراک حاصل کرنا ضروری ہے۔ علم کیمیا کی رو سے ہمیں یہ معلوم ہے کہ الکحل گلانے یا حل کرنے کے لیے ایک

Marfat.com

طاقتور محلول ہے، خاص طور پر چربی کے لیے۔ غذائی اصطلاحات میں یہ حل کرنے والی چیز نہیں بلکہ توڑ پھوڑ کے عمل پر منتج ہے۔ دوسرے لفظوں میں بنیادی خوراک یعنی بکٹیریا یا (Biproduct) ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر شراب انسانی جسم کے لیے ایک نقصان دہ کیمیکل تسلیم کیا گیا ہے اور انسانی جگر اس کو فوراً توڑ دیتا ہے یعنی اس کی زہر آلودگی کو ختم کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اس عمل کو (Deoxified) کہتے ہیں۔ چنانچہ شراب یا الکوحل کی یقیناً کوئی غذائی اہمیت نہیں ہے جس کا دعویٰ اس کے رسیا اکثر و بیشتر کرتے رہتے ہیں۔ جب یہ جسم کے اندر پہنچتی ہے تو دوسری ہر قسم کی خوراک کے برعکس کنٹرول سے باہر خامروں کی تبدیلی (Metabolized) یا ہضم ہو جاتی ہے۔ صرف یہی ایک ظاہری فائدہ اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے۔

شراب یا الکوحل جسم انسانی پر کیا اثرات ڈالتی ہے، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

شراب کا نظام ہضم پر اثر:

شراب کا سب سے پہلا برا اثر منہ سے شروع ہوتا ہے۔ عام طور پر منہ کے اندر ایک خاص قسم کا زندہ ماحول (Flora) ہوتا ہے جو ایک لعاب کی صورت میں ہے۔ نقصان دہ جراثیم کے لیے اس ماحول میں زندہ رہ جانا بہت مشکل ہوتا ہے، مگر چونکہ شراب کی وجہ سے اس ماحول کی شدت اور قوم بتدریج کم ہوتی جاتی ہے، اس لیے اس کے نتیجہ میں مسوڑھوں میں زخم (Infection) اور سوجن کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ شراب کے عادی لوگوں کے دانت نہایت تیزی سے خراب اور فرسودہ ہو جاتے ہیں۔ منہ کے بعد گلے اور خوراک کی نالی کی باری آتی ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ملحقہ ہوتے ہیں۔ یہ نہایت مشکل کام سرانجام دیتے ہیں اور ان پر نہایت حساس استر (Mucous Membrance) کی تہہ ہوتی ہے۔ شراب کے اثر سے اس حساس تہہ پر نہایت برا اثر پڑتا ہے اور جلن کا باعث بنتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں اعضاء کے اندر ضعف اور کمزوری پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات یہ اعضاء کینسر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دراصل یہ ادارے جو سرطان جیسے موذی مرض کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں 1980ء کے بعد سے شراب

Marfat.com

کے خلاف دوررس اقدام کرتے رہے ہیں۔

یہ بات تو ہر شخص کے علم میں ہے کہ شراب کی وجہ سے دورے کی خطرناک بیماریاں، جیسے Gastritis پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ یہ خون میں موجود لائیپڈ (Lipid) جو ایک خاص قسم کی چربی ہوتی ہے، اس کے استعمال سے تحلیل ہو جاتی ہے۔ یہ لائیپڈ ایک طرح کی حفاظتی تہہ مہیا کرتے ہیں جس پر تیزابیت یعنی ہائیڈروکلورک ایسڈ کا نقصان دہ اثر نہیں ہوتا۔ اسی تہہ کی وجہ سے معدہ خود اپنے آپ ہضم نہیں کر سکتا اگرچہ فی الحال یہ پوری طرح ثابت نہیں ہوا کہ جس طرح شراب گلے اور خوراک کی نالی میں سرطان کا باعث بنتی ہے، معدے کے معاملہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن اس خیال کو تقویت حاصل ہوتی جا رہی ہے کہ معدے کے سرطان (کینسر) میں بھی شراب کی اچھی خاصی کار فرمائی ہوتی ہے۔

شراب کا سب سے زیادہ نقصان دہ اثر بارہ انگشتی آنت (Dudenum) پر ہوتا ہے۔ اس جگہ نہایت نازک کیمیائی اثرات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ شراب اس کی اس خاصیت کو متاثر کرتی ہے جو مخصوص ہاضم لعاب خارج کرنے کی صلاحیت سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی کیمیائی حساسیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ہاضمہ کے لیے اس اہم راستہ کی تباہی کے بعد شراب جگر سے پیدا ہونے والے ہاضم لعاب (Bile) کے اخراج پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ تمام شرابیوں کے بارہ انگشتی آنت اور پتہ کی جھلی ہمیشہ بیماری کا شکار ہوتی ہیں یا ان کا کام اکثر و بیشتر صحیح نہیں ہوتا۔ یہ حالت ہر شرابی کو گیس اور بدہضمی کے ذریعہ مصیبت میں ڈالے رکھتی ہے۔ معدے کی یہ تکالیف آنتوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، چنانچہ نظام ہضم کی کمپیوٹر کی طرح کام کرنے والے نظام کی حسن ترتیب اور ہم آہنگی بھی تباہ اور برباد ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ایک صحت مند انسانی جسم ہر اسی شے کو ہضم کر لیتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نظام ہضم کو خاص قسم کی ہدایات جاری کرنے سے ہوتا ہے۔ مگر زیادہ اور مستقل طور پر شراب پینے والوں کے معاملہ میں یہ کنٹرول یک قلم ختم ہو جاتا ہے اور ہضم کرنے کا عمل بلا روک ٹوک اور بغیر کسی تمیز کے جاری رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ موٹاپے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ بے تحاشا ہضم اس سے زیادہ

Marfat.com

اور کچھ نہیں کر سکتا کہ خلیوں کی درمیانی جگہ (Interstices) میں چربی کا ذخیرہ کرنا شروع کرے۔ درحقیقت چربی کی یہ کثیر مقدار دل کے پٹھوں کے نظام پر مایو کارڈک ٹشو (Myocardic Tissue) پر چھا جاتی ہے، اور اس طرح دل کی خطرناک قسم کی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔

شراب کا جگر پر اثر:

شراب کا سب سے زیادہ خراب اثر جگر (liver) پر ہوتا ہے۔ انسانی جگر وہ حساس لیبارٹری ہے جو شراب کا ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے سالمے کو زہر کی طرح محسوس کرتی ہے۔ جگر پر شراب کا اثر دو طرح سے ہوتا ہے۔

(1) شراب خوری کی صورت میں جگر کے خلیے (Cells) الکحل ختم کرنے کی ذمہ داری میں پوری طرح مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے دوسرے کاموں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

(2) جگر کے کیمیاوی عمل جو ایک سے ایک بڑھ کر حساس ہوتے ہیں، شراب کے بلا روک ٹوک اثر کے تحت درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جگر کو ایک ہی عمل بار بار دہرانا پڑتا ہے، اور اس طرح بے پناہ مسلسل اور بلا ضرورت محنت و مشقت سے جگر کو کمزوری اور ضعف لاحق ہو جاتا ہے۔

یہ اثر جگر کے لیے خطرناک نتائج پیدا کرتے ہیں۔ ان اثرات سے زیادہ مشہور جگر کا سکڑنا (Cyrhosis) ہوتا ہے جو اس کا زندہ ثبوت ہوتا ہے کہ جگر کی بربادی مکمل ہو چکی ہے۔ زیادہ خطرناک ممکنات میں سے یہ بھی ہے کہ شراب کا استعمال ایک ایک کر کے جگر کے تمام افعال کو تباہ کر دے گا۔ ان افعال میں پہلا فعل وہ ہے جس میں جگر ان افعال کو پیدا کرتا ہے جس سے خون کا عمل ظہور پذیر ہوتا ہے۔ چونکہ جگر ان اجزاء کو پیدا نہیں کر سکتا یا اس کی پیدوار بہت زیادہ کم ہو جاتی ہے، اس وجہ سے تمام شرابی اندر سے کمزور (Anaemic) ہوتے ہیں یعنی ان میں خون کی کمی ہوتی ہے، اگرچہ ان کے چہرے خون کی نالیوں کے بڑھنے یا کھلنے کی وجہ سے تندرست اور تومند نظر آتے ہیں، لیکن ان کی

Marfat.com

ہڈیوں کے گودے (Bone Marrow) تباہ ہو چکے ہوتے ہیں یعنی درحقیقت خون کی پیداوار کا عمل ختم یا بے حد کم ہو چکا ہوتا ہے۔

مزید برآں جگر کی وہ طاقت جس کی وجہ سے جسمانی تحفظ کے اعضاء جیسے مختلف قسم کے گلوبلین بالخصوص (Immuno Globuline) بنتے ہیں، شرابیوں میں خطرناک حد تک کم ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں بیماری کے خلاف مدافعت کم سے کم ہو جاتی ہے۔ (یہ بات ذہن میں رہے کہ گلوبلین (Globuline) لحمیات کے وہ گروہ ہوتے ہیں جو معدنی نمکیات کے ہلکے محلولوں میں حل پذیر ہوتے ہیں۔ یہ خون کے سرخ خلیوں میں پائے جاتے ہیں اور حدت کو جذب کرتے ہیں۔)

شراب بعض اوقات جگر کے فعل کے اچانک رک جانے کی وجہ سے بھی بن جاتی ہے۔ اس صورت میں ایک شرابی بے ہوشی کے عالم میں ہی مر جاتا ہے۔ اسے جگر کا دیوالیہ پن (Liver Bankruptcy) کہتے ہیں۔ جگر کے سلسلہ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں اس پر شراب کے نقصان دہ اثرات کا ثبوت نہ ملتا ہو۔ اس نکتہ کو یہاں اس سے زیادہ وضاحت سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

شراب کے دورانِ خون پر اثرات:

دورانِ خون پر شراب کے اثرات دو طرح کے ہیں۔ ایک تو جگر پر اثر کے ذریعہ بالواسطہ ہوتا ہے، دوسرا دل کی بافتوں جنہیں میوکارڈک ٹشو (Myo Cardic Tissue) کہتے ہیں، پر بلاواسطہ اثر کے ذریعہ۔ جگر جو خون میں چربی کی مقدار کو تحلیل کرنے میں سب سے اہم رول ادا کرتا ہے، اس میں ضعف اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں خون لے جانے والی نسیں سخت ہو جاتی ہیں جسے (Arterioscrosis) کہتے ہیں، اس سے فشار الدم یعنی بلڈ پریشر (Hyper Tension) کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف الکحل (شراب) کے تیزی سے جل جانے کے عمل سے خون کے بہاؤ کے مخصوص طریق جسے ہم خون کے بہاؤ کی رفتار کہتے ہیں، میں گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے دل کی تھکان واقع ہو جاتی ہے۔ مزید برآں شراب کی وجہ سے دل میں چربی کے

ذرات جمع ہو جاتے ہیں اور اعصابی نظام پر نقصان دہ اثرات کے ذریعہ دل کے عمل میں خلل اندازی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عادی شرابی بالآخر یا تو جگر کے فعل میں خلل (Cyrrosis) کی وجہ سے یا پھر ہارٹ فیل ہونے کی وجہ سے اپنے خاتمے کو پہنچتے ہیں۔

وہ شخص جو دل کے عارضہ میں مبتلا ہو اس کے لیے شراب کا ایک قطرہ لینا بھی ایسا ہے جیسے اسے اپنی زندگی کی کوئی پروا نہیں، اور نہ ہی اسے اپنے جسم کے کسی عضو کے نقصان کی پروا ہے۔ شراب کے رسیا کچھ لوگوں کے یہ بھی خیالات ہیں کہ مناسب مقدار میں شراب پینے سے دل کے تشنج یا دورے میں افاقہ ہوتا ہے، یہ بادی النظر میں شراب کے فوائد میں سے ایک فائدہ نظر آتا ہے، لیکن سائنسی طور پر اس خیال اور نظریہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اگرچہ طبی تحریروں اور کتابوں میں اس قسم کی کوئی تجویز موجود نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے بہت سے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس کے برعکس سوچتے یا محسوس کرتے ہیں۔

انسانی گردے جنہیں دوران خون کے نظام کا آخری مقام سمجھا جاتا ہے، ان کو بھی شراب کے استعمال سے سخت نقصان پہنچتا ہے، اس لیے کہ گردے انتہائی حساس کیمیاوی جوہر کے (Valence) کے مقام پر چھلنی کا کام دیتے ہیں، لیکن شراب (الکحل) اس نازک عمل کو بھی تہ و بالا کر دیتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ شرابیں جن میں الکحل کی مقدار کم ہوتی ہے، گردوں کے لیے زیادہ نقصان دہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ زیادہ مقدار میں بیر (Beer) پینے والوں کے گردے اکثر خراب ہوتے ہیں۔

لمف والے (Lymphtic) نظام کی انسانی جسم میں بے حد اہمیت ہے۔ اس نظام کی خون والی نالیاں شراب کے ہاتھوں ناقابل علاج نقصان اٹھاتی ہیں، اس لیے کہ چربی والے نامیاتی مرکب لائپڈ (Lipid) کا اس نظام میں ایک اہم رول ہوتا ہے۔ شراب کا نقصان دہ اثر اس حیران کن حد تک حفاظت بہم پہنچانے والے نظام کو برباد کر دیتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ مختلف قرآنی آیات میں فرمایا گیا ہے، اپنی خصوصی عنایات کے ذریعے انسانی زندگی کو حفاظت کے دیگر طریقوں سے گھیرا ہوا نہ ہوتا تو ہمیں مزید صراحت سے نظر آتا کہ شراب کس قدر نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

شراب کا اعصابی نظام پر اثر:

شراب عصبی خلیوں کی اس باریک جھلی میں داخل ہو جاتی ہے جو نامیاتی چربی جیسے مرکب یعنی لائیپڈ (lipid) کی حفاظت میں ہوتی ہے۔ اس طرح اس نظام کے برقی رابطے (Electrical Communication) میں خلل اندازی کرتی ہے۔ یہ خراب اثر دو مختلف ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا پہلا اثر نشے کے اچانک حملہ کی صورت میں ہوتا ہے، لیکن اس کا دیر پا اثر بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ شراب اعصابی نظام کو روز بروز نقصان پہنچاتی ہے جس سے کئی اقسام کی بیماریاں لگنا شروع ہو جاتی ہیں۔ مزید برآں اگرچہ شروع شروع میں شراب کا خراب اثر غیر معمولی یا غیر واضح بھی ہو تب بھی اس کے دیر پا خراب اثرات شروع سے مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کچھ لوگوں کا یہ دعویٰ کہ "مجھے تو شراب سے نشہ ہی نہیں چڑھتا مجھ پر شراب کا اثر نہیں ہوتا" محض طفل تسلی اور خود فریبی ہے۔

شراب جس میں چربی پگھلانے کی صلاحیت ہوتی ہے، تخلیقی خلیوں (Reproductive Cells) میں داخل ہو کر ان کو بے حد نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کی عام فہم مثالوں میں نئی نسل کی ذہانت کی کمی اور ناقص بالیدگی (Dystrophy) شامل ہیں۔ بہت سے مطالعہ جات اور سروے یہ حقیقت منکشف کرتے جا رہے ہیں کہ ذہنی طور پر غبی بچوں کے والدین اکثر و بیشتر شدید قسم کی شراب نوشی کرتے تھے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شراب عورت کے تخم (Ovum) اور بیضۂ حیات (Egg-Cell) کے خلیے کو بہت آسانی سے نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شرابی ماؤں کے بچے اکثر موروثی طور پر دماغی اور قلبی صدمے (Shock) یا جھٹکے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ شرابی باپ کی طرف سے ایسے واقعات کی تعداد 30 فی صد سے زیادہ تک ہوتی ہے۔

شراب کے معاشرے پر اثرات:

یہ حقیقت بار بار ثابت ہو چکی ہے کہ شراب کس طرح معاشرتی تعلقات اور استحکام پر اثر انداز ہوتی ہے۔ شراب سے معاشرہ پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

Marfat.com

(1) شرابیوں میں زود رنجی یا غصے کے فوری حملے ان کو معاشرہ میں لاتعداد تنازعات میں الجھائے رکھتے ہیں۔

(2) لاتعداد متواتر طلاقیں معاشرے کے بنیادی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں اور نتیجتاً مجرمانہ ذہنیت کے حامل بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے تمام معاشرہ خطرناک حد تک متاثر ہوتا ہے۔

(3) مختلف قسم کے کام کرنے والے مزدوروں اور کاریگروں پر شراب کی وجہ سے بے دلی اور کاہلی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح ان کی کارکردگی اور مہارت پر برا اثر پڑتا ہے جس کا آخر نقصان معاشرہ کو پہنچتا ہے۔

(4) شراب کی وجہ سے انسانوں میں ایک دوسرے کی طرف غیر ہمدردی کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومی تفکر، معاشرتی اتحاد اور معاشرتی مسائل کے خلاف جہاد کا جذبہ مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔

اوپر بیان کیے گئے چار قسم کے مسائل نے مغربی معاشرت والوں کو اس قدر فکر مند کر رکھا ہے کہ انہوں نے بارہا اپنی اپنی حکومتوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ اگر شراب کا استعمال اسی طرح بڑھتا رہا تو ان ملکوں میں قومی جذبہ بالکل ختم ہو جائے گا۔

قرآن حکیم نے اس مسئلہ کی بیخ کنی کر دی ہے جس کے لیے کسی معاشرہ اور کسی دانشور میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس مسئلہ کو اس طرح دوٹوک طریقہ سے حل کرتا یعنی شراب نوشی کا یہ مسئلہ ان معاشروں کی بنیادوں کو آہستہ آہستہ گھن کی طرح چاٹ رہا ہے جبکہ اللہ کے حکم نے ہمارے معاشرے کو صدیوں سے اس مصیبت اور معصیت سے دور رکھا ہے۔

شراب کے ان نقصانات اور خرابیوں کے پیش نظر اب دنیا کے ہر ملک میں اس کے خلاف مختلف تحریکیں چلنی شروع ہو گئی ہیں اور رائے عامہ کو اس بارے میں ہموار کیا جارہا ہے۔ جن ممالک میں شراب پینا ممنوع قرار دیا گیا ہے، وہاں شراب نوشی ختم کرنے میں اس لیے کامیابی نہیں ہو سکی کہ انہوں نے اس کی سزائیں ایسی مقرر نہیں کیں جو اس جرم سے باز رکھنے والی ہوں۔

Marfat.com

اسلام میں شراب نوشی کی حرمت:

اسلام نے شراب کو قطعی اور کلی طور پر حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ تمام بدکاریوں اور برائیوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اس سے نہ صرف انسانی جان و مال کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ یہ صحت اور عقل کے پامال اور منہدم ہونے کا باعث بھی بنتی ہے۔ اگرچہ کچھ لوگ شراب کے فوائد بتاتے بھی ہیں تو وہ اس کے نقصانات کے مقابلہ میں اس قدر حقیر اور کم ہیں کہ ان کا شراب کے عظیم نقصانات اور گناہوں کے مقابلہ میں موازانہ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

> ''(یہ لوگ) پوچھتے ہیں آپ سے کہ شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ آپ کہہ دیں کہ ان دونوں چیزوں میں بہت خرابی ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ فوائد بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بہت زیادہ ہے۔'' (بقرہ:۲۱۹)

مغرب کی اتباع میں دنیائے اسلام میں شراب نوشی کی اجازت دے دی گئی ہے حالانکہ اسلام نے اسے حرام قطعی قرار دیا تھا، لیکن اس کے برعکس تمام غیر اسلامی دنیا میں ''امتناع شراب'' کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ ان تحریکوں کے کارکن اور لیڈر شراب کے نقصانات کی وضاحت کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ شراب کے کس قدر برے اثرات انسانوں اور معاشرے پر پڑ رہے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اسلامی ممالک شراب کی حرمت کے قانون کے نافذ کرنے میں پہل کرتے لیکن ان ممالک کے سربراہ چونکہ تقلید مغرب میں خود شراب کے رسیا ہیں، (الا ماشاء اللہ) اس لیے انہیں اس نیک کام کی توفیق نہ مل سکی۔ عوام بے چارے اپنے ہی خواب پریشان میں غلطاں ہیں۔ معیشت کی خرابی اور غربت و افلاس کے غلبے نے انہیں ان باتوں پر غور و فکر کرنے سے معذور رکھا ہوا ہے کہ ان کے گرد و پیش کیا ہو رہا ہے اور دنیا کن انقلابات اور نشیب و فراز سے گزر رہی ہے، لیکن حالات کا اتار چڑھاؤ اور وقت کا دھارا یہ بتا رہا ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تمام دنیا میں

حرمت شراب کا قانون نافذ ہوگا اور اس کی عظمت و برتری پوری دنیا میں ثابت ہوگی اور شراب کے رسیا سربراہان مملکت یا تو شراب چھوڑ جائیں گے یا پھر انہیں کہیں منہ چھپانے کے لیے بھی ٹھکانہ نہیں ملے گا۔

شراب کی تعریف:

شراب کو عربی زبان میں ''خمر'' کہتے ہیں۔ خمر لغت میں خامر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ملا دینے کے ہیں۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ عقل کو بانجھ اور مختل کر دیتی ہے۔ یا یہ خمر سے ماخوذ ہے جس کے معنی پختگی تک چھوڑ دینے کے ہیں یعنی مطلوبہ درجہ تک پہنچ جانے کے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خمر سے ماخوذ ہو جس کے معنی ڈھانپ لینے کے ہیں کیونکہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، اور ایک عقل مند اور صاحب دانش شخص بے عقل اور غیر دانش مند ہو جاتا ہے۔

تحریم شراب کے بارے میں قرآنی نصوص:

قرآن و حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں حرمت شراب کا قانون ایک دم نافذ نہیں ہوا بلکہ بتدریج نافذ ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے حرمت شراب سے قبل لوگوں کے ذہنوں میں اس کی نفرت کا انقلاب پیدا کیا۔ جب لوگوں کے ذہنوں میں مکمل طور پر اس سے نفرت پیدا ہو گئی تو پھر اس کو ایک دم حرام کر دیا گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس سے نفرت کے بارے میں پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء: ۴۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔''

ترمذی میں اس بارے میں حدیث ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کھانے کی دعوت کی۔ اور (اس وقت شراب ابھی حرام نہ ہوئی تھی) انہوں نے ہمیں شراب پلائی۔ ہم نے شراب پی

Marfat.com

اور نماز کا وقت آ گیا۔ انہوں نے نماز پڑھانے کے لیے مجھے امام بنا دیا۔ میں نے نماز میں پڑھا: ”قل یا ایھا الکافرون، لااعبد ماتعبدون، ونحن نعبد ماتعبدون“ (اس آخری جملہ کا مطلب تھا کہ ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔) تب حق تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یعنی اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔“

(ترمذی، رقم الحدیث: ۳۰۲۷، ابوداؤد، رقم: ۳۶۷۱)

اس فرمان الٰہی کے بعد پھر شراب کے گناہ ہونے کے بارے میں درج ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ، قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (بقرہ: ۲۱۹)

”(یہ لوگ) آپ سے پوچھتے ہیں کہ شراب اور جواء کا کیا حکم ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑی خرابی ہے، اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ فوائد بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے فوائد سے بہت زیادہ ہے۔“

ان دونوں آیتوں کے نزول کے بعد لوگوں کو پتہ چل گیا کہ شراب کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اسی برائی کی وجہ سے تو شراب پی کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے منع فرما دیا گیا پھر اسے گناہ کا باعث بھی بتایا گیا، لہٰذا اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شراب پینا ترک کر دی۔ آخر میں قرآن حکیم میں اس کی قطعی تحریم کا حکم نازل ہوا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ (المائدہ: ۹۰)

”اے ایمان والو! یہ شراب اور جواء اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے اجتناب کرو۔“

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اس آیت سے پہلے بھی بعض آیات خمر (شراب) کے بارے میں نازل ہو

Marfat.com

چکی تھیں۔ اول یہ کہ آیت نازل ہوئی ﴿یسئلونک عن الخمر والمیسر الآیة﴾ (بقرہ:۲۱۹) گو اس سے نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی جانب کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا حکم نہ تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا: "اللھم بین لنا بیانا شافیاً" اس کے بعد دوسری آیت آئی ﴿یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ الآیة﴾ (نسائی:۴۳) اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی گو نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی۔ اور یہ قرینہ اسی کا تھا کہ غالباً یہ چیز عنقریب کلیتاً حرام ہونے والی ہے، مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہاء کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعتاً چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا، اس لیے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی انتہائی نفرت بٹھائی گئی اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے: "اللھم بین لنا بیاناً شافیاً" آخر کار "مائدہ" کی یہ آیات ﴿یا ایھا الذین﴾ سے ﴿فھل انتم منتھون﴾ تک نازل کی گئیں جس میں صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی اجتناب کرنے کی ہدایت تھی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ﴿ھل انتم منتھون﴾ کے سنتے ہی چلا اٹھے "انتھینا، انتھینا" لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کر دیئے، مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی۔ سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر مغفرت ربانی اور محبت واطاعت نبوی کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا اور ام الخبائث کے مقابلہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن حکیم نے اتنا پہلے شدت سے روکا تھا، آج سب سے بڑے شراب خور ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اسے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ "فللہ الحمد والمنہ"

(فوائد عثمانی: ص ۱۶۵)

Marfat.com

علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت میں شراب کی حرمت پر دس دلائل ہیں:

(1) شراب کا ذکر جوئے، بتوں کے چڑھاوٴں کی جگہ اور پانسوں کے تیروں کے ساتھ کیا گیا ہے اور یہ سب حرام ہیں، لہٰذا شراب بھی حرام ہے۔

(2) شراب کو رجس (نجس) فرمایا گیا اور ہر نجس چیز حرام ہے۔

(3) شراب کو شیطانی عمل فرمایا گیا اور ہر شیطانی عمل حرام ہے۔

(4) شراب پینے سے اجتناب کا حکم دیا گیا لہٰذا اس سے اجتناب کرنا فرض ہوا، اور جس سے اجتناب فرض ہو اس کا ارتکاب حرام ہوتا ہے۔

(5) حصول فلاح کو شراب سے اجتناب پر معلق کیا گیا، اس لیے اس سے اجتناب فرض ہے اور اس کا ارتکاب حرام ہے۔

(6) شراب کی وجہ سے شیطان عداوت پیدا کرتا ہے اور عداوت حرام ہے اور حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے، لہٰذا شراب حرام ہے۔

(7) شراب کی وجہ سے شیطان لوگوں کے دلوں میں بغض کے جذبات پیدا کرتا ہے، اور بغض اسلام میں حرام ہے، اس وجہ سے شراب بھی حرام ہے کیونکہ یہ حرام کا سبب ہے۔

(8) شراب پینے کی وجہ سے شیطان اللہ کے ذکر سے روکتا ہے، اور جو چیز اللہ کے ذکر سے روکتی ہے، وہ حرام ہے۔

(9) شراب کی وجہ سے شیطان نماز سے روکتا ہے اور نماز سے روکنا حرام ہے۔

(10) آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے استفہاماً انتہائی بلیغ ممانعت فرمائی ہے یعنی فرمایا: ''کیا تم (شراب نوشی سے) باز آنے والے ہو؟''

شراب کی اسی تحریم اور خرابی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہر اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جس کا شراب میں تھوڑا سا عمل دخل ہو۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے خمر پر لعنت فرمائی ہے اور خمر پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، خمر کو (انگوروں سے) نچوڑنے والے پر، اس کو بنانے والے پر، خمر کو لادنے والے پر، اور جس

Marfat.com

کے پاس لدوا کر لائی جائے۔ سب پر لعنت فرمائی۔'' (سنن ابی داؤد: ۲/۱۶۱)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب حجۃ الوداع کے موقع پر شراب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''شراب بذات خود حرام ہے اور وہ تمام چیزیں جن کے پینے سے نشہ ہو وہ بھی حرام ہیں۔''

اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔''

(نیل الاوطار: ۸/۱۹۵، بدایۃ المجتہد: ۱/۳۸۲، احکام القرآن، جصاص: ۱/۳۲۴)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے دنیا میں خمر (شراب) پی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔'' (بخاری: ۲/۸۳۶)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ''زنا کرتے وقت زانی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا اور خمر پیتے وقت شرابی میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا، اور چوری کرتے وقت چور میں ایمان (کامل) نہیں ہوتا۔''

(بخاری: ۲/۳۶)

ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص زنا کرتا ہے، شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ایمان کو نکال دیتا ہے جس طرح انسان اپنے سر سے قمیص کو نکالتا ہے۔

(الترغیب والترہیب: ۳/۲۵۲، الطبرانی فی الصغیر: ۱/۲۵۰، من حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، خمر اور آلات موسیقی کو حلال کہیں گے، اور عنقریب کچھ لوگ پہاڑ کے دامن میں رہیں گے، جب شام کو وہ اپنے جانوروں کا ریوڑ لے کر لوٹیں گے اور ان کے پاس کوئی فقیر اور حاجت مند اپنی حاجت لے کر آئے گا، تو وہ کہیں گے: ''کل آنا'' اللہ تعالیٰ پہاڑ کو گرا کر ان کو ہلاک کر دے گا اور دوسرے لوگوں (یعنی زنا، شراب اور موسیقی کے آلات کو حلال کرنے والوں) کو مسخ کر کے قیامت کے روز بندر اور خنزیر بنا دے گا۔'' (بخاری: ۲/۸۳۷)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، سیدنا

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ادھ پکی کھجوروں اور چھواروں کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا کہ ''خمر کو حرام کر دیا گیا ہے۔'' تو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے انس! اٹھو اور اس تمام شراب کو انڈیل دو۔'' (بخاری:۲/۸۳۷)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تحریم خمر کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ شراب حرام کر دی گئی اور اسے شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

(اخرجہ الحاکم فی المستدرک:۴/۱۴۴، مجمع الزوائد: ۵/۵۲ وقال رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح، الترغیب والترہیب:۳/۲۶۰)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے نزدیک شراب نوشی سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے اور یہ بلا شک وشبہ تمام خباثتوں کی جڑ ہے، اور اس کے پینے والے پر متعدد احادیث میں لعنت کی گئی ہے۔'' (الترغیب والترہیب:۳/۲۴۹)

اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور ہر شراب حرام ہے۔ جو شخص دنیا میں شراب پئے اور توبہ کے بغیر مر جائے جب کہ وہ عادی شرابی ہو تو آخرت میں وہ شراب نہیں پئے گا۔'' (مسلم، رقم:۲۰۰۳، ابوداؤد:۳۶۷۹، ترمذی:۱۸۶۱، عن ابن عمر)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ عہد لیا ہے کہ نشہ آور مشروب پینے والے کو ''طینۃ الخبال'' سے پلائے گا۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ''یارسول اللہ! طینۃ الخبال کیا ہے؟'' فرمایا: ''جہنمیوں کا پسینہ یا فرمایا کہ ''جہنمیوں سے نکلنے والی پیپ۔''

(مسلم، رقم:۲۰۰۲، نسائی:۸/۳۲۸، مسند احمد:۳/۳۶۱)

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص شراب پئے اور اسے نشہ نہ ہو اللہ تعالیٰ چالیس راتیں اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے، اور جو شخص شراب پئے اور اسے نشہ ہو، اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی فرض اور نفل نماز قبول نہیں کرتا، اور اگر وہ اس حالت میں مر جائے تو بت پرست کی طرح مرے گا اور اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ اسے طینۃ

الخیال سے پلائے۔عرض کیا گیا: ''اے اللہ کے رسول! ''طینة الخیال کیا ہے؟''
فرمایا: ''دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والی پیپ اور خون۔''

(النسائی: ۸/ ۳۱۷، ابن ماجہ: ۳۳۷۷، ابن حبان: ۵۳۳۳، مسند احمد: ۲/ ۱۸۹، الترغیب والترہیب: ۳/ ۲۶۵)

سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص عادی شرابی ہونے کی صورت میں مر جائے تو وہ لات اور عزیٰ کے پجاری کی طرح مرتا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ''یا رسول اللہ! ہمیشہ شراب پینے والا وہ ہے جو شراب سے کبھی افاقہ حاصل نہیں کرتا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ یہ وہ شخص ہے کہ اسے جب بھی مل جائے پیتا ہے خواہ کئی سالوں کے بعد ملے۔''

اور بخاری اور مسلم میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص دنیا میں شراب پیتا ہے وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔''

(بخاری، رقم: ۵۵۷۵، مسلم ۲۰۰۳)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مدمن خمر کعابد وثن))

''عادی شرابی بت پرست کی طرح ہے۔''

(مسند احمد: ۱/ ۲۷۲، طبرانی فی الکبیر: ۱۲۴۲۸، بزار: ۲۹۳۴)

حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ماں باپ کا نافرمان اور عادی شرابی جنت میں نہیں جائیں گے۔''

(مسند احمد: ۲/ ۲۰۱، نسائی: ۸/ ۲۱۸، مشکل الآثار طحاوی: ۱/ ۳۹۵)

اور ایک اور روایت میں ہے کہ ''تین آدمیوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے۔عادی شرابی، ماں باپ کا نافرمان اور دیوث یعنی بے غیرت جو اپنے گھر والوں میں برائی دیکھ کر سکوت اختیار کرتا ہے۔

(رواہ احمد: ۲/ ۶۹، ۱۲۸، مستدرک حاکم: ۴/ ۱۵۴، سنن کبریٰ بیہقی: ۸/ ۲۸۸، مجمع الزوائد ہیثمی: ۴/ ۳۲۷)

Marfat.com

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی آسمان کی طرف جاتی ہے (یعنی قبول نہیں ہوتی) بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ اپنے مالکوں کی طرف واپس آ کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دے۔ دوسری وہ عورت جس سے اس کا خاوند ناراض ہو یہاں تک کہ وہ راضی ہو جائے اور تیسرا نشہ کرنے والا یہاں تک کہ اس کا نشہ اتر جائے۔

(رواہ ابن خزیمہ، رقم: ۹۴۰، ابن حبان: ۵۳۵۵، سنن کبریٰ بیہقی: ۱/۳۸۹، الترغیب والترہیب: ۳/۲۸)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ شراب پینے والے کی نماز قبول نہیں کرتا جب تک کہ اس کے جسم میں اس میں سے کچھ ہو۔ (کنز العمال: ۵/۳۶۵)

جو شخص شراب پیتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا، اور جس کو اس شراب سے نشہ ہو جائے اس کی چالیس (40) صبح کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور اگر وہ توبہ کر لے اور پھر پینا شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ اسے جہنم کی پیپ پلائے۔

(اخرجہ احمد: ۲/۱۷۸، والحاکم فی المستدرک: ۴/۱۴۶، واسناد حسن، کنز العمال: ۵/۳۵۴، الترغیب والترہیب: ۳/۲۶۵)

اور اسی میں ہے کہ جو شخص شام کے وقت شراب پیتا ہے وہ صبح کے وقت مشرک ہو جاتا ہے اور جو صبح کے وقت شراب پیتا ہے کہ وہ شام کے وقت مشرک ہو جاتا ہے (یعنی ایسے شخص کے ایمان کے جانے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے، اور اگر وہ شراب وغیرہ کو حلال سمجھ کر پیئے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔'' (الترغیب والترہیب: ۳/۲۵۲)

ایک اور روایت میں سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات نے ارشاد فرمایا: کہ بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آتی ہے، لیکن ماں باپ کا نافرمان، احسان جتانے والا اور عادی شرابی اور بت پرست جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔

(قال المنذر رواہ الطبرانی والصغیر: ۱/۲۰، الترغیب والترہیب: ۳/۲۵۷)

Marfat.com

ایک اور روایت میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عادی شرابی، جادو پر اعتقاد رکھنے والا، قطع رحمی اور رشتہ داری کے تعلقات توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ شراب پیتا ہو، اللہ تعالیٰ اسے نہر غوطہ سے پلائے گا، اور یہ وہ پانی ہے جو ان زانیہ عورتوں کی شرم گاہوں سے نکلتا ہے جن کی شرم گاہوں سے جہنم والے بھی اذیت اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

(رواہ احمد فی مسندہ: ۴/ ۳۹۹، والحاکم فی المستدرک: ۴/ ۱۴۶، الترغیب والترہیب: ۳/ ۲۵۴)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہان والوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبعوث فرمایا کہ میں گانے بجانے کے آلات اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں۔ میرے رب نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ میرا جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیے گا، میں اسے اس کی مثل جہنم کا کھولتا ہوا پانی پلاؤں گا اور میرا جو بندہ میرے خوف سے شراب نوشی چھوڑ دے گا، میں اسے جنت میں اچھے ساتھیوں کے ہمراہ پلاؤں گا۔''

(رواہ احمد: ۵/ ۲۶۸،۲۷۵، الطبرانی فی المعجم الکبیر: ۸/ ۲۳۲)

شرابی پر لعنت:

شرابی پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے، اور لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شراب پینے والے پر، شراب پلانے والے پر، شراب فروخت کرنے والے پر اور شراب خریدنے والے پر، شراب بنانے والے اور شراب لے جانے والے پر، جس کے لیے لے جائی گئی ہو، اس پر اور اس کی آمدنی اور قیمت کھانے والے پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب پر لعنت بھیجی ہے۔

(رواہ احمد فی مسندہ: ۲/ ۲۵، ۷۱، ابوداؤد: ۳۶۷۴، ابن ماجہ: ۳۳۸۰، المشکوٰۃ: ۲۷۷۷، الروض النضیر: ۶۴۵ وصححہ الشیخ الالبانی فی الارواء: ۱۵۲۹)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا: ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے کہا: ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب اس کے بنانے والے، اس کے فروخت کرنے والے، اس کے خریدنے والے، اس کے پینے والے اور اس کی قیمت کھانے والے، اسے لے جانے والے، اور جس کے لیے لے جائی گئی، اس کے پلانے اور طلب کرنے والے، ان سب پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔

(رواہ احمد فی مسندہ: ۱/۳۱۶، معجم کبیر طبرانی: ۱۲۹۳۶، مستدرک حاکم: ۴/۱۴۵)

بعض روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب پینے والے سے اس قدر بیزاری کا اظہار فرمایا ہے کہ لوگوں کو شراب پینے والے کی عیادت سے منع فرما دیا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

لاتعودوا شراب الخمر اذا مرضوا

”شرابی کی بیمار پرسی نہ کرو جب وہ بیمار ہو جائیں۔“ (رواہ البخاری فی الادب المفرد)

ایک اور روایت میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لاتسلموا علی شربۃ الخمر

”شراب پینے والوں کو سلام نہ کرو۔“ (ذکرہ البخاری معلقا، بخاری مع فتح الباری: ۱۱/۱۴)

پھر یہاں تک سختی کی گئی کہ ان کی مجلس میں بیٹھنے سے بھی روک دیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

”شراب پینے والوں کی مجلس میں بھی نہ بیٹھو، نہ ان کے بیماروں کی عیادت کرو اور نہ ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔ اور قیامت کے روز شرابی کو یوں لایا جائے گا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہوگا اور اس کی زبان اس کے سینے تک لٹک رہی ہو گی اور ان کے منہ سے لعاب بہہ رہا ہوگا، اور جو اسے دیکھے گا اسے اس سے گھن آئے گی اور نفرت پیدا ہوگی اور وہ جان لے گا کہ یہ شرابی ہے۔ (تبھی تو اس کی حالت یہ ہے۔“)

(رواہ ابن عدی فی الکامل: ۲/۲۱۴، ذکرہ السیوطی فی الآلی: ۲/۲۰۵)

Marfat.com

بعض علماء کا یہ قول ہے کہ شرابی کی عیادت سے اس لیے منع فرمایا گیا کہ شرابی فاسق اور ملعون ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں اللہ تعالیٰ نے شرابی پر لعنت کی ہے۔ پھر اگر وہ خریدتا ہے یا نکالتا ہے تو اس پر دوہری لعنت ہے اور اگر گلاس میں ڈال کر کسی دوسرے کو پلاتا ہے تو اس پر تیسری لعنت ہے۔ اسی وجہ سے اس کی عیادت کرنے اور اس کو سلام کہنے سے منع کیا گیا مگر یہ کہ وہ اللہ کے حضور توبہ کرے۔

شراب سے علاج کرنا بھی جائز نہیں:

جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے ان کو دوا کے طور پر استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے مگر یہ کہ نہایت اضطراری حالت ہو تب جائز ہے۔ چنانچہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری ایک بیٹی بیمار ہو گئی تو میں نے اس کے لیے برتن میں انگور کا رس نکالا۔ اتنے بھی سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو وہ انگور کا رس جوش مار رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا: "ام سلمہ! یہ کیا ہے؟" میں نے عرض کیا کہ میں اس سے اپنی بیٹی کا علاج کرنا چاہتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((ان اللہ تعالیٰ لم یجعل شفاء امتی فیما حرم علیہا))

"اللہ نے حرام چیزوں میں میری امت کے لیے شفا نہیں رکھی۔"

(رواہ الطبرانی فی الکبیر: ۲۳/۷۴۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۶۵، الجامع لاحکام القرآن قرطبی: ۲/۲۳۱ ولہ شواہد من حدیث ابن مسعود ولہ شاہد عند مسلم والحدیث علقہ البخاری موقوفاً علی ابن مسعود)

شراب کے بارے میں متفرق احادیث:

شراب کے بارے میں مختلف احادیث موجود ہیں جن میں سے کچھ گذشتہ سطور میں بیان کر دی گئی ہیں۔ شراب ایک نشہ آور چیز ہے اور نشہ نے نہ صرف افراد کو بلکہ ملکوں اور قوموں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہوا ہے، اس لیے اس نے اس کو حرام قرار دیا اور اس کا پینا قابل حد جرم قرار دیا گیا کیونکہ یہ ایک اچھے بھلے انسان کے ہوش وحواس کھو کر اس کو حیوان بنا دیتی ہے بلکہ بعض دفعہ تو وہ حیوان سے بھی بدتر ہوتا ہے جب کہ وہ شراب پی کر

کسی فٹ پاتھ یا کسی گندی نالی میں گرا ہوتا ہے۔ چنانچہ شراب کی برائی کے بارے میں 1
بہت احادیث ہیں۔ ان احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے جو حلیۃ الاولیاء وغیرہ میں ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نبیذ (انگور کا رس) ایک گھڑے میں لایا گیا۔ اس میں سے آواز آرہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''اس کو دیوار سے مار دو، یہ ان لوگوں کی شراب ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔

(رواہ البیہقی فی السنن: ۸/۳۰۳، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۶/۸۴ ولہ شواہد فیقوی بہ حدیث ابی داؤد: ۳۷۱۶، وابن ماجہ: ۳۴۰)

ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کہ جس شخص کے سینے میں قرآن حکیم کی ایک آیت ہو اور وہ اس پر شراب انڈیل دے (یعنی شراب نوشی کرے) تو قیامت کے روز اس آیت کا ہر حرف آکر اس شخص کی پیشانی کو پکڑے گا حتیٰ کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر کے اس سے جھگڑا کرے گا۔ تو جس سے قرآن مجید جھگڑا کرے گا وہ اس کا مدمقابل ہے۔ پس اس شخص کے لیے خرابی ہے جس کا مدمقابل قیامت کے روز قرآن حکیم ہو۔

بھنگ اور حشیش وغیرہ کا شرعی حکم:

حشیش جو بھنگ کے پتوں سے تیار ہوتی ہے، بعض علماء کے نزدیک اس کا حکم بھی خمر جیسا ہے یعنی وہ شراب کی طرح حرام ہے۔ اس کے پینے والے پر حد لگائی جائے گی جس طرح شرابی کو حد لگائی جاتی ہے۔ یہ نشہ نہایت خبیث قسم کا ہے کیونکہ اس سے عقل اور مزاج دونوں میں فتور پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ آدمی میں مخنثوں اور ہیجڑوں والی صفات اور بے غیرتی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ ان کے علاوہ اور بھی کئی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اور حشیش شراب کے لحاظ سے زیادہ بری اور خبیث ہے کہ وہ جھگڑے بلکہ قتل و قتال تک لے جاتی ہے، اور یہ دونوں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہیں۔

بھنگ ایک مشہور بوٹی ہے جو اعضاء میں خدر پیدا کر کے ان کو بے حس کر دیتی

Marfat.com

ہے، یہ حشیش کی غیر ہے۔ یہ عقل کو ماؤف کر دیتی ہے، جنون لاتی ہے، دردوں، اورام اور چھالوں وغیرہ کو سکون مہیا کرتی ہے۔ (تاج العروس: ۲/۱۰)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اپنی کتاب اشعۃ اللمعات: ۳/ ۲۹۸ میں بھنگ کے کئی نقصانات بیان فرمائے ہیں۔ اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

بھنگ کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ

تاج الشریعہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص لاعلمی میں بھنگ پیئے اور اسی حال میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، لیکن اگر کوئی عمداً بھنگ پیئے اور نشہ میں طلاق دے دے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ صاحب المحیط نے کہا یہ تفصیل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ نیز صاحب المحیط نے بیان کیا ہے کہ بھنگ کا نشہ حرام ہے اور بھنگ کے نشہ میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی۔ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ سقمونیا اور بھنگ کو علاج کی غرض سے قلیل مقدار میں کھانا جائز ہے، اور اگر وہ مقدار سے زیادہ ہو اور عقل کو فاسد کرے تو پھر اس کا کھانا حرام ہے۔ (بنایہ شرح ہدایہ: ۴/۴۳۶)

اسی طرح حشیش کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے۔ یہ آدمی کو ہلاک تو نہیں کرتی لیکن اس کے اعضاء کو بے حس کر دیتی ہے اور سستی اور کاہلی پیدا کرتی ہے، اس لیے اس کے کھانے کے حرام ہونے پر متاخرین کا اجماع ہے۔ (بنایہ: ۴/۳۳)

حشیش کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو (تاج العروس: ۴/ ۲۹۸)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑے پتے کی بات ارشاد فرمائی کہ

''ہر وہ چیز جو عقل کو زائل کر دے وہ حرام ہے خواہ اس سے لذت اور سرور حاصل نہ ہو کیونکہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ عقل کو ماؤف کرنا حرام ہے، البتہ بھنگ کی اتنی مقدار جو نشہ دے نہ عقل کو غائب کرے، اس میں بھی تعزیر ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ: ۳۴/۲۱۱)

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

1 ''جو حشیش نشہ آور ہو اس کے پینے پر حد واجب ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ نجس ہے کیونکہ جس طرح انگور کی کچی شراب نشہ دیتی ہے اسی طرح یہ بھی نشہ دیتی ہے، برخلاف اس چیز کے جو نشہ نہ دے بلکہ صرف عقل کو ماؤف کر دے جیسے بھنگ۔ اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ حشیش نشہ نہیں دیتی بلکہ بغیر لذت کے صرف عقل کو ماؤف کرتی ہے، اس نے حشیش کی حقیقت سے آشنائی حاصل نہیں کی کیونکہ اگر حشیش میں لذت نہ ہوتی تو لوگ اس کو کیوں کھاتے؟ البتہ بھنگ اس کے خلاف ہے کیونکہ اس میں کوئی لذت نہیں ہے، شارع نے لذت دینے والی حرام چیزوں اور لذت نہ دینے والی حرام چیزوں میں فرق کیا ہے۔ اول میں حد لازم کی ہے اور ثانی میں تعزیر۔ اور حشیش پہلی قسم سے ہے اور بھنگ دوسری قسم سے ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ: ۳۴/۱۹۸)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ جو چیزیں نقصان دہ ہوں ان کا کھانا جائز نہیں، اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔'' اور یہ ارشاد ہے کہ ''اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' اور ان چیزوں کا کھانا ہلاکت ہے اور ان کا حلال نہ ہونا واجب ہے۔'' (شرح المہذب: ۹/۳۵)

Marfat.com

سودخوری

سودخوری بھی ایک بہت بڑا کبیرہ گناہ اور موجودہ معاشرہ کا ایک بہت بڑا ناسور ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام جو اس وقت دنیا میں رائج ہے، اس کا یہ سب سے زیادہ مضبوط ستون ہے۔ اسی سود کی وجہ سے ہی بڑی قومیں چھوٹی قوموں کو نگل رہی ہیں اور امریکہ پوری دنیا کا پروہت اور "ماما" بنا ہوا ہے۔ سود معاشرہ کا وہ کینسر ہے کہ اس کا بیمار لاعلاج بھی ہے اور غیر شفا یافتہ بھی۔ اسی سودی کاروبار کے فروغ کے لیے دنیا میں بینکوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے جو غریب افراد اور غریب قوموں کو اس طرح جکڑے ہوئے ہے جیسے تیندوا (Qctopus) انسان کو پانی میں جکڑتا ہے۔ اور جو ایک دفعہ جکڑا گیا وہ پھر اس کے خونین پنجوں سے نکل نہیں سکتا۔ جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں اس کا ذکر سب سے پہلے سورۃ البقرہ میں آیا ہے۔ سود سے متعلقہ آیتوں سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ مین صدقہ دینے کا ذکر ہے۔ صدقہ کا ذکر کرنے کے بعد سود کو حرام قرار دینے کی آیات ہیں۔ صدقہ میں ایک انسان ضرورت مند کو دنیوی اور ظاہری معاوضہ کے بغیر اپنے مال میں سے کچھ دیتا ہے اور اپنے مال کو کم کرتا ہے جب کہ سود میں انسان ایک ضرورت مند کو قرض دے کر ایک مدت معینہ کے بعد اس سے اصل رقم سے ایک معین اور مقررہ زیادتی کو وصول کرتا ہے اور اس طرح اپنے مال کو بڑھاتا ہے۔ صدقہ دینے والا بلا معاوضہ اپنا مال دیتا ہے اور سود کھانے والا بامعاوضہ دوسرے کا مال لیتا ہے۔ صدقہ دینے والے کے مال میں اللہ برکت دیتا ہے جب کہ سود کھانے والے کی برکت مٹاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں مین اور بھی بہت سے فرق ہیں۔

Marfat.com

قرآن حکیم نے سود لینے کو سود کھانے سے تعبیر کیا کیونکہ جو چیز کسی سے لی جائے اس کی واپسی کا امکان ہوتا ہے اور جو چیز کھالی جائے اس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ اس لیے سود لینے والوں کو سود خور کہا گیا اور ہم نے عنوان یہی قائم کیا ہے "سود خوری۔"

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ، ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (بقرہ:۲۷۵)

"یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھوڑ کر مخبوط الحواس کر دیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔"

سود کو عربی زبان میں ربا کہتے ہیں اور لغت میں "ربا" کے معنی زیادتی اور بڑھوتری کے ہیں۔ علامہ راغب نے لکھا ہے کہ اصل مال پر زیادتی کو ربا کہتے ہیں۔ شریعت میں ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ربا النسئیۃ اور ربا الفضل۔ ربا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بدست زیادتی کے عوض بیع ہو، مثال کے طور پر چار کلوگرام کھجوروں کو آٹھ کلوگرام کھجوروں کے عوض فروخت کیا جائے۔ اس کے برعکس ربا النسئیۃ یہ ہے کہ ادھار کے میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اثیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شریعت میں ربا بغیر عقد بیع کے اصل پر زیادتی ہے اور ہمارے نزدیک ربا یہ ہے کہ مال کے بدلے مال میں جو مال بلاعوض لیا جائے مثلاً کوئی دس روپے کو گیارہ روپے کے بدلہ میں فروخت کرے تو اس میں یہ ایک روپیہ زیادتی بلاعوض ہے۔ (عمدۃ القاری:۹/۱۹۹)

امام رازی نے ربا النسئیہ کی صحیح تعریف کی ہے کہ ربا النسئیہ زمانہ جاہلیت میں مشہور اور معروف تھا۔ وہ لوگ اس شرط پر قرض لیتے تھے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ یا ہر

Marfat.com

سال ایک معین رقم لیا کریں گے، اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی۔ مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اور اگر مقروض اصل رقم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ مدت اور سود دونوں میں اضافہ کر دیتا۔ یہ وہ ربا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا۔ (تفسیر کبیر: ۲/۳۵۱)

ربا الفضل یہ ہے کہ ایک مخصوص مال کو اس کی مثل سے نقد زیادتی کے ساتھ یا ادھار فروخت کیا جائے، مثال کے طور پر پانچ کلو گندم کو دس کلو گندم کے عوض نقد فروخت کیا جائے یا پانچ کلو گندم کو پانچ کلو گندم کے عوض ایک سال کے ادھار پر فروخت کیا جائے۔ چنانچہ مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے عوض، گندم گندم کے عوض، جو جو کے عوض، کھجور کھجور کے عوض اور نمک نمک کے عوض برابر برابر فروخت کرو اور نقد بہ نقد۔ اور جب یہ اجناس مختلف ہوں تو پھر جس طرح چاہو فروخت کرو بہ شرطیکہ نقد بہ نقد ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے زیادہ لیا یا زیادہ دیا اس نے سودی کاروبار کیا۔ دینے والا اور لینے والا دونوں برابر ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلے میں اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ میں فروخت نہ کرو۔'' (مسلم: ۲/۲۴۔۲۶)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں علت وزن ہے اور باقی چار چیزوں میں علت ماپنا ہے۔ پس ہر وہ شے جس کی بیع وزن اور ماپنے سے ہوتی ہو، اتحادِ جنس کی صورت میں اس کی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے۔ (نووی شرح مسلم: ۲/۲۳۔۲۴)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ حرمت کی علت یہ ہے کہ وہ شے جنس طعام میں سے ہو، اور ماپ یا وزن سے بکتی ہو، لہٰذا جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں ان کی کمی اور بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے۔'' (المغنی لابن قدامہ: ۴/۲۷)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک نوع کی ماپ اور تول والی چیزوں میں سود ہے، ان کے نزدیک علت ربا ماپ، تول اور اشتراک جنس ہے۔ وہ عددی چیزوں میں حرمت ربا کے قائل نہیں۔

ربا الفضل میں حرمت کا سبب یہ ہے کہ اس سے ربا النسیہ کا دروازہ کھلتا ہے

Marfat.com

اور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے جس کا آخری ثمرہ سود خوری ہے۔ یہ حکمت سرکار دو عالم ﷺ نے خود بیان فرمائی۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک دینار کو دو دیناروں کے عوض اور ایک درہم کو دو درہموں کے عوض فروخت نہ کرو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم سود خوری میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔

(رواہ الطبرانی، کنز العمال: ۴/ ۱۷۷۔۱۷۸)

سود اور نفع میں فرق:

حق تعالیٰ شانہ نے بیع کو جائز قرار دیا اور سود کو ناجائز اور حرام۔ ان دونوں میں فرق بالکل واضح ہے۔ ہم ایک دوکان دار سے سو روپے کی ایک چیز خریدتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ شے اسی روپے کی ہے لیکن اس چیز پر دوکان دار نے محنت، ذہانت اور وقت خرچ کیا ہے۔ اس بیس (20) روپے کے منافع کو ہم اس کی ذہنی اور جسمانی محنت کا عوض قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب اک شخص سو روپے پر دس روپیہ سود لیتا ہے تو اس دس روپے میں وقت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی جس کو اس دس روپے کا بدل قرار دیا جا سکے۔ اس لیے تجارت میں نفع لینا جائز ہے جب کہ روپیہ پر سود لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

قرآن حکیم کی اسی آیت میں یہ بھی بتایا گیا کہ ''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز صرف اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ (البقرہ: ۲۷۵)

اس سلسلہ میں ایک حدیث سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچاؤ جن کی مغفرت نہیں ہو گی۔ مال غنیمت میں خیانت کرنے سے، پس جس نے خیانت کی وہ قیامت کے روز خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا، اور سود کھانے سے، سو جس نے سود کھایا وہ قیامت کے روز مخبوط الحواس پاگل کی طرح اٹھے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑی کہ ''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو۔'' (المعجم الکبیر طبرانی: ۱۸/ ۶۰)

Marfat.com

اللہ کے نیک بندوں پر شیطان کا اثر اس سے زیادہ نہیں ہوتا کہ وہ ان کو کسی اذیت اور آزمائش میں مبتلا کر دے لیکن عام لوگ جن کی رگوں میں شیطان سیال خون کی طرح دوڑتا ہے، ان میں سے جو فاسق و فاجر ہیں کبھی کبھی ان کی عقل و خرد اور ذہن و دماغ پر شیطان کا اس طرح تسلط ہو جاتا ہے کہ وہ پاگلوں کی طرح اپنے کپڑے پھاڑتے ہیں اور منہ سے جھاگ اگلتے ہیں، پریشان حال، پراگندہ بال ہر طرف خاک اڑاتے پھرتے ہیں۔ ان کو یہ سزا اس لیے دی جائے گی کہ دنیا میں سود خور اپنا مال بڑھانے کی طمع میں اس قدر دیوانہ ہو چکا تھا کہ اس کو نہ خوف خدا تھا اور نہ ہی کسی ضرورت مند اور حاجت مند پر اس کو کوئی ترس آتا تھا، سود خوری اور مال کو بڑھانے کی حرص میں وہ بالکل مجنون ہو چکا تھا، اس لیے اس کو قیامت کے روز پاگلوں کی طرح مجنون اٹھایا جائے گا۔

اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی سود کا ذکر کیا گیا کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران: ۱۳۰)

”اے ایمان والو! دگنا چگنا سود نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم لوگ فلاح پاؤ۔“

آگے فرمایا: ”اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

اس آیت میں پہلے تو سود کا ذکر فرمایا کہ یہ حرام ہے۔ اس کو مت کھاؤ کیونکہ حرام مال جب پیٹ میں جاتا ہے تو اس کے اور نقصانات کے علاوہ سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ آدمی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اور دنیا کی محبت انسان کے دل میں گھر کر آتی ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے بارے میں لکھا کہ وہ مال دنیا کی محبت کے باعث ہوئی تھی کیونکہ مال دنیا کی محبت کی وجہ سے مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر انداز کر کے مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تھے اس وجہ سے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

پھر سود کی دو قسمیں ہیں۔ سود مفرد اور سود مرکب۔ اس آیت میں سود مرکب کو بھی حرام قرار دیا گیا لیکن اس آیت میں اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں کہ صرف سود در سود حرام ہے اور سود مفرد جائز ہے۔ سورہ بقرہ میں مطلق سود کو حرام قرار دیا گیا۔

سود سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس جگہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سود خوری کی وجہ سے ایک مسلمان کافر تو نہیں ہوتا تو پھر اس کو اس آگ سے کیوں ڈرایا گیا جو صرف کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سود خوری کی علت میں مبتلا ہونے کے بعد یہ خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ہے کہ انسان اس کی تحریم کا انکار کر کے کافر نہ ہو جائے۔ جیسا کہ گذشتہ دنوں کچھ لوگوں نے عدالت میں بیان دیئے تھے کہ سود کے بغیر پاکستان چل ہی نہیں سکتا، اور جب پوری دنیا میں سود چلتا ہے تو پھر پاکستان میں اس کا چلن کیوں نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ملک میں وفاقی شرعی عدالت نے 14 نومبر 1991ء کو سود کی قانوناً ممانعت کر دی۔ اس ممانعت میں جنرل ضیاء الحق مرحوم اور جسٹس تنزیل الرحمٰن کا بہت بڑا حصہ تھا۔ جسٹس تنزیل الرحمٰن نے سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہونے کے ناطے سود کو پاکستانی معیشت میں حرام قرار دیا تھا۔ پھر 14 نومبر 1991ء کو فیڈرل شرعی عدالت نے بھی اس کی قانوناً ممانعت کر دی، لیکن نواز شریف کے ایما پر ہماری حکومت نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی اور اس حکم پر عمل کرنے سے روک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سودی کاروبار حکومت پاکستان کی سرپرستی میں جاری و ساری رہا، لیکن پھر موجود حکومت نے دو نئے جج صاحبان مقرر کر کے اور ایک جسٹس کی خدمات ختم کر کے سود کے کیس کو کہنے والے تو کہتے ہیں کہ ریمانڈ کر دیا لیکن اصل میں اس کو پاکستان سے یک قلم ختم کر دیا۔ اب نہ نو من تیل ہوگا اور نہ رادھا ناچے گی۔ نہ وہ حکومت کے حالات ہونے ہیں اور نہ ہی وہ ریمانڈ شدہ کیس واپس آنا ہے۔ اب تو باقی ماندہ اسلام کو بھی اس ملک سے دیس نکالا ملنے کے اسباب مہیا کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ وقت نہ لائے اور اس سے قبل ہی ملک کے اس قسم کے بدخواہ ختم ہو جائیں اور اسلام کے نام پر بنے ہوئے اس ملک میں اسلام باقی رہ جائے۔ ان حالات میں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سود کی شدت اشتغال کی وجہ سے تم کہیں سود کی تحریم کا انکار نہ کر دینا ورنہ تم کافر ہو کر اس آگ میں داخل ہو جاؤ گے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

سود کی مزید تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''معیشت و اقتصاد کا اسلامی تصور'' میں

Marfat.com

دے دی ہے اہل علم وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

سیدنا قتادہ فرماتے ہیں کہ سود خور قیامت کے روز ایک پاگل شخص کی صورت میں اٹھایا جائے گا اور یہ سود خوروں کی ایک خصوصی علامت ہوگی۔ جس سے میدان حشر والے ان کو پہچانیں گے۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب میں معراج مین گیا تو میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے پیٹ ان کے ہاتھوں کے سامنے تھے۔ ان میں سے ہر شخص کا پیٹ بہت بڑے مکان کی طرح تھا۔ ان کے پیٹوں نے ان کو جھکایا ہوا تھا۔ وہ آل فرعون کے راستہ پر جمع ہوئے۔ اور آل فرعون صبح و شام جہنم میں پیش کیے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ وہ بھاگنے والے اونٹوں کی طرح آگے بڑھتے تھے، نہ کچھ سنتے تھے اور نہ سمجھتے تے۔ جب ان پیٹوں والوں کو اس کا احساس ہوا تو وہ کھڑے ہوئے تو ان کے پیٹوں نے ان کو جھکا دیا۔ پس وہ وہاں سے نہ ہل سکے حتیٰ کہ فرعونیوں نے ان کو گھیر لیا۔ پس وہ ان کو آگے پیچھے پھینکتے ہیں۔''

یہ تو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ میں ان کا عذاب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''میں نے پوچھا: ''اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟'' انہوں نے عرض کیا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے ہیں۔'' یہ اس شخص کی طرح کھڑے ہوتے ہیں جس کو شیطان نے ہاتھ لگا کر بدحواس کر دیا ہو۔'' (الترغیب والترہیب: ۳/۹، دلائل النبوۃ، بیہقی: ۲/۳۹۰، ۳۹۶)

ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں نے ساتویں آسمان میں اپنے سر کے اوپر گرج اور کڑک کی آواز سنی اور کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے پیٹ ان کے ہاتھوں کے سامنے گھڑوں کی طرح ہیں۔ ان میں سانپ اور بچھو ہیں جو ان کے پیٹوں سے دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے پوچھا: ''اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا: ''یہ سود خور ہیں۔'' (ھؤلاء اکلة الربا)

(مسند احمد: ۲/۳۵۳، ابن ماجہ: ۲۲۷۳، المزی فی التہذیب: ۳۳/۴۲۸، المسند الجامع: ۱۸/۱۳۳، مشکوٰۃ: ۲۸۲۸، الدر المنثور: ۴/۱۵۲)

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی بستی میں زنا اور سود پھیل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی والوں کو ہلاک کرنے کی اجازت دے دیتا ہے۔

(مسند احمد: ۱/۳۹۳، ۳۹۴، ۴۰۲، ابوداؤد: ۳۳۳۳، ترمذی: ۱۲۰، ابن ماجہ: ۲۲۷۷، مجمع الزوائد: ۴/ ۱۱۸)

اسی سلسلہ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب لوگ درہم و دینار میں بخل سے کام لیں۔ کسی چیز کو اصل قیمت سے زیادہ پر فروخت کریں، گائے کی دم کے پیچھے چلنے لگیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ ان پر مصیبتیں نازل فرمائے گا اور جب تک وہ اپنے دین کی طرف رجوع نہیں کریں گے، یہ مصائب و آفات ان سے اٹھائی نہیں جائیں گی۔"

(مسند احمد: ۲/ ۴۲-۴۲، ۸۴، معجم کبیر طبرانی، رقم: ۱۳۵۸۳، ۱۳۵۸۵، ابوداؤد: ۳۴۶۲، نصب الرایہ: ۴/ ۱۷)

اسی طرح ایک اور روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس قوم میں سود پھیلتا ہے اس قوم میں پاگل پن اور جنون پھیلتا ہے۔ جس قوم میں زنا عام ہوتا ہے، اس میں موت زیادہ واقع ہوتی ہے، اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے بارش کو روک لیتا ہے۔" (ابن ماجہ: ۲۶۷۶ ولہ شواہد کثیرۃ صحیح الجامع: ۵۶۳۴)

اور ایک طویل حدیث میں ہے کہ سود خور کو مرنے سے لے کر قیامت تک یوں عذاب دیا جاتا ہے کہ وہ سرخ نہر میں تیرتا ہے جو خون کی طرح ہے اور اسے پتھر کا لقمہ دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے یہ وہ مال حرام ہے جو اس نے دنیا میں کمایا تھا اور اس میں وہ مشقت اٹھاتا تھا۔ جہنمی پتھر کا لقمہ اس کے منہ میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ عذاب اسے قیامت سے قبل برزخ میں دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھی ہوتی ہے جس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح حدیث میں ہے کہ

"چار قسم کے لوگ وہ ہیں کہ ان کو جنت میں داخل نہ کرنے کا خود ذمہ لیا ہوا ہے، اور نہ ان کو اپنی نعمت چکھائے گا، عادی شرابی، سود خور، یتیم کا مال ناحق طور

Marfat.com

پر کھانے والا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا حتیٰ کہ وہ توبہ کرلیں۔"

(بخاری: ۲۰۴۷، سبق تخریجہ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ سود کھانے والوں کو کتوں اور خنزیروں کی شکل میں قیامت کے روز اٹھایا جائے گا کیونکہ وہ سود کھانے کے لیے حیلے بہانے کرتے تھے جس طرح اصحاب السبت (ہفتہ والوں) کو عذاب دیا گیا جب انہوں نے مچھلیاں نکالنے کے لیے حیلہ اختیار کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے روز مچھلیوں کے شکار سے منع کیا تھا۔ انہوں نے مچھلیوں کے حوض اور تالاب بنائے۔ ہفتے کے روز ان میں مچھلیاں اکٹھی ہو جاتیں اور اتوار کے روز وہ ان کو شکار کرلیتے۔ جب انہوں نے یہ کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں تبدیل کردیا۔

اسی طرح ان لوگوں کا معاملہ ہے جو طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے سود کھاتے ہیں۔ حیلہ کرنے والوں کے حیلے اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ سیدنا ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں جس طرح بچے کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر یہ بات (سزا) ان کے سامنے آجائے تو یہ عمل ان کے نزدیک ذلیل ترین ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سود کے ستر دروازے ہیں۔ سب سے کم اور ہلکا دروازہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کرے۔ اور کسی شخص کا اپنے مسلمان بھائی کی عزت کے درپے ہونا بہت بڑا سود ہے۔"

(رواہ ابن ماجہ: ۲۲۷۵، مستدرک حاکم: ۲/۳۷، بیہقی فی الشعب: ۵۱۳۱، مسند احمد: ۱/۱۹۰)

پس اس کا سود کے دروازوں میں سے سب سے بڑا دروازہ ہونا صحیح ثابت ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور اس میں سود اور اس کے معاملات کا اہم ہونا واضح فرمایا۔ آپ نے فرمایا سود کے ذریعہ حاصل ہونے والا ایک درہم اسلام (کی حالت) میں چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ سخت ہے۔"

(مجمع الزوائد: ۴/۱۱۷، بیہقی فی الشعب: ۵۱۳۵، کامل ابن عدی: ۴/۱۵۴۸، معجم الاوسط طبرانی: ۲۷۰۳)

Marfat.com

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سود ستر (70) گناہوں کی طرح ہے جن میں سے سب سے ہلکا گناہ کسی شخص کا اپنی ماں سے زنا کرنا ہے، اور ایک اور روایت میں ہے کہ سب سے ہلکا گناہ اس شخص کے گناہ کی طرح ہے جو اپنی ماں سے وطی کرتا ہے۔'' (ابن ماجہ:۲۲۴ والبیہقی فی الشعب:۵۱۳۴)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''زیادہ دینے والا اور زیادہ لینے والا دونوں جہنمی ہیں یعنی سود لینے والا اور سود دینے والا دونوں اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ نسأل اللہ العافیة.

(ابن ابی شیبہ:۴/ ۳۹۸، مصنف عبدالرزاق: ۸/ ۱۲۸، مسند البزار: ص ۴۵، عن ابی بکر الصدیق مرفوعاً)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، گواہوں پر یعنی سود کی گواہی دینے والوں پر۔ سود کی دستاویز لکھنے والوں پر۔

(ابن ماجہ، رقم: ۲۲۷۷ واخرجہ مسلم فی المساقاة وابوداؤد، والترمذی، ابن حبان: ۱۱/۳۹۹، سنن کبریٰ بیہقی: ۵/ ۲۷۵، مسند الدارمی: ۲/ ۲۴۶، طحاوی: ۴/ ۱۶۸، مسند ابوداؤد طیالسی: ۴۵، مسند احمد: ۱/۳۹۳)

ایک اور روایت میں یہاں تک فرمایا گیا:

لیاتین علی الناس زمان لایبقی[1] منهم احد الا اکل الرباء فمن لم یأکل اصابه من غباره.

''بے شک لوگوں پر ایک زمانہ ایسا ضرور آئے گا کہ دنیا میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو سود نہیں کھائے گا، اور جو سود نہیں کھائے گا اس کو بھی اس کا غبار ضرور پہنچے گا۔''

(ابن ماجہ: ۲۲۷۸، سنن کبریٰ بیہقی: ۵/۲۷۵، شرح السنہ بغوی: ۸/۵۵، مستدرک حاکم: ۲/۱۱، مسند احمد: ۲/۲۹۴، مسند ابی یعلی موصلی: ۱۱/۱۰۵)

سود کے معاملہ میں اس قدر احتیاط سے کام لیا گیا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

''جب کسی شخص پر تمہارا قرض ہو اور وہ تمہیں کوئی تحفہ بھیجے تو اسے نہ لو کیونکہ یہ بھی سود ہے۔''

(المصنف عبدالرزاق: ۱۴۶۵۴، ۱۴۶۵۵، عن عبداللہ بن عمر بلفظ مقارب وسندہ صحیح)

سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر تمہارا قرض ہو تو اب اس کے گھر سے جو کچھ کھاؤ گے وہ حرام (سحت) ہوگا، اور یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادگرامی سے لی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

كل قرض جر نفعًا فهو ربا.

''جو قرض نفع کھینچ لائے وہ سود ہے۔''

(بیہقی فی السنن: ۵/۳۵، وقد جاءت روایات كثيرة عن ابي بن كعب وابن مسعود وابن عباس انهم نهوا عن قرض جرمنفعة، الدرالمنثور: ۵/۳۵۰)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص کسی کی سفارش کرے، پھر وہ اسے ہدیہ بھیجے تو یہ حرام (سحت) اور رشوت ہے۔

(رواہ عبدالرزاق فی المصنف: ۱۴۶۶۴ والبیہقی فی السنن: ۱۰/۱۳۹)

اور اس کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من شفع لرجل شفاعة فاهدى له عليها فقبلها فقدا اتى باباً عظيماً من ابواب الربا))

''جو شخص کسی دوسرے کی سفارش کرے اور وہ اس کے عوض اسے کچھ دے تو یہ سود کے بہت بڑے دروازے کے پاس آیا۔''

(رواہ احمد: ۵/۲۶۱، ابوداؤد: ۳۵۲۴، معجم کبیر طبرانی: ۷۸۵۳، ۷۹۲۸ عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ)

نسئل الله العفو والعافية في الدين والدنيا والآخرة.

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سود ایک نہایت کبیرہ گناہ ہے جس سے نہ صرف افراد تباہی کے راستہ پر گامزن ہوتے ہیں بلکہ قومیں بھی نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ آیت 275 میں یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ''جس شخص کے پاس

اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی۔ پس وہ سود سے باز آ گیا تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہو گیا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جس نے دوبارہ سود لینے کا اعادہ کیا تو وہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔" یہ بھی فرمایا کہ دیکھو سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور جس مال میں سود شامل ہو جاتا ہے وہ مال بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں صدقات میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ چنانچہ امام ابن المنذر نے ضحاک کا ایک قول نقل کیا ہے کہ دنیا میں سود کی آمدنی بہت زیادہ ہو جاتی ہے لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے۔

اور اس کے برعکس طبرانی نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بندہ روٹی کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کرتا ہے اور حق تعالیٰ شانہ اس کو بڑھا کر احد پہاڑ جتنا کر دیتا ہے۔ (المعجم الکبیر طبرانی: ۱/۳۶۵)

پھر فرمایا کہ "اے ایمان والو! سود حرام قرار دیئے جانے کے بعد لوگوں کے اوپر جو تمہاری سودی رقوم ہیں ان کو یک قلم چھوڑ دو اور ان سے صرف اپنا اصل زر لے لو۔ اگر تم مومن ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ اور اگر تم توبہ کر لو تمہارا اصل زر تمہارا حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ گے۔"

اس آیت کے اترنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے کا سود چھوڑ دیا، کیونکہ اس میں سود نہ چھوڑنے پر جنگ کا اعلان تھا۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو لوگ سود لینے کو ترک نہ کریں ان سے اسی طرح جنگ کی جائے گی جس طرح مرتدین اور باغیوں سے جنگ کی جاتی ہے۔ جمہور مفسرین کا یہی مختار مسلک ہے۔ (روح المعانی: ۳/۵۴)

اس وجہ سے سود خور کے لیے احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں جن کا گذشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے۔ اب اس مضمون کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس حدیث پر ختم کرتا ہوں کہ

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صبح کو اپنا خواب بیان فرمایا کہ مجھے جبرئیل اور میکائیل لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ خون کا ایک دریا

Marfat.com

ہے جس کے درمیان میں ایک شخص کھڑا ہے اور دریا کے کنارے کی طرف آنے کی کوشش کرتا ہے تو کنارے پر کھڑا ہوا شخص اس کے منہ پر پتھر مارتا ہے اور اس کو پھر دریا کے درمیان میں دھکیل دیتا ہے۔ وہ جب بھی دریا سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے، اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ مجھے جبرئیل اور میکائیل نے بتایا کہ خون کے دریا میں ڈوبے ہوئے یہ لوگ سود خور تھے۔ (بخاری: ۱/ ۱۸۵، کراچی)

ایک حدیث میں پیش گوئی کے طور پر فرمایا گیا کہ سیدنا مہدی رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول فرمانے کے بعد زمین اپنے خزانے اُگلے گی اور ہر طرف مال و دولت کی کثرت ہو جائے گی۔ اس وقت کوئی زکوٰۃ اور صدقات کو قبول کرنے والا نہیں ہو گا۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''زمین اپنے جگر کے ٹکڑے اپنے اندر سے سونے چاندی کی شکل میں باہر نکالے گی۔ (اور اتنا مال و دولت ہو جائے گا کہ کسی کو اس کی حاجت نہ رہے گی) پس قاتل آئے گا اور یہ کہے گا: ''کیا میں نے اسی کے لیے قتل کیا؟ اور قطع رحمی کرنے والا آ کر کہے گا: ''میں نے اسی کے لیے قطع رحمی کی؟'' اور ایک چور (اس مال و دولت کو دیکھ کر) کہے گا کہ میں نے اسی کے لیے اپنا ہاتھ کٹوایا؟ پھر وہ سب کو چھوڑ جائیں گے اور اس میں سے کچھ نہ لیں گے۔''

(بخاری، رقم: ۷۱۱۰، مسلم: ۱۵/ ۹۸، فتح الباری: ۱۳/ ۸۸، ابوداؤد، رقم: ۴۳۱۴، ترمذی، رقم: ۲۵۶۹، ابن ماجہ: ۴۰۴۶، مسند احمد: ۲/ ۲۶۱، ۳۰۶، ۳۴۶، ۵/ ۱۳۹، ۶/ ۵۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پیش گوئی کا کہ قیامت کے قریب دنیا میں مال و دولت کی کثرت اور بہتات ہو جائے گی۔ اگر جائزہ لیا جائے تو آپ کی یہ پیش گوئی روز روشن کی طرح دُرست اور صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس وقت امریکہ، یورپ اور دنیا کے دوسرے علاقوں میں دولت کی جو ریل پیل ہے اس کا صحیح اندازہ تو نہیں لگایا جا سکتا البتہ امریکہ کی کمپنیوں کے اثاثہ جات سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں کس قدر مال و دولت کی بہتات ہے۔ امریکہ میں اس وقت اثاثہ جات کے لحاظ سے سب سے پہلے نمبر پر جو کمپنی ہے اس کا نام وال مارٹ (Wal Mart) ہے۔ اس کمپنی کے اثاثہ جات دو لاکھ انیس

ہزار آٹھ سو بارہ ملین ڈالر ہیں۔ دوسرے نمبر پر جو کمپنی ہے اس کے اثاثے ایک لاکھ
1 91 ہزار 5 سو 81 ملین ڈالر ہیں اور تیسرے نمبر پر جنرل موٹرز ہے جو گاڑیاں بنانے والی کمپنی ہے۔ اس کے اثاثے ایک لاکھ 77 ہزار 2 سو ملین ڈالر ہیں۔ اے ٹی اینڈ ٹی (AT&T) ٹیلی فون کمپنی کے اثاثہ جات 59 ہزار ایک سو 22 ملین ڈالر، سٹی گروپ ایک لاکھ بارہ ہزار 22 ملین ڈالر، بنک آف امریکہ گروپ 52 ہزار 6 سو 41 ملین ڈالر، اور مرک کے 47 ہزار 7 سو 15 ملین ڈالر کے اثاثے ہیں۔

یورپ میں جرمنی کی کمپنی ڈیملر کریسلر پہلے نمبر پر ہے اور اس کے اثاثوں کی مالیت ایک لاکھ 50 ہزار 69 ملین ڈالرز ہے۔ اس کے علاوہ برطانوی کمپنی رائل ڈچ شیل گروپ دوسرے نمبر پر ہے۔ اس کے اثاثہ جات کی مالیت ایک لاکھ 49 ہزار 146 ملین ڈالرز ہے۔ برطانوی کمپنی بی پی کے اثاثوں کی مالیت ایک لاکھ 48 ہزار 62 ملین ڈالرز ہیں۔ فرانس کی کمپنی ٹوٹل کے اثاثے ایک لاکھ پانچ ہزار 869 ملین ڈالرز ہیں۔ جرمن کمپنی فاکس ویگن 78 ہزار 851 ملین ڈالرز، جرمن کمپنی سیمنز 74 ہزار 858 ملین ڈالرز، ڈوچے بنک 67 ہزار ایک سو 33 ملین ڈالرز، فرنچ کمپنی کیئر فور 59 ہزار 878 ملین ڈالرز، سوئٹزرلینڈ کی کریڈٹ سوئس 58 ہزار 315 ملین ڈالرز، اٹلی کی فیٹ کمپنی 53 ہزار 190 ملین ڈالرز اور سوئٹزرلینڈ کی کمپنی نیسلے 48 ہزار 224 ملین ڈالرز کے اثاثہ جات رکھتی ہے۔

ایشیا کی بڑی کمپنیوں میں 21 کا مالک جاپان ہے جب کہ تین چین اور ایک جنوبی کوریا کی ہے۔ ایشیا کی 25 کمپنیوں میں جاپان کی کمپنی مستوبشی پہلے نمبر پر ہے۔ اس کے اثاثوں کی مالیت ایک لاکھ 26 ہزار 579 ملین ڈالرز ہے، ٹیوٹا موٹرز ایک لاکھ 21 ہزار 416 ملین ڈالرز، نسان موٹرز 55 ہزار 77 ملین ڈالرز، توشیبا 53 ہزار 828 ملین ڈالرز، فیوجی ناسو 49 ہزار 927 ملین ڈالرز، چین کی سینوپک 45 ہزار 3 سو 45 ملین ڈالرز، چائنا نیشنل پٹرولیم 48 ہزار 683 ملین ڈالرز اور جنوبی کوریا کی سام سنگ الیکٹرانکس کے 38 ہزار 490 ملین ڈالرز کے اثاثے ہیں۔

یہ صرف چند کمپنیوں کے اثاثوں کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ بے شمار کمپنیاں ایسی ہیں

جن کے اثاثے بھی کئی بلین ڈالر پر محیط ہیں۔ گویا کہ اس وقت دنیا میں دولت کے دریا بہہ رہے ہیں، لیکن سرمایہ دارانہ نظام نے دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز کر کے غریبوں کے جسموں سے آخری خون کا قطرہ بھی نچوڑ لیا ہے، اور اب حالت یہ ہے کہ غریب مالک یا تو بھوک اور غربت کا شکار ہیں یا ان سرمایہ دار ملکوں کے مقروض ہو کر اپنے عوام کا خون سود کی شکل میں نچوڑ نچوڑ کر ان سرمایہ دار ملکوں کو دے رہے ہیں۔ دولت کے ان بہتے دریاؤں اور تالابوں سے غریبوں کو ہاتھ دھونے کی بھی اجازت نہیں، پانی پینا تو بہت بڑی بات ہے۔ یہ سب کرشمہ ہے اس جمہوری نظام کا جو سرمایہ دارانہ سودی نظام کی ایک فرع ہے اور جس نظام کو امیروں نے غریبوں کو شکار (Trap) کرنے کے لیے بنایا تھا۔

اگر اسلامی نظام معیشت دنیا میں رائج ہو اور ان شاء اللہ ایک روز ضرور رائج ہو گا، تو اس نظام کی برکت سے سب سے پہلے تو سود ختم ہو گا، پھر ارتکاز دولت کا خاتمہ ہو گا جو سرمایہ دارانہ نظام میں تمام مفاسد اور بیماریوں کی جڑ ہے۔ اسلام کا نظام زکوٰۃ، نظام وراثت اور تقسیم دولت کے دوسرے قوانین ارتکاز دولت کا یک قلم خاتمہ کر دیتے ہیں۔ اسلام نے بنیادی طور پر نظام زکوٰۃ کو فرض کر کے دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے روکا، اس لیے اسلام نے زکوٰۃ کا ایک باقاعدہ نظام مرتب کیا ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی کتاب ''اسلام کا نظام زکوٰۃ'') زکوٰۃ کے علاوہ صدقات و خیرات پر اسلام نے بہت زور دیا ہے کیونکہ اس سے غرباء کی اعانت اور دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹنا رکتا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر دولت کا ارتکاز قائم رہتا ہے تو ایک شخص کے مرنے کے فوراً بعد دولت کی گردش کا اہتمام اور اس کے ارتکاز کی ممانعت کا اہتمام قانون وراثت کی شکل میں کر دیا گیا ہے۔ جمع شدہ دولت کو ''ذوی الفروض''، ''عصبات'' اور ''ذوی الارحام'' میں اس طرح تقسیم کرنے کا منصوبہ دیا گیا کہ کوئی قریبی عزیز اس سے محروم نہ رہے۔ اگر مرحوم کا کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو تو اس کے دور کے رشتہ دار وراثت کے حق دار ہیں۔ اس کے لیے قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں ایک اصول ''الاقرب فلاقرب'' (یعنی پہلے قریبی عزیز اور اس کے بعد دور کے رشتہ دار) مقرر کیا گیا ہے۔ اس طریقہ پر چند ہاتھوں میں سمٹی ہوئی دولت دو تین پشتوں میں تقسیم در تقسیم ہو کر پورے معاشرہ میں پھیل جائے گی

Marfat.com

اور معیشت ارتکاز دولت کے اثرات بد سے محفوظ و مصئون ہو جائے گی۔

دولت کا ارتکاز ختم ہونے کے بعد جمع شدہ دولت کئی ہاتھوں میں تقسیم کے دور سے گزرے گی جس کا نتیجہ معیشت میں صرف دولت (Consumption of Wealth) میں اضافہ اور اس کے نتیجہ میں پیداواری عمل (Production) میں اضافہ، روزگار کے مواقع میں اضافہ اور بالآخر معاشی ترقی کی صورت میں سامنے آئے گا۔

قانون وراثت کے تحت بڑی بڑی جاگیریں دو تین پشتوں میں ختم ہو جائیں گی کیونکہ اسلام میں مال و جائیداد میں وراثت کا حق ایک بڑے دائرے میں پھیلا دیا گیا ہے، چنانچہ اس قانون وراثت کے تحت بڑی بڑی جاگیریں تقسیم در تقسیم سے چھوٹے یونٹوں اور حصوں میں تقسیم ہوتی رہیں گی اور جاگیرداری نظام خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ وابستہ تمام خرابیاں جیسے سود، ارتکاز دولت وغیرہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ مختصر یہ کہ یہ تمام خرابیاں جن کی وجہ سے دنیا میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہو رہا ہے، اور ملٹی نیشنل کمپنیاں ایک عفریت کی صورت میں لوگوں کی دولت کو نگل رہی ہیں، ختم ہو جائیں گی۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام اور دیگر مذاہب میں معاشی ترقی کا تصور مختلف ہے۔ اسلام ایک دین اور مکمل نظام زندگی ہے جو انسان کو ایک ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے جس کی روشنی میں ایک فرد یا ایک قوم روحانی اور مادی ترقی کی منازل آسانی کے ساتھ طے کر سکتی ہے۔ دیگر مذاہب کے برعکس اسلام جمہوریت کا قائل نہیں بلکہ اسلام ایک حرکی (Dynamic) ہونے کے ناطے ہر قسم کے پیش آمدہ حالات اور معاملات پر غور و فکر کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں نیا لائحہ عمل مرتب کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہی اجتہاد کا راستہ ہے جس کے ذریعے سے ہر زمانہ میں مسلمان اپنے لیے راہ عمل مرتب کر سکتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے مقابلہ میں اسلام کا مقصود محض مادی ترقی نہیں ہے بلکہ اس میں معاشی ترقی کو چند حدود کا پابند کیا گیا ہے۔ اسلام معاشی ترقی کا خواہاں ہے لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے معاشرتی، اخلاقی اور دینی اقدار کی قربانی دینے کے لیے تیار نہیں، بلکہ چاہتا ہے کہ جو بھی ترقی ہو وہ ان اقدار کو پیش نظر رکھ کر ہو اور معاشی ترقی کے

Marfat.com

ساتھ معاشرتی ترقی بھی ہو، اور معاشرے کے تمام ادارے مثلاً خاندان، حکومت، کاروبار، مسجد و منبر اور اسکول و کالج اور دینی ادارے، اور خانقاہیں اپنا بھرپور کردار ادا کریں تاکہ معاشی ترقی کے ساتھ معاشرے کا ہر فرد روحانی ترقی کی منازل بھی طے کرتا جائے اور تقویٰ و پرہیزگاری کے لحاظ سے بھی افراد میں تنزل کے بجائے ترقی کی راہیں نظر آئیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بزرگی کا معیار تقویٰ ہے۔(ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم)

اسلام میں معاشی ترقی کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ''اسلام میں معاشی ترقی ایک ایسے عمل کا نام ہے جس کے نتیجے میں کسی ملک کی قومی اور فی کس آمدنی کے ساتھ ساتھ اس ملک کے باشندوں کی عزت نفس، آزادیٔ عمل اور دینی فعالیت میں بھی اضافہ ہو اور اس ملک کے لوگ مادی اور روحانی لحاظ سے اپنے آپ کو ماضی کے مقابلہ میں بہتر حالت میں پائیں۔

خلاصہ یہ کہ دنیا میں اس وقت دولت کی فراوانی اور کثرت ہے لیکن سودی نظام معیشت کی وجہ سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ کچھ سرمایہ دار اور کچھ ملٹی نیشنل کمپنیاں لوگوں کی زندگیوں کو اجیرن بنائے ہوئے ہیں۔ یہ کمپنیاں پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہیں ان کی ایک الگ دنیا اور الگ حکومت ہے۔ یہ کمپنیاں دنیا کی اتنی بڑی طاقت ہیں کہ دنیا کی سب طاقتیں ان کی مٹھی میں سمٹی ہوئی ہیں۔ دنیا کی تمام چھوٹی بڑی حکومتیں ان کے اشارہ ابرو پر چلتی ہیں۔ اس وقت دنیا کے 180 ممالک میں یہی کمپنیاں جن کی تعداد پانچ سو سے زیادہ نہیں ہیں، انقلاب برپا کر رہی ہیں۔ یہ جب چاہیں امریکہ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے ملکوں پر اپنی مرضی کے لوگ اقتدار میں لے آتی ہیں کیونکہ اس وقت دنیا کی کل دولت 36 ٹریلین ڈالر میں سے 35 ٹریلین ڈالر ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کے پاس ہے۔ گویا پوری دنیا اس وقت پانچ سو کمپنیوں کے قدموں میں سسک رہی ہے کیونکہ اگر یہ چاہیں تو پوری دنیا میں دس منٹ میں ایک انقلاب برپا کر سکتی ہیں، لیکن اگر نظام معیشت اسلامی اور غیر سودی ہو تو پھر نہ تو یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں ہوں اور نہ یہ جاگیردار اور سرمایہ دار ہوں جو غریبوں کا خون چوس چوس کر اپنی توندیں بھر رہے ہیں۔

Marfat.com

تجارتی بدعنوانیاں

موجودہ دور میں جب قریباً پوری دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام نافذ ہے۔ اس معاشی نظام میں بہت سی تجارتی سہولتیں اور جائز آسانیاں بھی ہیں، لیکن بہت سی تجارتی بدعنوانیاں بھی اس نظام میں موجود ہیں جن کی وجہ سے غریب دن بدن غریب تر اور امیر دن بدن امیر تر ہوتا جا رہا ہے۔ اسلام کا نظام معیشت ان تمام بدعنوانیوں کا سد باب کرتا ہے جو عام بدحالی اور قابل نفرت سرمایہ داری کو فروغ دیتی ہیں۔ ان بدعنوانیوں میں زیادہ اہم اور مشہور درج ذیل ہیں۔ انہی بدعنوانیوں سے عام آدمی اکل حلال سے محروم ہے۔

احتکار و اکتناز:

احتکار کا مطلب ہے کہ دولت سمٹ کر کسی ایک ہی طبقہ میں محدود و محصور ہو کر رہ جائے۔ اسلام نے احتکار کی سخت مذمت کی ہے کیونکہ اسلام کے نظام معیشت میں یہ چیز ہرگز برداشت نہیں کی جا سکتی کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے۔ اس کے اثرات معاشرہ پر نہایت برے پڑتے ہیں۔ جس طرح خون تمام جسم میں جب تک دورہ نہ کرے اس وقت تک جسم صحیح طور پر تندرست نہیں رہ سکتا اسی طرح جب تک دولت تمام معاشرہ میں گردش نہ کرے اور ہر شخص کی جیب تک پیسہ نہ جائے معاشرہ صحیح اور تندرست نہیں رہ سکتا۔ سرمایہ داری کے اس نظام میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے اور غریبوں کی جیبوں تک روپیہ نہیں پہنچتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا جاتا ہے جس سے غریبوں کی قوت خرید کم اور امیروں کی قوت خرید زیادہ ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جانے سے غریب کو اپنی غریبی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ جب وہ دیکھتا ہے کہ میرا بیٹا فٹ پاتھ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا اور اس کو کوئی دوا نصیب نہ ہوسکی، اور اس کے برعکس امیروں کے کتوں کا علاج ہسپتالوں میں ہو رہا ہے تو اس کے دل میں اپنی غریبی کے احساس کی ایک ہوک سی اٹھتی ہے کہ میں کیوں غریب ہوا۔ غریب تو خیر ہر زمانے اور ہر نظام میں رہے ہیں لیکن اسلامی نظام معیشت میں غریب کو اپنی غریبی کا احساس نہیں ہوتا۔ پھر جب غریب یہ دیکھتا ہے کہ ایک طرف امراء اور دولت مند لوگ عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور دوسری طرف ہم غریب لوگ ڈھور ڈنگروں کی سی زندگی گزار رہے ہیں تو اس وقت بھی اسے اپنی غریبی کا سخت احساس ہوتا ہے کہ میں غریب کیوں پیدا ہوا۔ اسلام نے اس چیز کو سختی سے روکا ہے اور پیدائش دولت، صرف دولت اور تقسیم دولت پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔

پیدائش دولت کے باب میں رزق حلال کی تاکید کی کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں جو لوگ سرمایہ دار ہوتے ہیں ان کی پیدائش دولت کے طریقے اکثر و بیشتر ناجائز اور حرام ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسلام نے رزق حلال کی تاکید کی۔ رزق حلال کی جدوجہد ذاتی اغراض کے ٹکراؤ سے معاشرہ کو محفوظ کر دیتی ہے، اور انسانی توانائیاں مثبت اور مفید تعمیری کاموں میں مرکوز ہو جاتی ہیں جس سے دولت کی پیدائش کا عمل تیز اور مفاسد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ معاشرہ کے تمام افراد کو اپنی صلاحیتیں بیکار چھوڑنے کے بجائے مفید پیداواری کاموں میں صرف کرنی چاہئیں۔ گداگری اور طفیلی پن کی ہر شکل معاشرہ کے توازن کو خراب کر دیتی ہے۔

اسلام نے اکتساب دولت کے ایسے تمام ذرائع کی سختی سے ممانعت کر دی ہے۔ چنانچہ منشیات کی خرید وفروخت، سود، جوا، رشوت، لاٹری، چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹ، فحش اور مخرب اخلاق اشیاء کی پیدائش اور فروخت، قحبہ گری، عصمت فروشی، رقص وسرود، نائٹ کلب اور اس طرح کی دیگر اشیاء کی سرگرمیوں کے

Marfat.com

ذریعے روزی کمانا اور ان کی خرید و فروخت اور ان کی پیدائش میں کسی قسم کی معاونت کو حرام اور ناجائز قرار دے دیا گیا کیونکہ اس سے لاتعداد اور ان گنت معاشی، اقتصادی، معاشرتی، سماجی اور اخلاقی مفاسد جنم لیتے ہیں اور معاشرہ کے حسن اور اس کے سکون کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلامی نظام معیشت میں ضرر اور غرر، جبر و اکراہ، بیگار اور اس قسم کے دوسرے ذرائع آمدنی کی بھی ممانعت کر دی گئی کیونکہ اس سے نہ صرف انسانی عظمت پر دھبہ لگتا ہے بلکہ معاشی سرگرمیوں کا توازن بھی یک قلم بگڑ جاتا ہے۔ جب دولت کی پیدائش پر اس قدر پابندیاں ہوں تو اس زمانہ میں نہ کوئی شخص کروڑ پتی اور ارب پتی ہو سکتا ہے اور نہ ہی غریب ایسی غربت کی زندگی بسر کر سکتا ہے جس میں اس کو اپنی غربت کا احساس ہو۔

اتنی پابندیوں کے باوجود بھی اگر کوئی شخص کروڑ پتی اور ارب پتی ہو بھی جائے تو شریعت نے صرف دولت پر بہت سی پابندیاں لگا دیں اور دولت کے خرچ کرنے کے ہر ایسے ذریعہ سے منع کر دیا جس میں بخل اور اسراف کی بو آتی ہو۔ اسلام نے دولت کے خرچ کرنے کے باب میں کفایت شعاری اور میانہ روی کو اپنانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مال خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کی وہ کبھی تنگ دستی سے دوچار نہیں ہوگا۔'' کفایت شعاری سے مراد جائز حاجات پر جائز حد تک مال صرف کرنا۔ کفایت شعاری اور میانہ روی انسان کو بہت سے معاشی، معاشرتی اور ذہنی عوارض سے محفوظ کر دیتی ہے۔ اس سے بچتیں بڑھتی ہیں اور پیداواری عمل کو تیز کرنے کے لیے وسائل میسر آتے رہتے ہیں۔

کفایت اور میانہ روی کی تلقین کے ساتھ ساتھ اسلام نے اسراف اور تبذیر کی بھی شدت سے ممانعت کر دی۔ ان دونوں سے نہ صرف وسائل کا بے دریغ ضیاع عمل میں آتا ہے بلکہ دولت کے پیداواری وسائل اور کاموں میں صرف ہونے کے بجائے نام و نمود، فخر و ریا اور فسق و فجور کی شیطانی راہوں پر بہ جاتی ہے۔ اسراف و تبذیر سے انسان

Marfat.com

عیش کوشی کا رسیا ہو کر خلیفۃ اللہ کے بلند مقام سے گر کر اخلاقی پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر کر اپنے انسانی جوہر سے محروم ہو جاتا ہے۔

اسراف وتبذیر کی مذمت کے ساتھ ساتھ اسلام نے بخل اور شح کی بھی مذمت کی اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب وسزا کی سخت وعید بھی اس سلسلہ کی کڑی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

> "بے شک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو (دل میں) اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوں۔ (زبان سے شیخی اور فخر ومباہات کی باتیں کرتے ہوں) جو خود بھی بخل کرتے ہوں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہوں، اور جو شے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے اس کو چھپاتے ہوں، اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے اہانت والا عذاب تیار کر رکھی ہے۔" (نساء:۳۶۔۳۷)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

> "اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ کے طور پر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں انہیں خرچ نہیں کرتے، آپ ان کو بڑے دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے۔ وہ اس دن ہو گا جس دن ان کو (سونے چاندی کو) اول جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا۔"
>
> (التوبہ:۳۴۔۳۵)

علماء نے لکھا ہے کہ پیشانیوں وغیرہ سے چاروں طرف مراد ہے۔ پیشانی اگلا حصہ، پہلوؤں سے دایاں بایاں اور پشت سے پچھلا حصہ مراد ہے اور اس کا مطلب ہے کہ ان کے سارے بدن کو داغ دیا جائے گا۔

Marfat.com

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ آیت تو لوگوں پر بہت بار ہو رہی ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیے مشروع فرمائی ہے کہ بقیہ مال پاک ہو جائے، اور میراث تو اسی مال میں جارہی ہو گی جو بعد میں باقی رہے۔ اور بہترین چیز جس کو آدمی خزانہ کے طور پر محفوظ رکھے وہ نیک بیوی ہے جس کو دیکھ کر جی راضی ہو جائے۔ جب اس کو حکم دیا جائے تو وہ فوراً اطاعت کرے، اور جب شوہر غائب ہو (یعنی سفر وغیرہ پر گیا ہوا ہو) تو وہ اپنی اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امیر اور اغنیاء کے مالوں میں وہ مقدار فرض کر دی ہے جو اس کے فقراء کے لیے کافی ہے۔ فقراء کو بھوکے یا ننگے ہونے کی مشقت صرف اس وجہ سے جھیلنی پڑتی ہے کہ اغنیاء ان کو مال دیتے نہیں۔ خبردار رہو! کہ حق تعالیٰ شانہ قیامت کے روز ان امیروں اور اغنیاء سے سخت مطالبہ کریں گے یا سخت عذاب دیں گے۔

اس مضمون کی اور بھی بہت روایات ہیں جن کو طوالت کے باعث نقل نہیں کیا جا رہا۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ امیری اور غریبی روز ازل ہی سے چلی آ رہی ہے کیونکہ امیر اور غریب دونوں ہی اس دنیا کے لیے باعث زینت ہیں۔ ذوق نے سچ کہا ؎

گل ہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

کسی کو امیر بنانے یا کسی کو غریب رکھنے کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ﴾ (شوریٰ:۲۷)

Marfat.com

''اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لیے روزی میں وسعت کر دیتا تو وہ دنیا میں بغاوت (اور فساد) کرنے لگتے، لیکن اللہ تعالیٰ (جس کے لیے) جتنا رزق مناسب سمجھتا ہے، اتارتا ہے، بے شک وہ بندوں (کی مصالح) سے باخبر (اور ان کے احوال کو) دیکھنے والا ہے۔''

حق تعالیٰ شانہ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء:۲۹)

''اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اس کے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔''

اس طرح انہی الفاظ میں سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ:۱۸۸)

''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ اسے حکام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھا جاؤ اور حالانکہ تم جانتے ہو۔''

ان دونوں آیات میں ناجائز کمائی کی ممانعت کے لیے ایسا وسیع اور عام عنوان اختیار کیا گیا جس میں کمائی کے سارے ہی ناجائز طریقے خواہ پرانے ہوں یا نئے ممنوع اور حرام ہو گئے۔

رشوت بھی باطل طریقہ سے مال کھانے کی ایک صورت ہے۔ رشوت یہ ہے کہ مال سرکاری ملازم یا صاحب اقتدار کو پیش کیا جائے تاکہ وہ اس کے حق میں یا اس کے حریف

کے خلاف فیصلہ کرے یا اس کا کام کر دے یا اس کے حریف کے کام کو موخر کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکام اور ان کے معاونین کے لیے رشوت ستانی کو حرام اور ناجائز ٹھہرایا ہے۔ نہ رشوت دینا جائز ہے اور نہ ہی اس کو قبول کرنا، اسی طرح دونوں کے درمیان واسطہ بننا بھی ممنوع ہے۔

اس آیت میں روکا گیا کہ مال کو حکام کی رسی کا ذریعہ نہ بناؤ تا کہ تم دوسروں کا مال ہڑپ کر سکو کیونکہ رشوت حصول مال کا جائز ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ گناہ، حق تلفی اور غصب حقوق کا راستہ ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں رشوت کے بارے میں تین باتوں کی طرف واضح اشارات کیے:

(1) ایک یہ کہ رشوت کے ذریعے عدالت کی افادیت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں انصاف ایک بکاؤ مال بن جاتا ہے، عدالت کی افادیت کا تمام تر انحصار عدالت کی راست روی، دیانت داری اور لوگوں کو آسان اور اچھا انصاف مہیا کرنے پر ہے۔ عدالت ہی قانون کی محافظ ہے۔ عدالت کو اگر رشوت کے ذریعے بددیانت بنا دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عدالت اب انصاف اور عدل مہیا کرنے کا گھر نہیں ہیں بلکہ تجارت گاہیں ہیں اور اس میں کام کرنے والے تاجر ہیں جو صبح عدالت کی کرسی پر انصاف مہیا کرنے کے لیے نہیں بیٹھتے بلکہ خرید و فروخت اور تجارت کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں، اور جس کے پاس زیادہ مال ہو وہ انصاف خرید سکتا ہے اور جو مال کی نعمت سے محروم ہے وہ انصاف سے بھی محروم ہوگا۔ "تدلوا بھا الی الحکام" میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ کیونکہ "تدلوا"، "ادلاء" سے بنا ہے اور ادلاء کا معنی کنویں میں ڈول ڈالنے کے ہیں۔ جس طرح ڈول کے ذریعے طالب تک پانی پہنچتا ہے اسی طرح رشوت کے ذریعے حاکم تک مال پہنچتا ہے۔ شریعت

Marfat.com

نے اس معاملہ میں اتنی احتیاط برتی ہے کہ حکام کو تحفے اور ہدیے دینے کی بھی ممانعت کر دی جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

(2) دوسری بات اس آیت سے یہ واضح ہوئی کہ رشوت کی گرم بازاری سے سب سے زیادہ معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ جب رشوت کے ذریعے لوگوں میں دوسروں کے حقوق ہڑپ کرنے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اپنی ذاتی اغراض کے استحصال کے لیے رشوت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ عرب میں یہودیوں کے مقدمات کے ان کے علماء اور رئیس فیصلے کرتے تھے۔ چونکہ مال و دولت نے ان میں مختلف طبقات پیدا کر دیئے تھے اس لیے وہ قانون کی ناہمواری کے دل سے خواہش مند رہتے تھے۔ وہ قانون کی زد سے بچنے کے لیے اعلانیہ رشوت دیتے تھے اور ان کے قاضی اعلانیہ رشوت لیتے تھے۔ چنانچہ تورات کے قوانین کی تحریف کا ایک بڑا سبب ان کی رشوت خوری تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

رشوت کا گناہ ہونا چونکہ ایک واضح حقیقت ہے جس سے ہر شخص آشنا ہے عقل اس کی گواہ ہے، نوع انسان اس کی شاہد ہے اور تمام ادیان اس کی مذمت پر متفق ہیں لہٰذا فرمایا: "وانتم تعلمون"

اس آیت کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

""اموالکم" آیت میں اموالکم کا لفظ قرآن کی بلاغت کا ایک عظیم شاہکار ہے، اس میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم کسی دوسرے کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہو تو یہ غور کرو کہ دوسرے شخص کو بھی اپنے مال سے ایسی ہی محبت اور تعلق ہوگا جیسا تمہیں اپنے مال سے ہے۔ اگر وہ تمہارے مال میں ایسا ناجائز تصرف کرتا تو تمہیں جو دکھ پہنچتا اس کا اس وقت بھی ایسا ہی احساس کرو

کہ گویا وہ تمہارا مال ہے۔ اس کے علاوہ اشارہ اس طرف بھی ہوسکتا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کے مال میں کوئی ناجائز تصرف کرتا ہے تو اس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ اگر یہ رسم چل پڑی تو دوسرے بھی اس کے مال میں ایسا ہی تصرف کریں گے۔ اس حیثیت سے کسی شخص کے مال میں ناجائز تصرف درحقیقت اپنے مال میں ناجائز تصرف کے لیے راستہ ہموار کرنا ہے۔ غور کیجیے! اشیائے ضرورت میں ملاوٹ کی رسم چل جائے، کوئی گھی میں تیل یا چربی ملا کر زائد پیسے حاصل کرے تو اس کو جب دودھ خریدنے کی ضرورت پڑے گی دودھ والا اس میں پانی ملا دے گا۔ مسالہ کی ضرورت ہوگی اس میں ملاوٹ ہو گی۔ دوا کی ضرورت ہوگی تو اس میں بھی یہی منظر سامنے آئے گا۔ تو جتنے پیسے ایک شخص نے ملاوٹ کر کے زائد حاصل کر لیے، دوسرا آدمی وہ پیسے اس کی جیب سے نکال لیتا ہے۔ یہ بے وقوف اپنی جگہ پیسوں کی زیادتی شمار کر کے خوش ہوتا ہے مگر انجام نہیں دیکھتا کہ اس کے پاس کیا رہا۔ تو جو کوئی دوسرے کے مال کو غلط طریقے سے حاصل کرتا ہے درحقیقت وہ اپنے مال کے ناجائز تصرف کا دروازہ کھولتا ہے۔'' (معارف القرآن: ۱/۴۰۳)

آیت میں ''مال کھانے'' سے مراد مال کا چھیننا اور اس پر قبضہ جمانا ہے۔ چھیننے کے لیے کھانے کا لفظ اسی لیے استعمال کیا گیا کہ خرچ کیے جانے کی عام اور کرزت سے استعمال کیے جانے کی یہی صورت ہے کہ اس کو کھا لیا جائے، پھر اس لیے بھی کہ کھا لینا زندگی کی اہم اور بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ اور باطل طریقے سے کھانے کا مفہوم یہی ہے کہ حقیقی طریقے کے بجائے غلط طریقے سے اس کو ہڑپ کیا جائے۔ شریعت مال کھانے کے ہر ایسے طریقے کو حرام قرار دیتی ہے جو غیر معتبر ہو اور کسی ناقابل لحاظ چیز کے عوض اس کا لین دین ہوا ہو۔ اور اگر اس طریقہ سے مال کا دینے والا رضا مندی کا جھوٹا مظاہرہ بھی کرے تب بھی اس کا شمار رشوت میں ہوگا۔ اور اگر دینے والے کی رضا شامل نہ

Marfat.com

رہی، یا غیر حقیقی یا غیر مفید جگہ اس کو خرچ کیا کہ اللہ نے اس کا کھانا مباح قرار نہیں دیا، تب بھی اس کا شمار حرام میں ہوگا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر المراغی:۲/۸۰، تفسیر المنار:۲/۱۹۵، تفسیر القرطبی:۲/۳۲۸)

اور اللہ تعالیٰ ''آپس میں ایک دوسرے کا مال'' اس لیے کہا تاکہ امت کی وحدت کا احساس ہو، باہمی تعاون اور مشترکہ ذمہ داری کا تصور عام ہو اور دلوں میں یہ یقین اجاگر ہو کہ غیروں کے مال کا احترام ان کی حفاظت کرنا ایسا ہے جیسے اپنے مال کا احترام کیا اور اس کی حفاظت کی اور اگر دوسرے کے مال پر دست درازی کی یا اس کو غصب کیا تو یہ پوری امت کے مال پر ظلم و زیادتی کے برابر ہوگا اور اس کے اثرات سے وہ خود بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ جتنی بے باکی سے وہ دوسروں کا مال کھائے گا دوسرے اتنا ہی بے ڈر ہو کر اور طاقت پا کر اس کا مال ہڑپ کرنے کے درپے ہوں گے۔ اور حکام کو رشوت کی شکل میں مال دینا انہیں باطل طریقے سے مال کھلانا ہے۔

(تفسیر المراغی:۲/۸۱، المنار:۲/۱۹۵)

"وتدلوا بھا الی الحکام" کی تفسیر یہی ہے کہ حکام کو راہ سے بے راہ کرنے اور انصاف سے ہٹانے کے لیے انہیں مال نہ کھلاؤ اور نہ ہی اپنا کام نکالنے کے لیے انہیں رشوت دو۔ (ایضاً)

Marfat.com

قمار یا سٹہ

احتکار کی دوسری جزئی ''قمار'' ہے۔اس سے مراد جوئے کی وہ عام شکل نہیں جو مال سے کھیلا جاتا ہے بلکہ اس میں جوئے کی وہ تمام صورتیں داخل ہیں جو موجودہ زمانے میں تجارت کے نام پر کھیلی جاتی ہیں مثلاً سٹہ وغیرہ۔ اس کو تجارتی جوا کہا جاتا ہے۔ جو تجارت کے نام پر موجودہ نظام معیشت میں کھیلا جاتا ہے۔ یہ تجارتی جوا ملک کے معاشی نظام کو کس طرح تباہ و برباد اور پراگندہ کرتا ہے کہ آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور بغیر محنت کے نفع حاصل کرنے کے لالچ میں کس طرح ہزاروں گھر خانماں برباد ہو جاتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی اس قسم کی بہت شکلیں رائج تھیں جیسے ملامسہ اور منابذہ وغیرہ۔ اسلام نے اس قسم کی خرید و فروخت کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے بلکہ اس کو میسر اور قمار (جوا) قرار دیا ہے، اور اس قسم کے تمام معاملات کو اسلام ایک با اصول تجارت کے لیے تباہ کن سمجھتا ہے اور سوسائٹی کے اخلاق اور کیریکٹر کے لیے باعث ذلت و رسوائی جانتا ہے۔علاوہ ازیں اس کو معاشرتی تباہی کا پیش خیمہ یقین کرتا ہے۔

اسلام کا ایک اصول ہے کہ مسلمان نہ کسی کو نقصان پہنچائے اور اس کو کوئی نقصان پہنچائے۔ ہر وہ کاروبار اور تجارت اسلام کی نگاہ میں درجۂ جواز سے گری ہوئی ہے جس میں منازعت اور جھگڑے کا اندیشہ ہو۔ سٹے اور قمار و میسر کے معاملات میں اکثر و بیشتر جنگ و جدل کا اندیشہ ہوتا ہے اور اس میں مواسات، رواداری، ہمدردی اور مروت کے جذبات کو تباہ اور دوسرے کی تباہی میں اپنا فائدہ سمجھنے کی ترغیب دے کر جوہر انسانی کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔ احتکار کی یہ دوسری قسم ہے جو اس لیے ممنوع ہے کہ یہ بھی دولت

Marfat.com

اور سرمایہ کو بعض افراد یا گروہ میں مخصوص کر دینے کا باعث بنتی ہیں اور ایک کو تباہ و برباد کر کے دوسرے کے فائدہ کی صورت نکال لیتی ہے۔ یہ ایک ایسا گناہ اور جرم ہے جس کو اسلام بالکل پسند نہیں کرتا، اور اسلام تو کیا یہ انسانیت اور اخلاق کی نگاہ میں بھی ایک بہت بڑا جرم ہے کہ آدمی دوسرے کو تباہ و برباد کر کے اپنے کو بنائے۔ یہ جرم سوسائٹی کی نظر میں بھی ایک ناقابل معافی گناہ ہے۔

سٹہ کیا ہے؟ دراصل سٹہ بیع قبل القبض کا نام ہے یعنی ایک چیز جاپان سے پاکستان میں درآمد ہونے کے لیے چلی ہے۔ اس کے پاکستان پہنچنے سے قبل ہی اس کی کئی ہاتھوں میں خرید و فروخت ہو جاتی ہے۔ یا اسٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) میں مختلف فرموں کے حصص کی خرید و فروخت ہوتی ہے حالانکہ ان کا صرف زبانی زبانی اس پر قبضہ ہوتا ہے۔ اسلام بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اناج (غلہ) خریدے وہ اس کو وزن کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

احسب کل شئی مثلہ

"یعنی میں ہر شے کو اناج پر قیاس کرتا ہوں۔" (مسلم، رقم:۳۷۲۶)

اور اس کی حکمت واضح ہے کہ جب خریدار مبیع پر قبضہ کرے گا تو اس میں بائع کو تصرف کرنے کا امکان ختم ہو جائے گا، ورنہ ہو سکتا ہے کہ فروخت کرنے کے بعد بائع (فروخت کنندہ) کو زیادہ منافع والا کوئی اور گاہک مل جائے اور وہ خریدار کو مبیع پر قبضہ نہ دے اور بیع فسخ کر دے۔ موجودہ زمانے میں بیع قبل القبض سے سٹے کو فروغ ہوتا ہے اور اجناس کی قیمت بھی کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے جس سے صارفین کا استحصال ہوتا ہے جس کی مثال ہم نے جاپان سے درآمد کے سلسلہ میں دی ہے۔ ہمارے ملک میں ہر روز کروڑوں روپے کا سٹے کا کاروبار ہوتا ہے، اور سٹے میں چونکہ کاروباری ساکھ اور کمپنیوں کے لمیٹڈ ہونے کی بنیاد پر صرف کاغذات اور ٹیلی فون پر سونے، روئی وغیرہ کی بیع ہوتی ہے اور عملی طور پر کوئی خرید و فروخت نہیں ہوتی اور نہ مبیع پر قبضہ کیا جاتا ہے، اس لیے شریعت میں یہ کاروبار ناجائز

Marfat.com

ہے۔ سٹے کا یہ کام قمار میں شمار ہوتا ہے اور قمار کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ، قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (بقرہ:۲۱۹)

''لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔''

شراب اور جوا عربوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور عرب شاعروں نے اپنے قصائد میں جوئے اور شراب کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔ عرب لوگ شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے۔ اس غرض سے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو دس ٹکڑوں میں منقسم کرتے اور پھر ان ٹکڑوں پر پانسے ڈال کر لاٹری نکالتے۔ ان پانسوں کی صورت یہ تھی کہ مختلف ناموں سے تیر مقرر کر لیے تھے اور پھر ان میں سے ہر تیر کے مختلف حصے معین کر لیتے تھے۔ وہ جب جوا کھیلتے تو ان کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک منصف شخص کے ہاتھ میں دے دیتے۔ وہ ایک ایک تیر کو ایک ایک نام پر نکالتا۔ جن کے نام وہ تیر نکلتے تھے اور جن جن کے حصے مقرر تھے وہ کامیاب ہوتے تھے۔ اور جن تیروں کا کوئی حصہ نہ ہوتا تھا وہ جن کے نام پر نکلتے وہ ناکام ہوتے۔ اس طرح جو گوشت اکٹھا ہوتا تھا وہ فقیروں، غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے۔ چونکہ یہ فیاضی کے اظہار کا ایک طریقہ تھا، اس لیے قمار بازی کی مجلسوں میں شریک نہ ہونا ایک قومی عار سمجھا جاتا تھا اور اس قسم کے لوگوں کو نہایت بخیل خیال کرتے تھے۔

رفتہ رفتہ اس جوا بازی کا مذاق ان میں اس قدر عام ہو گیا تھا کہ لوگ مال و دولت کھو چکنے کے بعد بیوی اور اولاد پر بازی لگا دیتے۔ یہ قمار بازی اور وہ بھی شراب کی بدمستی میں اکثر مار پیٹ اور لڑائی پر ختم ہوتی۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ عبس اور ذبیان چہل سالہ گھوڑ دوڑ بھی قمار بازی کا نتیجہ تھی۔ حصول دولت اور کسب شہرت کے اس غلط طریقہ سے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے۔ (سیرۃ النبی:۴/)

Marfat.com

حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے اس جوئے اور شراب کے بارے میں فرمایا:

''شراب اور جوئے کے حق میں کئی آیتیں اتری ہیں۔ ہر ایک میں ان کی برائی ظاہر کی گئی ہے۔ آخری سورۃ المائدہ کی آیت میں صاف صاف ممانعت کر دی گئی۔ اب جو چیزیں نشہ لائیں وہ سب حرام ہیں، اور جو شرط بندھی جائے کسی چیز پر جس میں یار جیت ہو وہ محض حرام ہے، اور ایک طرف کی شرط حرام نہیں۔'' (فوائد عثمانی: ص ۴۳)

اس آیت میں ''فیھما اثم کبیر'' میں بڑی گہری معنویت ہے۔ معاشرے میں آج تک جتنے فسادات شراب نوشی سے پیدا ہو چکے ہیں، اظہر من الشّمس ہیں۔ گالیاں یہ بکوائے، بے حیائی یہ پھیلائے، حرام کاری کی طرف یہ بلائے، بلوے اور دنگے فساد یہ کرائے، چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کرے، قتل کی نوبت یہ لے آئے، ہر عبادت سے، طہارت اور پاکیزہ منشی سے یہ روک دے اور قمار بازی کی لائی ہوئی مصیبتیں بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ (تفسیر ماجدی)

اس فقرے کے ذریعے قرآن حکیم نے اصل سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ اس میں بعض رفاہی فائدے بھی ہیں لیکن ان دونوں سے معاشرہ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ ان کے فوائد سے کہیں زیادہ ہے۔ اس وجہ سے اخلاقی بہبود کے نقطۂ نظر سے یہ ناجائز ہیں۔ گویا قرآن حکیم نے اسلامی قانون کا یہاں یہ مزاج بتا دیا کہ جن چیزوں کا نقصان ان کے نفع سے زیادہ ہو، وہ اسلامی قانون میں ممنوع ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں اخلاقی اعتبار سے مضر ہیں اگر ان سے بظاہر کوئی فائدہ لوگوں کو پہنچتا بھی ہو یا پہنچایا بھی جا سکتا ہو جب بھی اس کے ضرر کے پہلو کے غلبہ کی وجہ سے اسلام میں اس سے احتراز واجتناب ضروری ہے، مثلاً ہو سکتا ہے کہ کسی جگہ لوگ لاٹری ڈالیں تاکہ اس کی آمدنی سے ایک شاندار مسجد تعمیر کی جائے، یا ایک امدادی شو منعقد کریں تاکہ ان کے ٹکٹ فروخت کر کے کسی مصیبت زدہ علاقے کے مسلمانوں کی مدد کی جا سکے۔ بظاہر یہ کام نیکی اور خدمت خلق کے ہیں لیکن اسلام اس قسم کی نیکی کے جواز کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اس نیکی کے پردے میں جو بدی پرورش پاتی ہے، یا اس مصلحت کی آغوش میں جو مقاصد پروان چڑھ رہے ہیں، ان کا

Marfat.com

وزن مصلحت اور نیکی سے کہیں زیادہ ہے۔ ہمارے فقہاء اور قانون دان طبقہ نے اسی کو "درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ مفاسد کی حیثیت فقہاء کی نظر میں وبا کی ہے۔ وبا کو دور کرنے کا بہر حال بندوبست کیا جائے گا خواہ اس کے نتیجہ میں کچھ مصالح اور منافع خطرے میں پڑ جائیں۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے منہیات سے روکنے کا زیادہ اہتمام کیا ہے اور اسی پر فقہاء نے منشیات کی تجارت پر قدغن قائم کی ہے خواہ اس میں تجارتی منافع موجود ہو، اور اسی لیے کسی مالک مکان کو ایسی جگہ کھڑکی وغیرہ رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی، جہاں سے پڑوسیوں کی مستورات پر نظر پڑتی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں سرے سے مضر ہی مضر اور ہر طرح کے نفع اور مصلحت سے خالی کوئی شے نہیں، مثلاً شراب سے بعض بیماریوں کا علاج ہو سکتا ہے۔ بعض شرابیں خوشبو رکھتی ہیں، شراب سے فوری لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ بعض قوتوں میں عارضی طور پر تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جوئے میں جو جیتتا ہے اسے بلا مشقت وتعب تھوڑی سی دیر میں آمدنی ہو جاتی ہے۔ قرآن نے یہاں شراب اور جوئے کے جن منافع کا ذکر کیا ہے وہ ان کی عادی اور طبی فوائد ہیں جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کا خیال ہے۔ ہمارے نزدیک ان کی یہ بات درست نہیں ہے بلکہ یہ دراصل ان فوائد کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت کی عرب سوسائٹی میں مخصوص روایات کی بنا پر پائے جاتے تھے یعنی شراب پی کر جوا کھیلنا اور جوئے کے نتیجہ میں جو کچھ یافت ہو اسے غریبوں میں تقسیم کر دینا۔ یہ ان کے ہاں بڑی اونچی بات تھی اور اسے کمالات میں شمار کیا جاتا تھا۔ قرآن حکیم یہاں انہی رفاہی فوائد کی طرف اشارہ کر رہا ہے ورنہ قرآن حکیم کو اشیاء و اعمال کے طبی اور مادی فوائد سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ قرآنی بلاغت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اگر طبی اور مادی فوائد قرآن حکیم کے پیش نظر ہوتے تو آیت میں نفع کا مقابلہ "اثم" سے نہیں بلکہ "ضرر" سے ہوتا۔ "اثم" کا لفظ طبی نقصانات کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ اخلاقی مقاصد اور گناہوں کے لیے آتا ہے۔ اگر شراب کے طبی نفع کی ہدایت پیش نظر ہوتی تو نفع کے مقابلہ میں "ضرر" آتا "اثم" نہ آتا۔

اس آیت کے علاوہ قرآن حکیم میں سورۃ المائدہ میں فرمایا:

Marfat.com

''بے شک شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب سرتا سر نجاست اور کارِ شیطان ہیں، پس تم ان سے بچو۔'' (المائدہ:۹۰)

قمار بازی جن میں لاکھوں اور کروڑوں کی دولت لوگوں کو اس طرح مل جاتی ہے کہ ملک کے کسی باشندے کو اس کے معاوضہ میں کچھ نہیں ملتا۔ جوئے میں جتنے غصہ اور غیظ وغضب سے بھرے ہوئے دل سے مال دیا جاتا ہے شاید اتنا غصہ اور اتنا غیظ اور غصہ تو چور اور ڈاکو پر بھی اس کو نہیں ہوتا جس کا مال چوری ہو جاتا ہے۔

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے جوا کے معاملات کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حق تعالیٰ شانہ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا اور اس کرۂ اغبر پر ان کی معاش کا انتظام فرمایا اور ان سے فائدہ اور نفع حاصل کرنے کا ان کو موقع فراہم کیا تو انسانوں کے درمیان جنگ وجدل اور کش مکش برپا ہو گئی۔ تب حق تعالیٰ شانہ کے قانون کا یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص ذاتی محنت، وراثت یا دوسرے کسی جائز اور صحیح طریق سے کسی شے کا مالک ہے، اس کی چیز میں دوسرا کوئی شخص مزاحمت اور کش مکش کا حق دار نہیں ہے، البتہ دوسرے کو بدل کے ذریعہ خریداری اور معتبر وصحیح رضا مندی کے ساتھ معاملہ سے اس شے کو حاصل کرنے کا حق ہے بشرطیکہ خرید وفروخت کرنے والوں کے درمیان اس معاملہ کا علم ویقین ہو، اور فریب، چال بازی اور دھوکہ دہی کا اس میں کوئی شائبہ نہ ہو، اور جب کہ انسان مدنی الطبع ہے اور اس کی معیشت باہمی تعاون کے بغیر ناممکن ہے تو اللہ تعالیٰ نے باہمی تعاون کو بھی ضروری قرار دیا۔ پس اگر کوئی معاملہ اس طرح کیا جائے جس میں صحیح بدل موجود ہو اور نہ ہی باہمی تعاون پایا جاتا ہو بلکہ دوسرے کو نقصان دے کر نفع حاصل کرنا مقصود ہو جیسے قمار (جوا)، یا اس میں صحیح رضا مندی موجود نہ ہو جیسے سود، تو یہ تمام طریقے باطل اور ظلم ہیں اور ایسے معاملات ناجائز اور حرام ہیں۔'' (حجۃ اللہ البالغہ:۲/۱۰۳)

ایک اور مقام پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''جوئے میں لوگوں کے مال کو اس طرح اچک لیا جاتا ہے کہ اس میں بالکلیہ جہالت، حرص اور جھوٹی آرزوؤں کے ہاتھوں آدمی گرفتار ہو جاتا ہے اور دھوکہ گاڑی پر سوار ہو کر اس میدان میں کودتا ہے اور حرص اور غلط آرزو وغیرہ اس کو ان شرائط کے مان لینے پر آمادہ کر دیتی ہیں جنہیں نہ شہری زندگی کی تعمیر میں اور نہ باہمی امداد و تعاون میں دخل ہے۔ ہارنے والا اگر ہارنے کے بعد خاموش ہوتا ہے تو اس کی یہ خاموشی غصہ اور ایسی ناکامی و نامرادی کی چنگاریوں پر ہوتی ہے جن میں بالا رادہ گیا تھا۔ یوں ہی جیتنے والا اپنی جیت سے لذت اندوز ہوتا ہے اور اس کا کاروبار اور اس کی چھوٹی مقدار بڑی مقدار کو دعوت دیتی ہے، اور اس کی حرص اس فعل سے باز آنے کی اجازت نہیں دیتی۔ بالآخر کچھ ہی دنوں کے بعد اس کا تاوان خود ہی اس کے سر پر مسلط ہو جاتا ہے۔

''اگر کسی ملک کے باشندوں میں لین دین کی اس عادت بد کا رواج پیدا ہو جاتا ہے تو بالآخر اس کا نتیجہ ملک کی دولت عامہ کے نظام میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے، اور باہم ایک طویل جھگڑوں کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور حصول معاش کے جو صحیح اور مطلوب ذرائع ہیں ان کے دروازے بند ہونے لگتے ہیں۔ لوگ باہمی امداد و اعانت سے بے پروا ہو جاتے ہیں جس پر تمدن کی بنیاد قائم ہے۔''

''دوسروں کی خبر سے خود معائنہ اور مشاہدہ تمہیں بے نیاز کر سکتا ہے۔ آخر جواریوں میں تم نے ان امور کے سوا جن کا میں نے ذکر کیا ہے، کبھی کسی اور چیز کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔''

بہر حال ملک کی معاشی قوتوں کا ایک بڑا حصہ موجودہ نظام معیشت میں قمار کے ذریعے ضائع ہو جاتا ہے، اس لیے اسلام نے صرف قمار کی حقیقی شکلوں کو ہی نہیں بلکہ جن معاملات میں تھوڑا بہت بھی قمار بازی رنگ پایا جاتا ہے جیسے سٹہ وغیرہ ان کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اس باب میں یورپ نے اسلام کے قانون سے باغی ہو کر

Marfat.com

اپنے ہاتھوں اپنا جو حال کیا ہے اور کر رہا ہے، وہ ظاہر ہے۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے کتنے واقعات قمار بازی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ پھر مالی ابتری کا اندازہ اس سے کیجیے کہ یورپ کی پہلی جنگ عظیم سے اکیلے انگلستان سے متعلق تخمینہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم اپنے مالکوں کے قبضہ سے نکل کر جواریوں کے ہاتھ میں پہنچتی ہے۔ یہ تخمینہ یورپ کے صرف ایک ملک اور ایک چھوٹے سے رقبہ سے متعلق تھا اور وہ بھی جنگ عظیم سے قبل کا۔ یورپ کے کل ملکوں اور امریکہ کی ساری ولایتوں کی مجموعی تباہ کاریوں کے جدید ترین تخمینہ کے لیے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حساب کے کن ہندسوں تک میزان پہنچے۔ رہیں قانون وقت کی ناکام کوششیں تو انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن کے اسی مقالہ میں ہے کہ قانون اس میں کمی پیدا کرنے کی اپنی والی سب ہی کوششیں کر رہا ہے، بجز اسے قطعی ممنوع کرنے کی ناممکن کوشش کی۔ یہ حوصلہ اسلام ہی کا تھا کہ اس نے عقلائے فرنگ کی اس ناممکن کوشش کو اپنی حدود میں ممکن ہی نہیں بلکہ واقعہ بنا کر دکھا دیا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کے معاشی نظام میں اس قسم کے تمام تجارتی کاروبار کے لیے مطلق کوئی گنجائش نہیں جو صریحاً قمار اور جوا ہوں یا ان کی تہ میں مالی بڑھوتری کا وہی جذبہ کارفرما ہو جو قمار میں پایا جاتا ہے۔ اور اگر اقتصادی، معاشی اور اخلاقی ماہرین سے اس بارے میں دریافت کیا جائے تو وہ بھی کسی اختلاف کے بغیر متفقہ طور پر یہی رائے دیں گے بلکہ یہ رائے دے چکے ہیں کہ "قمار" کی قسم کے تمام معاملات ہماری اجتماعی زندگی اور ہماری سوسائٹی کے لیے تباہ کن ہیں۔ احتکار کی یہ دوسری قسم ہے جو اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممنوع قرار دی ہے کہ اس میں بھی دولت اور سرمایہ کو بعض افراد یا گروہ میں سمٹا دیا جاتا ہے اور ایک فریق تباہ و برباد ہو جاتا ہے جبکہ دوسرا مال کی بڑھوتری کے باعث عیش و عشرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس میں گھوڑوں کی ریسیں، سٹہ، لاٹری اور اس قسم کے جوئے کی سب قسمیں شامل ہیں۔

موجودہ زمانے میں ہر قسم کی لاٹری بھی قمار میں داخل ہے جس کی سینکڑوں صورتیں بازاروں اور کارخانوں میں رائج ہیں۔ آج کل وبا کی طرح قمار کی ایک صورت معمول کی شکل میں عام ہو گئی ہے جو حل معمہ کے عنوان سے بہت سے اخبارات اور ماہوار

رسالوں کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ معمہ کی مختلف صورتیں لکھ کر اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کا کوئی حل کر کے روانہ کرے اور اس کے ساتھ اتنی فیس روانہ کرے تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے ان میں اس شخص کو اتنا مال دیا جائے گا جس کا نام لاٹری یا قرعہ اندازی کے ذریعہ نکل آئے۔ یہ بھی قمار کی ایک صورت ہے اور شرعی طور پر ناجائز ہے۔

بعض شہروں میں بچے بادام، اخروٹ یا کانچ کی گولیاں وغیرہ سے ہار جیت کرتے ہیں اور اس پر شرطیں لگاتے ہیں۔ یہ بھی قمار وغیرہ میں داخل ہے۔ آج کل تو ہر شے پر یہاں تک کہ کرکٹ اور دوسرے کھیلوں پر بھی دنیا بھر میں شرطیں لگائی جاتی ہیں یہاں تک کہ بعض شہروں میں کنکوے اڑا کر پیسوں کی ہار جیت کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ اسی طرح سٹہ بازی کا سارا کاروبار قمار ہی ہے اور قرآن کی نص کے مطابق حرام ہے۔ اس کاروبار میں کسی قسم کی اعانت بھی حرام ہے۔ بیمہ کے کاروبار کو امداد باہمی کا نام دے کر جائز قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہ مروجہ صورتیں جتنی ہمارے علم میں ہیں، سود اور قمار سے خالی نہیں، اس لیے حرام ہیں۔

سورۃ المائدہ کی آیت 80 میں جوئے کو شراب، بت پرستی اور تیروں سے فال نکالنے کو ناپاک اور شیطانی کام بتایا گیا اور ساتھ ہی اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی تاکہ تم کامیابی پاؤ۔ کیونکہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تم میں دشمنی اور بغض ڈالے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکے تو کیا تم باز آنے والے ہو۔

آیت میں شراب کے ساتھ جوئے کو بھی حرام قرار دیا گیا۔ المنجد میں قمار کا مطلب ہے: ''وہ کھیل جس میں شرط لگائی جائے کہ غالب مغلوب سے کوئی چیز لے لے گا خواہ وہ چاندی ہو یا کوئی اور شے۔'' (المنجد: ص ۶۵۲)

سید شریف جرجانی لکھتے ہیں کہ ''ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دے دی جائے گی، قمار یا جوا ہے۔'' (التعریفات: ص ۷۷)

اور مشہور حنفی فقیہ فرماتے ہیں:

''قمار'' قمر سے مشتق ہے جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ، اور جوئے کو ''قمار'' اس لیے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو

Marfat.com

دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے۔ اور یہ نص قرآنی سے حرام ہے۔ اگر شرط صرف ایک جانب سے لگائی گئی ہو تو یہ جائز ہے یہ جوا نہیں۔'' (ردالمختار شامی: ۵/ ۲۵۸)

ایسا ہی علامہ ابوبکر جصاص نے لکھا ہے کہ اہل علم کا جوئے کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باہم شرط لگانا بھی حرام ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں شرط لگانا ان کے ہاں جائز تھا۔ وہ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے۔ بعد میں اسلام نے اسے حرام قرار دے دیا۔ (احکام القرآن: ۱/ ۳۲۹)

نرد، شطرنج، گھوڑ دوڑ اور لاٹری یہ مختلف کھیلوں وغیرہ کے نام ہیں۔ لوگ ان میں پیسہ لگاتے ہیں اور یہ جوا ہوتا ہے اور شریعت میں ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھانا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (البقرہ: ۱۸۸)

''اور ایک دوسرے کا مال ناحق طریق سے نہ کھاؤ۔''

اور یہ عمل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی میں داخل ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((ان رجالاً یتخوضون فی مال لله بغیر حق فلهم النار یوم القیامة)) (رواہ البخاری، رقم: ۳۱۱۸، مسند احمد: ۶/ ۴۱۰)

''بے شک کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے مال میں ناحق طور پر داخل ہوتے ہیں۔ پس قیامت میں ان کے لیے عذاب ہے۔''

اور بخاری ہی میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من قال لصاحبه تعال اقامرک فلیتصدق))

''جو شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اسے صدقہ کرنا چاہیے۔''

(رواہ البخاری، رقم: ۴۸۶۰، ۴۳۰۱، مسلم، رقم: ۱۶۴۷ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

پس جب محض قول سے کفارہ یا صدقہ واجب ہو جاتا ہے تو کر گزرنے کی سزا کیا ہوگی؟ لہٰذا اس سے بدرجہ اولیٰ اجتناب ضروری ہے۔

Marfat.com

موجودہ زمانے میں معمہ اور لاٹری وغیرہ کا عام رواج ہو گیا ہے اور ٹیلی ویژن اور پرنٹ میڈیا پر اس کی اس قدر تشہیر کی جاتی ہے کہ اب لوگوں کے ذہنوں سے اس کے گناہ ہونے کا تصور ہی ختم ہو گیا ہے۔ جب قوموں کے ذہن برائی کو اچھائی اور گناہ کو نیکی سمجھنا شروع کر دیں تو سمجھ لیں کہ وہ تباہی کے آخری دہانے پر پہنچی ہوئی ہے۔ اقبال مرحوم نے اسی لیے فرمایا ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
اور کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

جب احساس زیاں چلا جائے تو پھر تلافی مافات کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ اسی احساس زیاں کے ختم ہونے کے نتیجہ میں معمہ اور لاٹری وغیرہ کا عام رواج ہو گیا ہے اور ہماری نوجوان نسل اس میں بری طرح منہمک ہو گئی ہے۔ معمہ میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ فیس ادا کر کے لوگ اس معمے کو حل کرتے ہیں اور پھر قسمت آزمائی کے لیے صاحب معمہ کو بھیج دیتے ہیں۔ اس معمے کے اگرچہ بہت سے حل ہو سکتے ہیں لیکن صحیح اور معتبر حل وہی مانا جاتا ہے اور انعام بھی اسی کو ملتا ہے جو صاحب معمہ کے حل کے مطابق ہو۔ مختلف لوگ بڑی بڑی فیسیں صاحب معمہ کو بھیجتے ہیں جس سے ایک بہت بڑی رقم اس کے پاس جمع ہو جاتی ہے، اس میں سے چوتھائی رقم یا اس سے کم و بیش وہ اس شخص کو دیتا ہے جس کا معمہ اس کے معمہ کے مطابق صحیح ہو۔ یہ صحیح حل کسی معقول کوشش کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اتفاق سے درست ہوتا ہے۔ چونکہ معمہ میں بھی تملیک کا مدار رسک (Risk) پر ہے۔ اس لیے یہ بھی میسر اور قمار ہے اور نگاہ شریعت میں ناجائز اور حرام ہے۔

اس طرح لاٹری بھی جوا ہے کیونکہ لاٹری میں بڑے بڑے انعامات کا لالچ دے کر لاکھوں ٹکٹ فروخت کیے جاتے ہیں جس سے کروڑوں روپیہ اکٹھا ہو جاتا ہے، آج کل ریفل ٹکٹ اور غریب اور ناداروں کی مدد کے لیے مختلف اداروں کی طرف سے جو انعامی ٹکٹ فروخت ہوتے ہیں، یہ سب نگاہ شریعت میں جوا ہے، اور لاٹری کے ٹکٹ خرید کر مریضوں اور ناداروں کی مدد کرنا گناہ ہے۔ ان انعامات کی تقسیم کا مدار حقوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جاتا ہے، یہ ناجائز

ہے۔ گھوڑ دوڑ، سائیکل ریس، موٹر ریس، بین الاقوامی کھیلوں میں ہار جیت پر جانبین پر شرط لگانا، اسی طرح کسی بھی اتفاقی امر پر جانبین سے شرط لگانا صراحتاً جوا اور قمار ہے جو شریعت میں ناجائز اور حرام ہے۔

جیسا کہ علماء نے لکھا ہے کہ جوا کا نام قمار بھی ہے اور قرآن حکیم میں اس کا نام ''میسر'' بھی آیا ہے۔ (المائدہ: ۹۰) جوئے کو میسر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں ہارنے والا جیتنے والے کو ایک معین اور پہلے سے طے شدہ رقم ادا کرتا ہے۔ ''میسر'' یسر سے مشتق ہے اور ''یسر'' کا معنی ہے آسانی۔ اس میں جوئے کے ذریعے جیتنے والے فریق کو ہارنے والے فریق کی رقم آسانی سے مل جاتی ہے، اس لیے اس کو میسر کہتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ بغیر کسی عوض کی شرط کے مقابلہ میں حصہ لینا مطلقاً جائز ہے، خواہ کوئی ریس ہو، ٹورنامنٹ ہو، گھوڑوں یا ہاتھیوں کا مقابلہ ہو، اسی طرح کشتی لڑنا بھی جائز ہے اور بھگدر اور پتھر اٹھانا اور ویٹ لفٹنگ بھی جائز ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے پاس سے گزرے جو پتھر اٹھا کر طاقت آزمائی کر رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں منع نہیں فرمایا۔ (المغنی لابن قدامہ: ۹/۳۶۸)

ہر قمار والا کھیل حرام ہے:

علماء نے لکھا ہے کہ ہر وہ کھیل جس میں جوا ہو وہ حرام ہے، اور جس کھیل میں کسی بھی جانب سے کسی عوض کی شرط نہ ہو ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح۔ چنانچہ چوسر اور شطرنج حرام ہے کیونکہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے نردشیر (چوسر) کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔ اور سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس نے نردشیر (چوسر) کھیلا اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے خون اور گوشت میں رنگ لیے۔'' (رواہ احمد فی مسندہ: ۳۶۵۲/۵، مسلم، رقم: ۲۲۶۰، عن بریدہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص نردشیر سے

Marfat.com

کھیلتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے۔"

(رواہ احمد: ۳/۳۷۹، ابوداؤد، رقم: ۴۹۳۸، ابن ماجہ: ۳۷۶۲)

اس وجہ سے سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ جب کبھی چوسر کھیلنے والوں کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام نہیں کرتے تھے۔

ان دلائل کی روشنی میں جو شخص بار بار نردشیر (چوسر) کھیلے اس کی گواہی مقبول نہیں ہے خواہ وہ جوئے ساتھ کھیلے یا بغیر جوئے کے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر مذہب ہے۔ اسی طرح شطرنج بھی چوسر کی طرح حرام ہے البتہ چوسر کی حرمت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس کی حرمت میں صریح نص موجود ہے۔ اور شطرنج کو چوسر پر قیاس کر کے حرام قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ، سیدنا باقر رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شطرنج حرام ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ۱۰/۱۷۱)

اسی طرح درمختار میں ہے کہ "شطرنج کھیلنا بالاجماع حرام ہے۔"

(درمختار علی ہامش ردالمختار: ۵/۲۵۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شطرنج عجمیوں کا جوا ہے۔ آپ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو شطرنج کھیل رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "یہ بت کیا ہے جس پر تم لوگ جھکے ہوئے ہو؟" اگر تم میں سے کوئی ایک آگ کا انگارہ ہاتھ میں لے حتیٰ کہ وہ بجھ جائے تو اس شخص سے وہ بہتر ہے۔" (رواہ البیہقی فی شعب رقم: ۶۵۱۸، سنن کبریٰ بیہقی: ۱۰/۲۱۲)

پھر فرمایا: "اللہ کی قسم! تمہیں اس کے علاوہ مقاصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شطرنج کھیلنے والا سب سے جھوٹا شخص ہے۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: "میں نے قتل کر دیا۔" حالانکہ اس نے قتل نہیں کیا۔ اور وہ کہتا ہے: "مر گیا" حالانکہ وہ نہیں مرا۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لایلعب الشطرنج الا خاطی. (رواہ البیہقی فی الشعب: ۵/۲۴۱، سنن بیہقی: ۱۰/۲۱۲)

"شطرنج وہی کھیلتا ہے جو خطا کار ہو۔"

Marfat.com

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے شطرنج کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
''شطرنج نرد ہی کا حصہ ہے۔''
(رواہ البیہقی فی السنن: ۹/ ۲۱۲، ۳ وابن ابی الدنیا فی ذم الہویٰ: ۱۰۱ وسندہ صحیح)

ابوبکر اثرم اپنی جامع میں سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہر روز اپنی مخلوق کی طرف تین سو ساٹھ بار نظر فرماتا ہے لیکن ''شاہ والے'' کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں۔ اس سے مراد شطرنج ہے کیونکہ شطرنج والا کہتا ہے: ''بادشاہ مر گیا۔''

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص حالت نزع میں ہوتا ہے تو اس کے وہ ساتھی جن کے ساتھ وہ اٹھتا بیٹھتا ہے، ان کی مثالی شکلیں پیش کی جاتی ہیں۔ ایک شخص کی موت کا وقت آیا۔ وہ شطرنج کا کھلاڑی تھا۔ اس سے کہا گیا؟ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھو اس نے کہا: ''شاھک'' تیرا بادشاہ۔ پھر وہ مر گیا، تو اس کی زبان پر وہ بات غالب ہوئی جس کی اسے زندگی میں کھیل کے سلسلہ میں عادت تھی۔ پس اس نے کلمہ طیبہ کے بجائے ''شاھک'' کا لفظ بولا۔

یہ اسی طرح ہے جیسے کسی دوسرے شخص کے بارے میں بتایا جاتا ہے جو شراب کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا اور ایک شخص نے آ کر اسے کلمہ شہادت کی تلقین کی تو اس کے جواب میں اس نے کہا: ''پیو اور مجھے بھی پلاؤ۔'' پھر وہ مر گیا تو نیکی کرنے کی قوت اور برائی سے بچنے کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ انسان جس بات پر زندہ رہتا ہے اسی پر مرتا ہے اور جس پر مرتا ہے اسی پر اٹھایا جائے گا۔ (یموت کل انسان علی ماعاش ویبعث علی مامات علیہ)

(رواہ احمد: ۳/ ۳۳۱، ۳۶۶، مسلم، رقم: ۲۸۷۸ عن جابر بلفظ یبعث کل عبد علی مامات علیہ)

Marfat.com

تجارت

رزق حلال کا ایک بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے لیکن آج کل تجارت میں رزق حلال بہت مشکل سے ملتا ہے کیونکہ یہ تجارت کسی اصول کی پابند نہیں۔ اسلام نے تجارت کے لیے چند بنیادی اصول وضع کیے ہیں اور ایک تاجر کو اس کا پابند بنانے کی پوری پوری کوشش کی ہے کیونکہ دنیا میں ہر شے چند بنیادی اصولوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اسلام نے ایک تاجر کو جن اصولوں کا پابند بنایا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(1) تجارت کا جواز چونکہ باہمی تعاون پر مبنی ہے لہٰذا تجارت کے تمام معاملات میں جانبین سے تعاون کا وجود ضروری ہے یعنی یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ایک فریق کی طرف سے تعاون ہو اور دوسرے کی طرف سے تعاون نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو فریقوں میں سے ایک کا زیادہ سے زیادہ نفع اور دوسرے کا زیادہ سے زیادہ نقصان ہو۔

ارشاد خداوندی ہے:

"بھلائی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور ظلم پر کسی کے ساتھ ہرگز تعاون نہ کرو۔" (المائدہ)

(2) تجارت میں جانبین سے حقیقی رضا کا وجود ضروری ہے۔ اضطراری رضا معتبر نہیں ہے۔ یعنی یہ نہ ہو کہ ایک شخص تو برضا و رغبت اس معاملہ کے لیے آمادہ ہو اور دوسرا برضا و رغبت اس معاملہ کے لیے آمادہ نہ ہو مگر اس کی اضطراری کیفیت اس کی رضا کی قائم مقام بن گئی ہو جب کہ قرآن حکیم نے دونوں کی

Marfat.com

رضا مندی کی شرط عائد کی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (النساء:۲۹)

''اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریق سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت سے باہمی رضا مندی کے ساتھ معاملہ ہو۔''

اہل معاملہ معاملہ کی اہلیت بھی رکھتے ہوں یعنی عاقل، بالغ یا ممیز اور آزاد ہوں، مجبور، مجنون اور مکروہ نہ ہوں کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم و عن المجنون حتى يعقل))

(مسند احمد:۶/۱۰۰، نیل الاوطار:۱/۳۲۳)

یہ حدیث الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ ابوداؤد وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

ایک اور روایت ہے:

((نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر))

(ابوداؤد)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبردستی اور جبر کی بیع سے منع فرمایا۔''

کسی معاملہ میں جانبین میں سے کسی ایک جانب میں حقیقی رضا مندی نہ پائی جاتی ہو بلکہ جبری اور اضطراری رضا ہو مثلاً سود یا کسی مزدور کی اس محنت کے مقابلہ میں غیر واجبی اجرت۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جبری اور اضطراری رضا کو اسلامی نقطۂ نظر سے غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

اس لیے کہ ''مفلس'' مضطر اور مجبور ہوتا ہے کہ جس شے کے پورا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس کو اپنی بے چارگی کی وجہ سے اپنے ذمہ واجب کر لیتا ہے، اور یہ رضا ہرگز حقیقی رضا نہیں ہے۔ پس سود جیسا معاملہ نہ پسندیدہ معاملات

Marfat.com

میں سے ہے اور نہ کاروبار کے صالح اور درست معاملات میں سے ہے، اور بلا شک وشبہ یہ معاملہ باطل اور ظلم ہے۔ (وانما ھو باطل وسحت)

(حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۱۰۳)

(3) تجارت کے معاملہ میں کسی قسم کا دھوکہ، بددیانتی، خیانت، ضرر، نقصان اور معصیت کا عمل دخل نہ ہو اور نہ ہی ان اشیاء کا کاروبار ہو جن کا استعمال شریعت اسلامی نے ناجائز، معصیت اور حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن الجزائری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہترین کسب بیع مبرور ہے اور آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی کمانا۔''

اور بیع مبرور ایسی بیع وشراء کو کہتے ہیں جس میں متعاقدین ایک دوسرے سے بھلائی اور تعاون کا معاملہ کریں یعنی نہ اس میں دھوکہ ہو نہ خیانت اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت لازم آتی ہو۔'' (کتاب الفقہ: ۲/۲۰۲)

پھر ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لاضرر ولا ضرار))

''نہ نقصان اٹھانا اور نہ نقصان پہنچانا۔''

بیع کی تعریف:

قبل اس کے کہ ہم بیع وشراء اور خرید وفروخت پر مزید بحث کریں اور اس کی باطل اور فاسد صورتوں کو بیان کریں، یہ جاننا ضروری ہے کہ بیع کے لغوی معنی اور شرعی معنی کیا ہیں تاکہ پتہ چل جائے کہ بیع ہے کیا؟ علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ قیمت والی شے کو دے کر اس کی قیمت لے لینا بیع ہے اور خریدنے اور فروخت کرنے دونوں پر بیع کا اطلاق ہوتا ہے۔ (گویا بیع لغت اضداد میں سے ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((لایبعن احدکم علٰی بیع اخیہ))

Marfat.com

"یعنی کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع کو نہ خریدے۔"
یہاں خریدنے پر بیع کا اطلاق کیا گیا ہے۔ (المفردات: ص ٦٧)
علامہ ابن نجیم مصباح کے حوالے سے بیع کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک چیز کے بدلہ میں دوسری چیز دینا عام ازیں کہ وہ مال ہو یا مال نہ ہو جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے: "وشروہ بثمن بخس دراھم معدودۃ" (یوسف: ٢٠) یعنی انہوں نے یوسف علیہ السلام کو معدودے چند درہموں کے عوض فروخت کر ڈالا، حالانکہ سیدنا یوسف علیہ السلام آزاد شخص تھے "مال" نہ تھے۔ ہر چند کہ لغت میں بیع کا اطلاق خریدنے اور بیچنے دونوں پر ہوتا ہے لیکن بائع کا متبادر بیچنے والا ہے۔" (البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ٥/٢٥٦)

بیع کے شرعی معنی کے بارے میں ابن نجیم لکھتے ہیں کہ صاحب کنز الدقائق علامہ نسفی نے لکھا ہے کہ "البیع مبادلۃ المال بالمال بالتراضی" یعنی باہمی رضا مندی کے ساتھ مال کے بدلہ میں مال دینے کو بیع کہتے ہیں۔ اور الکشف الکبیر میں لکھا ہے کہ جس شے کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس کو ضرورت کے وقت ذخیرہ کیا جا سکے، اس کو مال کہتے ہیں۔ کسی شے کا مال ہونا اس وقت ثابت ہوتا ہے جب عرف میں اس کی کوئی قیمت ہو اور جس چیز سے بغیر قیمت کے نفع حاصل کرنا مباح ہو (جیسے گندم کا ایک دانہ) وہ مال نہیں ہے۔ علامہ کاسانی کی بدائع الصنائع میں ہے کہ کسی مرغوب چیز کا دوسری مرغوب چیز سے تبادلہ اگر قولاً ہو تو ایجاب وقبول بیع ہے، اور اگر فعلاً ہو تو یہ بیع تعاطی ہے۔
(البحر الرائق: ٥/٢٥٦)

اسلام میں چند ناجائز بیع:

اسلام میں بعض بیع ایسی ہیں جن کو شریعت میں منع کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

Marfat.com

(1) بیع ملامسہ اور منابذہ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم، رقم: ۳۶۹۱)

ملامسہ کی تعریف علامہ نووی نے یہ کی ہے کہ کوئی شخص تاریکی اور اندھیرے میں کپڑا لائے یا لپٹا ہوا کپڑا لائے اور خریدار سے یہ کہے کہ میں یہ کپڑا تم کو اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ جب تم اس کو ہاتھ لگا دو گے تو تمہارا اس کو چھونا اس کے دیکھنے کے قائم مقام ہوگا اور بعد میں تمہیں اس کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ دوسری تعریف اس کی یہ ہے کہ صرف چھونے سے بیع لازم ہو جائے۔ فروخت کرنے والا مشتری سے کہے: جب تم نے اس کو چھولیا تو بیع واجب ہو جائے گی۔

احناف کے نزدیک بیع ملامسہ کی تعریف یہ ہے کہ فروخت کرنے والا کہے کہ میں تم کو یہ چیز اتنے پیسوں کے عوض فروخت کرتا ہوں جب تم اس چیز کو چھولو گے تو بیع واجب ہو جائے گی، یا مشتری اسی طرح کہے۔ (عمدۃ القاری للعینی: ۱۱/۲۶۶)

اور بیع منابذہ کی تعریف یہ ہے کہ بائع اور مشتری کسی شے کی قیمت پر راضی ہو جائیں اور بائع یہ کہے کہ جب میں یہ چیز تمہارے پاس پھینک دوں گا تو بیع لازم ہو جائے گی اور تمہیں اس کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ (عنایہ علی ہامش فتح القدیر: ۶/۵۵)

ان دونوں کے ناجائز ہونے کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ غائب چیز کی بیع جائز ہے اور اس میں مشتری کو دیکھنے کے بعد اس کو مسترد کرنے کا اختیار ہے خواہ وہ بیان کردہ اوصاف کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ اس بیع کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب مشتری سودے کو نہیں دیکھے گا تو اس بیع میں دھوکا ہوگا اور قمار یعنی جوئے کے مترادف ہے۔ (عمدۃ القاری: ۱/۲۶۷)

(2) کنکری پھینکنے والی اور دھوکہ کی بیع:

زمانہ جاہلیت میں بیع کا ایک طریقہ یہ تھا کہ بائع کے پاس مثلاً کپڑوں کا ایک ڈھیر ہو اور بائع اور مشتری جب متفق ہو جائیں تو مشتری جس کپڑے پر بھی کنکری رکھ

Marfat.com

دے اور اس کپڑے کو دیکھے اور جانچے بغیر اس کی بیع واجب ہو جاتی تھی اور فریقین کو اس کے رد کرنے کا کوئی اختیار نہ ہوتا تھا۔ (ہدایہ مع فتح القدیر:۶/۵۵)

اسی طرح دھوکہ کی بیع کا معاملہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو یہ کہے کہ میرے جال میں جتنی مچھلیاں آئیں گی وہ اتنے کی ہوں گی۔ یہ دھوکے کی بیع کہلاتی ہے کیونکہ کوئی علم نہیں کہ اس کے جال میں مچھلیاں آتی بھی ہیں یا نہیں؟ یا پھر کتنی آتی ہیں۔ یا یہ کہے کہ اس گائے کے تھنوں میں جو دودھ ہے وہ اتنے کا ہے۔ یہ دھوکے کی بیع ہے۔ یہ اسلام میں جائز نہیں کیونکہ اس کی مقدار مجہول ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری پھینکنے کی بیع اور دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

(مسلم، رقم:۳۶۹۸)

بیع پر بیع کرنا:

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع پر بیع کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لایبیع بعضکم علیٰ بیع بعض)) (مسلم، حدیث:۳۷۰۱)

"تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔"

ایک اور روایت میں فرمایا: "کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے مگر یہ کہ وہ اجازت دے دے۔

(مسلم، رقم:۳۷۰۲)

ایک اور روایت میں جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لایسم المسلم علیٰ سوم المسلم)) (مسلم، رقم:۳۷۰۳)

"کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے نرخ کرتے وقت نرخ نہ کرے۔"

بیع پر بیع کرنے کی ممانعت جو حدیث میں آئی ہے کہ کسی شخص نے مدت خیار میں کوئی چیز خریدی۔ اب اس میں کوئی شخص کہے کہ اس بیع کو فسخ کر دو، میں تم کو یہ چیز کم

قیمت پر فروخت کروں گا، یہ ناجائز ہے۔ یا خریدار کہے کہ تم اس بیع کو فسخ کردو میں اس شے کی تم کو اس سے زیادہ قیمت دوں گا، یہ بھی ناجائز ہے۔

اور نرخ پر نرخ کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کسی چیز کی بیع پر راضی ہوں لیکن ابھی عقد بیع نہ ہوا ہو کہ ایک شخص بائع سے کہے: میں زیادہ قیمت دوں گا۔ قیمت طے ہو جانے کے بعد یہ بھی ناجائز ہے۔ البتہ نیلام میں زیادہ بولی دینا جائز ہے۔

بیع بخش کی ممانعت:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بخش سے منع فرمایا۔ (نهیٰ عن النجش) (مسلم، رقم: ۳۷۰۸)

بیع بخش کے بارے میں علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی چیز کی اصل قیمت لگا دی جائے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص اس کی قیمت بڑھائے حالانکہ اس کا خود خریدنے کا ارادہ نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد صرف دوسرے شخص کو ترغیب دینا ہے تو یہ بخش ہے۔ اور یہ شریعت میں ممنوع ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کو دھوکہ دینا ہے، لیکن اگر کسی چیز کی قیمت نہ لگائی گئی ہو اور وہ خریدنے کا ارادہ کیے بغیر اصل قیمت لگانے کے لیے بڑھائے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں کسی دوسرے کو ضرر پہنچائے بغیر مسلمان کو نفع پہنچانا مقصود ہے۔ یہ اس وقت ہے جب دوسرا شخص اس چیز کو کم قیمت سے خریدنا چاہتا ہو۔

(فتح القدیر: ۶/۱۰۷)

بخش کے ممنوع ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک بخش حرام اور ناجائز ہے۔

بخش کے ناجائز ہونے کی وجہ سے بعض فقہاء نے نیلام کی بیع کو بھی مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ نیلام میں بھی لوگ خریداری کی بولی بڑھ چڑھ کر لگاتے ہیں۔ چنانچہ امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی نیلام کی بیع مکروہ ہے، لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک یہ بیع مطلقاً جائز ہے۔ (فتح الباری: ۴/۳۵۴)

Marfat.com

جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک چادر اور ایک پیالہ فروخت کیا اور فرمایا کہ اس چادر اور پیالے کو کون خریدے گا؟ ایک شخص نے کہا: ''میں اس کو ایک درہم میں خریدوں گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟'' ایک اور شخص نے دو درہم کہا۔ آپ ﷺ نے وہ چادر اور پیالہ اس شخص کو دے دیئے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

(ترمذی: ص ۱۹۶، ابوداؤد: ۱/۲۳۲، نسائی: ۲/۱۹۰، مجمع الزوائد: ۳/۸۴، ابن ماجہ، رقم: ۲۱۹۸، سنن کبریٰ بیہقی: ۷/۲۵، شعب الایمان بیہقی: ۳/۴۰۳، شرح السنہ بغوی: ۸/۱۱۹، مسند احمد: ۳/۱۰۰، ابوداؤد طیالسی: ص ۲۸۵، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۳/۱۳۲)

تلقی جلب کی ممانعت:

اسلام نے تلقی جلب سے بھی منع فرمایا ہے۔ تلقی جلب کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص شہر سے باہر نکل کر ان تاجروں کا استقبال کرے جو شہر میں فروخت کرنے کے لیے غلہ اور دیگر اجناس کا نرخ معلوم کرنے سے پہلے ان سے ان کا مال خرید لے۔ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ تاجروں کو ضرر سے بچایا جائے کیونکہ جب وہ شہر اور منڈی کا بھاؤ معلوم ہونے سے قبل اپنا مال فروخت کر دیں گے تو بسا اوقات ان سے مال خریدنے والا شہر سے کم قیمت پر مال خرید لے گا، اس سے وہ تاجر نفع سے محروم ہو جائیں گے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سودا فروخت کرنے والوں کی ملاقات سے منع فرمایا تاوقتیکہ وہ بازار نہ آ جائیں۔

(مسلم، رقم: ۳۷۰۹، اخرجہ البخاری والنسائی فی المجتبیٰ، ابن حبان: ۱۱/۳۳۴، احمد: ۲/۷)

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سودا بیچنے والوں سے آگے جا کر نہ ملو۔ جس شخص نے پہلے آگے جا کر سودا خرید لیا، پھر سودے کا مالک (تاجر) بازار گیا اور اس کو بازار کا نرخ معلوم ہو گیا تو اس کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ (مسلم، رقم: ۳۷۱۳)

Marfat.com

شہری کو دیہاتی کا مال فروخت کرنا:

شہری کو کسی دیہاتی کا مال فروخت کرنا یہ بیع بھی اسلام میں ممنوع ہے۔ چنانچہ امام نووی نے لکھا ہے کہ شہری کی دیہاتی سے بیع حرام ہے، اور وہ یہ ہے کہ دیہاتی اس وقت کے نرخ پر سودا فروخت کرنے کے لیے شہر میں لائے اور اس کے پاس شہری آ کر کہے کہ اپنا مال میرے پاس رکھو تا کہ میں تمہارے مال کو موجودہ نرخ سے زیادہ تدریجا فروخت کر دوں۔ اس بیع کے ممنوع ہونے کے حسب ذیل شرائط ہیں:

1- بیع کرنے والے کو علم ہو کہ یہ بیع منع ہے اور یہ شرط تمام ممنوعات کو شامل ہے۔

2- جو مال وہ لایا ہو اس کی لوگوں کو عام ضرورت ہو جیسے خورد ونوش کا سامان۔ اور جن چیزوں کی عام ضرورت نہیں ہے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں۔

3- اس شے کی بیع سے شہر میں وسعت ہو۔ اگر شہر کے بڑے ہونے یا اس شے کے کم ہونے یا اس شے کے عام ہونے اور نرخ کے کم ہونے کی وجہ سے یہ وسعت نہ ہو تو پھر بھی یہ بیع جائز نہیں۔

4- شہری دیہاتی پر بیع پیش کرے اور اس کو بیع کی دعوت دے، لیکن اگر دیہاتی نے خود شہری سے بیع کی درخواست کی ہے یا اس شے کو فروخت کرنے کے لیے شہری کے پاس ٹھہرنے کا قصد کیا ہے اور شہری نے کہا ہے کہ یہ معاملہ میرے سپرد کر دو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اگر ان چاروں شرطوں کے باوجود شہری دیہاتی سے سودا خریدے تو اس کا یہ فعل حرام ہے اور بیع صحیح ہے۔ خریدنے والے کے لیے خیار شرط نہیں ہوگا۔

(روضۃ الطالبین: ۳/۴۱۲)

قبضہ سے قبل کسی شے کا فروخت کرنا:

اسلام میں اناج اور دوسرے سامان کا قبضہ سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے بائع اور مشتری کے درمیان بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اناج خریدے وہ قبضہ سے پہلے اس کو فروخت نہ کرے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم سواروں سے ناپ تول کے بغیر اندازاً اناج خریدتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس اناج کو وزن کرنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع کر دیا۔ (مسلم، حدیث، رقم: ۳۷۴۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا تم نے سود کی بیع کو حلال کر دیا ہے۔ مروان رضی اللہ عنہ نے کہا: 'میں نے کیا کیا ہے؟'' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم نے ہنڈی Bill of Exchange کی بیع کو جائز کر دیا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبضہ سے قبل اناج کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ پھر مروان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور لوگوں کو ہنڈی کی بیع سے منع کر دیا۔ سلیمان (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سپاہی لوگوں کے ہاتھوں سے ہنڈیاں چھین رہے تھے۔ (مسلم، رقم: ۳۷۴۸)

علماء نے قبضہ سے قبل چیز کی بیع کی ممانعت کی بڑی حکمتیں بیان کی ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

1- بیع قبل القبض میں دھوکا کا امکان ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مبیع (فروخت شدہ چیز) بائع کے پاس ہلاک اور تلف ہو جائے۔

2- جب خریدار مبیع پر قبضہ کر لے گا تو پھر اس میں بائع کے تصرف کرنے کا امکان ختم ہو جائے گا، ورنہ ہو سکتا ہے کہ فروخت کرنے کے بعد بائع کو زیادہ قیمت دینے ولا کوئی اور گاہک مل جائے تو وہ خریدار کو مبیع پر قبضہ نہ دے اور بیع فسخ کر دے۔

3- اس زمانہ میں بیع قبل القبض کی وجہ سے سٹے کو فروغ ہوتا ہے اور اجناس وغیرہ کی قیمت کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے جس سے صارفین کا استحصال ہوتا ہے۔

4- ہمارے ملک میں اسٹاک ایکسچینج میں روزانہ کروڑوں روپے کا سٹہ کا کاروبار ہوتا ہے۔ سٹے میں چونکہ صرف کاغذات اور ٹیلی فون پر بات ہوتی ہے اور عملی طور پر فروخت نہیں ہوتی اور نہ مبیع پر قبضہ کیا جاتا ہے، اس لیے اس حدیث کی رو

Marfat.com

سے یہ کاروبار ناجائز ہے۔

5- بیع قبل القبض میں ایک شخص کسی سے کوئی شے دس روپے میں خریدتا ہے اور اس شے پر قبضہ کیے بغیر وہی شے پندرہ روپے میں کسی اور شخص کو فروخت کر دیتا ہے۔ جب کہ وہ شے ابھی بائع کے پاس ہے۔ تو اس نے دس روپے کو پندرہ روپوں میں فروخت کر دیا اور یہ شے حکماً سود ہے۔

مجہول ڈھیر کی بیع:

شریعت میں مجہول ڈھیر کی خرید وفروخت ممنوع ہے، جیسا کہ کھجور، گندم، جو یا کوئی اور شے کا ڈھیر لگا ہوا ہو لیکن اس کی مقدار مجہول ہو۔ یہ معلوم نہ ہو کہ کھجور اور گندم کتنے من ہے۔ شریعت میں اس کی بیع ممنوع اور ناجائز ہے۔ چنانچہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''کھجوروں کے جس ڈھیر کی مقدار پیمائش کے معروف طریقے سے معلوم نہ ہو اس کو معین کھجوروں کے عوض فروخت کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔'' (مسلم، رقم: ۳۷۴۰)

ظہور صلاحیت سے قبل درختوں پر پھلوں کی بیع:

اسلام میں ظہور صلاحیت سے قبل درختوں پر پھلوں کو فروخت سے منع فرمایا گیا۔ ظہور صلاحیت کا مطلب یہ ہے کہ پھل اسی مقدار کے ہو جائیں کہ وہ قدرتی آفات سے محفوظ ہو جائیں۔ فقہائے شافعیہ کے نزدیک اس کا معنی پھلوں کا پک جانا اور ان میں مٹھاس کا آ جانا ہے۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ لابن ہمام: ۵/۴۸۹)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں مزید لکھتے ہیں: ''پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد ان کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے اگر یہ شرط لگائی جائے کہ پھلوں کو درختوں پر رہنے دیا جائے گا تو توڑا نہیں جائے گا تب بھی اس بیع کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔ (فتح القدیر: ۵/۴۸۹)

موجودہ زمانے میں اکثر اسلامی ملکوں میں باغات کے پھلوں کی بیع کا طریقہ یہ

Marfat.com

ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی جاتی ہے اور درختوں سے پھلوں کو توڑ کر بیع نہیں کرتے، اور کبھی ان پھلوں کی صلاحیت کے ظہور سے قبل بیع ہو جاتی ہے، اور زیادہ تر بیع اس وقت ہوتی ہے جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور صرف ان کا بور ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی اس کے ظہور سے بھی پہلے بیع ہو جاتی ہے۔ پھلوں کی بیع کی یہ تمام صورتیں باطل اور ناجائز ہیں کیونکہ حدیث میں ان کا جائز نہ ہونا آیا ہے۔ نیز پھلوں کے ظہور سے قبل ان کی بیع کے عدم جواز پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کیونکہ یہ ایک معدوم کی بیع ہے اور معدوم کی بیع اسلام میں ناجائز ہے۔

باغوں کے پھلوں کی مروجہ بیع کے باطل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ خریدار ان پھلوں کو ایک معینہ مدت تک درختوں پر برقرار رکھتا ہے۔ اگر خریدار پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کی شرط سے بیع کرے تو یہ بیع بالاجماع باطل ہے، لیکن آج کل پھلوں کی بیع کا یہی طریقہ ہے۔ اگر عدم جواز کے اس حکم کو اپنے پر ظاہر رکھا جائے تو آج دنیا میں کسی جگہ بھی کھانا جائز نہیں ہوگا مگر یہ کہ کوئی شخص اپنے باغ سے خود پھل توڑ کر کھائے۔ یہ طریقہ اگرچہ اسلام کے خلاف ہے اور مدتوں سے لوگ اسی قسم کی بیع کرتے چلے آرہے ہیں لہٰذا ان کے اس طریقہ بیع کو تبدیل کرنا نہایت مشکل ہے، اس لیے اس بیع کے جواز کا حل یہ تلاش کیا گیا۔

اگر بور کے ظہور سے قبل باغ کو خریدا ہے تو اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ ایک مدت معینہ تک باغ کی زمین کو کرایہ پر مالک سے لے لے۔ پھر پھلوں کے اتارنے تک جو زمین سے افزائش اور روئیدگی ہوگی وہ کرایہ کا عوض اور اس کا جائز حق ہوگا جیسا کہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے المبسوط: ۱۱/ ۱۹۹ پر لکھا ہے:

اگر درختوں پر بھی جس قدر بور یا پھل ہوں اس کو مشتری خریدے اور اس کے فصل تک جس قدر بھی پھل آئیں ان سب کو باغ کا مالک خریدار پر حلال کر دے۔ فی الواقع باغوں کے پھلوں کی مروجہ بیع اس طرح ہوتی ہے۔ خریدار موجودہ پھل خرید لیتا ہے اور باغ کا مالک فصل پکنے تک پھل اس کے لیے حلال کر دیتا ہے۔

(ملاحظہ ہو المبسوط: ۱۲/ ۱۹۷، فتح القدیر: ۵/ ۴۹۲)

باقی رہا مسئلہ دیر تک پھلوں کو درختوں کے ساتھ رکھنا کیونکہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ پھل خریدنے کے بعد ان کا درخت سے اتارنا واجب ہے۔ اگر خریدار یہ شرط لگائے کہ وہ پکنے تک پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھے گا تو یہ شرط باطل ہے کیونکہ یہ سودا درسودا ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے، یا اس وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے کہ بیع میں ایسی شرط لگائی گئی ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع کیا ہے۔

اس اشکال کا حل یہ ہے کہ بیع بغیر شرط ترک کے کی جائے اور پھر اگر بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دینے کی اجازت دے دے تو جائز ہے۔ اور چونکہ عرف یہ ہے کہ بیع میں شرط نہیں لگائی جاتی اور ایک معینہ مدت تک پھلوں کے درختوں پر برقرار رہنے پر یا بائع کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا، اس لیے یہاں حکماً بائع کی اجازت حاصل ہے۔

ہنڈی کی بیع:

ہنڈی کی بیع اسلام میں جائز نہیں۔ اس میں ہوتا یہ ہے۔ زید نے صہیب سے مال خریدا اور تین ماہ بعد رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے لیے زید نے صہیب کو ایک دستاویز ہنڈی دی جس میں اس نے لکھ دیا کہ وہ تین ماہ بعد صہیب کو ایک ہزار روپیہ ادا کرنے کا پابند ہے۔ بائع صہیب یہ ہنڈی لے کر بنک گیا اور فی صد کمیشن پر نوسو پچاس روپے میں یہ ہنڈی کی دستاویز فروخت کر دی۔ پھر بنک مقررہ تاریخ پر صہیب سے ایک ہزار روپے وصول کر لیتا ہے۔ بنک کو اس کاروبار میں پچاس روپے کا فائدہ ہوا اور صہیب کو اپنی رقم جلد مل جاتی ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ بنک وہ ہنڈی (Bill of Exchange) دوسرے بنک کو فروخت کر دیتا ہے۔

شرعی طور پر یہ بیع جائز نہیں۔ اس کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع غرر (دھوکہ) ہے کیونکہ مشتری دیوالیہ ہو جائے تو بنک کی رقم ماری جائے گی، یا وہ اپنی تمام املاک فروخت کر کے بیرون ملک چلا جائے تو بنک کی رقم ہلاک ہو جائے گی۔ اس کے ناجائز ہونے کی دوسری وجہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ یہ تاخیر اور زیادتی کے ساتھ نقود کا

Marfat.com

نقود سے تبادلہ ہے اور اس کی حرمت ربا الفضل میں منصوص ہے۔

مال کی افزونی اور حصول نفع کا ایسا معاملہ جس میں باہمی تعاون قطعاً مفقود ہو اور ایک طرف کا فائدہ دوسری جانب کے یقینی نقصان پر مبنی ہو جیسے جوا، لاٹری اور سٹہ وغیرہ۔ ان میں متعاقدین میں ایک جانب کا فائدہ دوسری جانب کے مکمل نقصان کا باعث اور سبب بنتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ، قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (بقرہ:۲۱۹)

"یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ ان دونوں باتوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے۔"

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدہ:۹۱)

"بلاشبہ شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔"

ایسا کاروبار بھی اسلام کی نگاہ میں حرام اور ناجائز ہے جس میں معصیت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو، یا ان حرام اشیاء کی خرید و فروخت جو اپنی ذات میں نجس ہوں، جیسے مردار، مرداری کھال، خون، خنزیر کا گوشت وغیرہ۔ شراب بھی ناپاک ہے اس وجہ سے اس کی تجارت اور خرید و فروخت بھی حرام اور ناجائز ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ جب سود کے بارے میں سورۃ البقرۃ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور شراب کی تجارت حرام فرما دی۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں یہ فرمایا: "اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خمر، مردار اور بتوں کی بیع (خرید و فروخت اور تجارت) کو حرام کر دیا ہے۔" عرض کیا گیا: "اے اللہ کے رسول!

Marfat.com

یہ فرمایئے کہ مردار کی چربی کا کیا حکم ہے کیونکہ ان کو کشتیوں پر ملا جاتا ہے اور کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور لوگ چراغ جلا کر اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، وہ حرام ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے، جب اللہ تعالیٰ نے ان پر مردار کی چربیوں کو حرام کیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کر دیا اور اس کی قیمت کھالی۔ (مسلم، رقم: ۳۹۳۶، نیل الاوطار: ۵/ ۱۲۷)

Marfat.com

Marfat.com

حکیم محمود احمد ظفر کی چند مشہور اسلامی کتابیں

مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ان کے معاصرین
حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ
شیخ الاسلام سیدنا ابوذر غفاری
اسلام اور ملکیت زمین
سیرت خاتم النبیین ﷺ
امہات المومنینؓ
سیرت سیدنا صدیق اکبرؓ
سیرت حضرت عمر فاروقؓ
سیرت حضرت عثمان غنیؓ
سیدنا حضرت علیؓ
سیدنا حسن بن علیؓ (تاریخ کے آئینہ میں)
سیدنا حسین بن علیؓ (تاریخ کی روشنی میں)
خلفائے راشدین
عشرہ مبشرہ
سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ (تاریخ کی روشنی میں)
سیدنا خالد بن ولیدؓ
موسیٰ بن نصیر
اسلام کا نظام زکوٰۃ
اسلام کی دعوتی قوت
صحابہ کرامؓ اور اہل بیت نبوت کے تعلقات اور رشتہ داریاں
نماز (رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر)

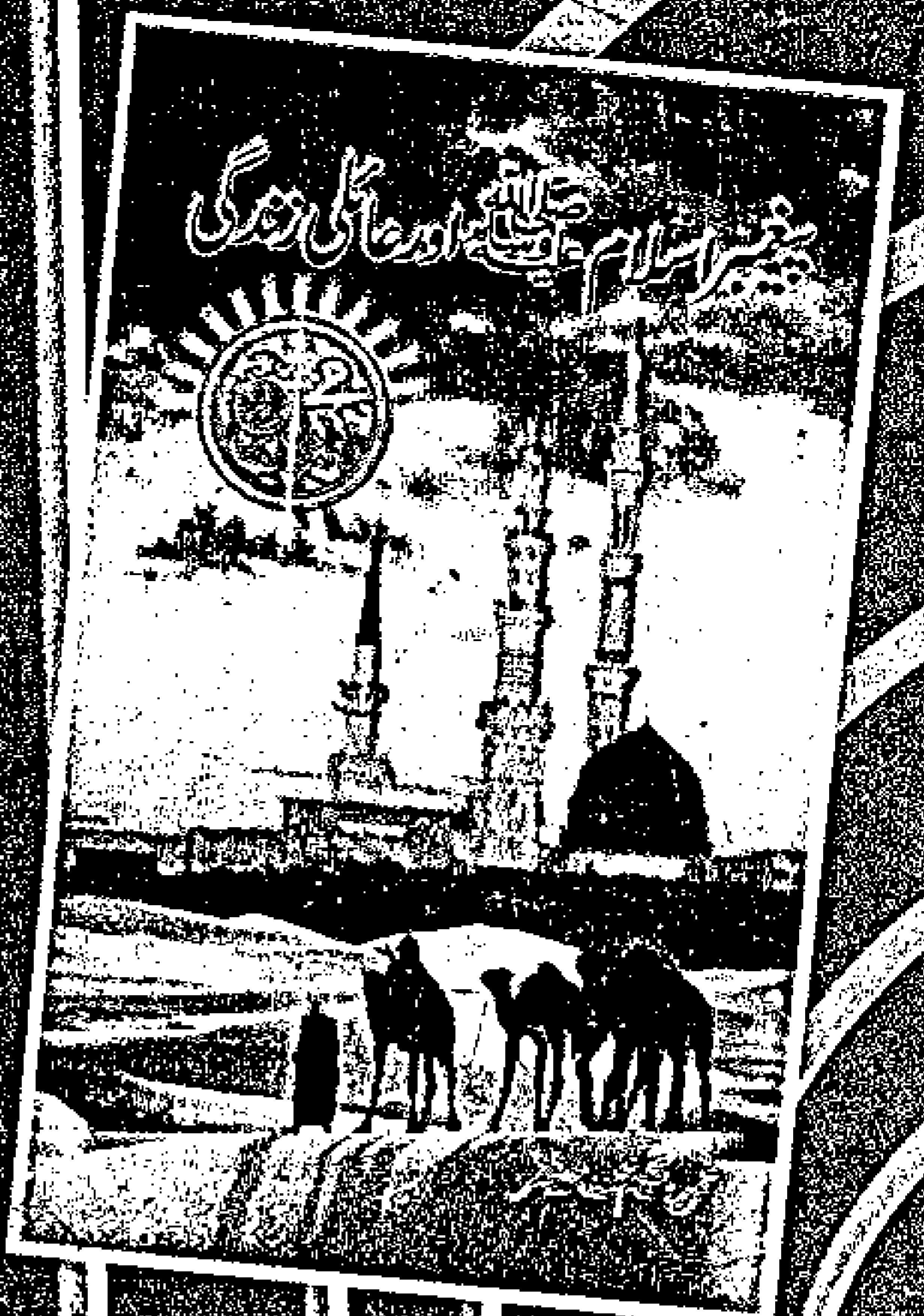

297.9921 م 28 ظ پ
79438-U-67

تخلیقات: علی پلازہ، 3۔ مزنگ روڈ، لاہور فون 042-7238014
Email: takhleeqat@yahoo.com www.takhleeqatbooks.com
تخلیقات Publishers

Marfat.com

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور رزق حلال

حکیم محمود احمد ظفر

Marfat.com